آزاد

مرتبہ [illegible]

نمبر ۱	جولائی [illegible] ۱۹۰[illegible]ء	جلد ۲

فہرست مضامین

[illegible]

اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے



Sir P. M. Mehta, Bomba

चि. शा. पुणें.



R. C. Dutt.

C. S. P.

فہرست مضامین رسالہ آزاد جلد اول

جنوری سنہ ۱۹۰۷ء لغایت جون سنہ ۱۹۰۷ء

ہاف ٹون تصاویر: مسٹر دادابھائی نوروجی۔ پنڈت بال گنگادھر تلک۔ ہز میجسٹی امیر کابل۔ آنریبل مسٹر گوپال کرشن گوکھلے۔ لالہ جسونت رائے۔ مسٹر اتھاولے۔ لالہ لاجپت رائے۔ مسٹر سریندر ناتھ بنرجی۔ مسٹر جسٹس رانیڈے۔ سر فیروز شاہ مہتہ۔ راجہ ادی ورما۔

جلد کے نمبر رسالہ میں صفحہ کے نیچے درج ہیں

گذشتہ جلد پر ریویو

ناظرین آزاد یقیناً ہمارے ساتھ اِس خوشی میں شریک ہونگے۔ کہ آزاد کی پہلی جلد نہایت خوبی سے تمام ہوئی۔ اور اِس نمبر کے ساتھ دوسری جلد کا آغاز ہوتا ہے۔ بلحاظ کاغذ و ضخامت سال کی دو جلدیں زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہیں۔ اور اِس لئے یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے +

جنوری سنہ ۱۹۰۰ء میں آزاد نے جنم لیا۔ پنجاب میں رعایا اور حکام میں کشیدگی پھیل رہی تھی۔ مگر قومیت کا احساس اور ملکی خدمت کی اُمنگ ملک میں پیدا ہو چکی تھی۔ کلکتہ کانگریس کی کامیابی سے اہل ملک کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اخبار بینی کا شوق کچھ بڑھ چلا تھا۔ امیر صاحب اور مسٹر گوکھلے کے دورے نے ملک میں ایک نئی روح پھونک دی اور رہبران ملک کی مدت کی مُنہ مانگی مراد بر آئی۔ یعنی ہندو مسلمانوں میں خود بخود اتحاد کی صورت دکھائی دی۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں۔ جو ملکی بیداری کا پتہ دیتی تھیں۔ اور یہ امید کی جاتی تھی۔ کہ رعایا اور حکام کی کشیدگی غلط فہمی دور ہونے پر جلد دور ہو جائیگی۔ ایسے مبارک وقت میں اخبارات کی کامیابی کوئی دشوار بات نہ تھی۔ اور یہی مبارک خیالات تھے۔ جو ہمیں آزاد کی کامیابی کا یقین دلاتے تھے +

اردو میں دو تین اچھے رسالے موجود تھے۔ مگر سیاسی اور ملکی امور پر بحث کرنے والا ایک رسالہ بھی نہ تھا۔ دو ایک رسالے علمیت کے رنگ کیساتھ کبھی کبھار اِس طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ مگر انگریزی طریق کا اِس صنف میں مخصوص رسالہ ایک بھی نہ تھا۔ یہ ایک عام خیال تھا۔ کہ اردو میں ایسے خیالات

اور لکھنے والے ہی میسر نہیں آ سکتے۔ آزادی کے جنم کے وقت اگرچہ رعایا اور حکام میں کشیدگی تھی مگر سنجیدہ رائے کے قدردان موجود تھے۔ کیونکہ عام خیال تھا کہ نتیجہ تسلی بخش ہوگا +

پنجاب کے سخت فیصلہ پر ملک میں ناراضگی کی آگ بھڑک اٹھی۔ اہل ملک کی امیدیں خاک میں مل گئیں [illegible] پریشانی کا شکار ہو گئے۔ ملک میں [illegible] سخت الفاظ [illegible] زبان دانی پر اعتراض کیا [illegible] موافقت حکام تھا ملک [illegible] وقت سنجیدہ [illegible] والوں [illegible] ان کی [illegible] قانون [illegible] صدمہ پہنچا ہے۔ تو انتقام کی نصیحت کرنے والا [illegible] ملک میں چند سخت نویس اخبار پیدا ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے [illegible] قدر بگاڑ اٹھا کہ سنجیدہ رائے اخبارات کی سرپرستی [illegible] کی پالیسی جو اس وقت برتی جا رہی تھی۔ اس آگ کو اور زیادہ بھڑکا رہی تھی +

حکام اور گورنمنٹ کا برانگیختہ ہو جانا اس بے قاعدہ مخالفت کا لازمی نتیجہ تھا اور خصوصاً اس وقت جبکہ حکام نے سختی کی پالیسی اختیار کی ہو۔ یہ بے قاعدہ جماعتیں فوراً منتشر کر دی گئیں۔ اور قانون جیسا کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ مضبوط ہاتھ نے ان اخبارات کی آواز کو فوراً بند کر دیا۔ جو بے وقت اور بے سرا راگ الاپ رہے تھے۔ اس بیوقوفی کا نتیجہ بعض ناکردہ گناہ اہل ملک کو بھی بھگتنا پڑا۔ اور سب سے زیادہ صدمہ ملک کے لئے یہ ہوا۔ کہ پنجاب کا لیڈر غلط فہمیوں کا شکار ہوا۔ اور محض غلط رپورٹوں پر اسے جلاوطن کر دیا گیا +

یہ ممکن ہے کہ اس قسم کی سخت پالیسی گورنمنٹ رعب قائم رکھنے کے لئے عمل

میں لائی ہو اور اگر گورنمنٹ کا یہی مقصد ہے تو ہمارا یقین ہے کہ اِس میں گورنمنٹ کو کم از کم پنجاب میں تو پوری کامیابی ہوئی ہے۔ اِس وقت پنجاب میں چاروں طرف سناٹا ہے۔ اگر کبھی کوئی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو وہ اظہارِ وفاداری کی آواز ہے اِس ہلچل سے ملک میں عظیم انقلاب ہو گیا ہے اور سب سے زیادہ قابلِ افسوس ہندو مسلمانوں میں نفاق ہے جو اظہارِ وفاداری سے پیدا ہوا ہے۔ گذشتہ واقعات سے بہت سے اہلِ ملک کی رائے تبدیل ہو گئی ہے۔ وہ لوگ جو پیشتر اتحاد کے حامی تھے اور اِس کے لئے ہر طرح کوشش کرتے تھے آج نفاق کے بانی ہیں +

۲۔ غرض اِس طول طویل بحث سے صرف یہ ہے کہ آزاد نے اپنی چھ مہینہ کی عمر میں زمانہ کا بہت سا اُتار چڑھاؤ دیکھا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ یہ امر ہر طرح قابلِ تحسین ہے کہ آزاد باوجود اِن سخت تبدیلیوں کے اپنی میانہ رو پولیسی پر قائم رہا ہے اور اپنے دستور العمل ع

آزاد روہوں اور میرا مسلکِ صلحِ کل

نہایت خوبی سے نبھایا ہے۔ جہاں اِس نے گورنمنٹ کی سختیوں کی مخالفت کی ہے وہاں بے قاعدہ ناگوار طریقوں کو بھی نفرین کی ہے +

۳۔ اردو جاننے والے مستند اہلِ قلم کے مضامین ... کا شکریہ ہے کہ آزاد کو ... کامیابی ہوئی ہے ... معقول تعداد اپنے ... کی ... ہے ...

۴۔ آزاد کی پہلی جلد میں ... مضامین مختلف اہلِ قلم کے قلم سے درج ہوئے ہیں۔ اِن سے یہ مسرت بخش اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آزاد کو ... کے مضامین درج کرنے میں بھی خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور ملک کے نوجوانوں میں اردو مضامین نگاری کا شوق پیدا ہو گیا ہے +

۵۔ قدیم اور جدید شاعری کو ملا کر جو نیا رنگ شاعروں نے اختیار کیا ہے وہ ملک

میں نہایت مقبول ہوا ہے۔ اور اس میں جو قومی نظمیں لکھی جاتی ہیں وہ مقبولیت عامہ حاصل کرتی ہیں۔ ایسی دلچسپ نظموں کی بھی ایک معقول تعداد آزاد میں شایع ہو چکی ہے۔

۵۔ ہاف ٹون تصاویر بھی آزاد کے لیئے خاص کوشش سے حاصل کی گئی ہیں۔ چنانچہ پنجابی کے مالک اور ایڈیٹر کی تصویر خاص آزاد کے لیئے اُتروائی گئی تھی۔ اور اس سے اور ہمعصروں نے بھی یکساں فائدہ اٹھایا ہے +

۶۔ آزاد کو کسی خاص گروہ کی رائے کا پابند نہ بنانے بلکہ ہندو مسلمانوں کے حقوق کو مدنظر رکھنے اور انصاف اور حق پسندی سے کام لینے کے مقصد میں آزاد کو غیر معمولی کامیابی ہوئی ہے۔ مسلمان بھائیوں نے آزاد کی سرپرستی ویسی ہی سرگرمی سے کی ہے جیسی ہندؤں نے۔ لکھنے والوں میں بھی مسلمان احباب کی ایک معقول تعداد ہے۔ اگرچہ اس سے زیادہ مطلوب ہے۔ اور ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ملکی حیثیت سے ہم سب ایک ہیں۔ اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ ہمارے مشترکہ اغراض میں بھی مذہب مانع ہو +

ہم سمجھتے ہیں۔ کہ چھ مہینہ کی چھوٹی سی عمر کے لحاظ سے یہ کام ہر طرح قابل اطمینان اور لایق تحسین ہے۔ اور اگر ہماری کوششوں کے ساتھ آپ کی امداد شامل رہی تو اُمید ہے۔ کہ خاطرخواہ ترقی ہو گی۔ اور آزاد روز بروز زیادہ دلچسپ ہوتا جائیگا۔ ہم جو کچھ ہمارے امکان میں ہے۔ کرتے ہیں۔ اور ہر وقت کرنے کے لئے تیار رہیں۔ آپ اپنا فرض ادا کیجئے اور توسیع اشاعت میں مدد دیجئے۔ تاکہ تمام مقاصد پر زیادہ کامیابی سے عمل کیا جاسکے۔ خدا آپ کی ہمت میں برکت دے۔ آمین ثم آمین +

آزاد

پہاڑ پالیٹکس

از پنڈت کرشن پرشاد کال

نمبر ۱

جب بیسوی صدی کا نجومی اپنے آلات میں اس غرض سے مشغول ہوتا ہے کہ آیندہ صدی کے تغیر و تبدل کے باب میں نظر تعمق ڈال کر کچھ پیش گوئی کرے۔ تو متفرق سیاروں کی گردش میں ایک ایسا حیرت انگیز انقلاب معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو دنیا کی کایا پلٹ کر دینے والا ہو۔ سیاروں کی گردش میں دفعتاً ایسے انقلاب کا پیدا ہونا اس کو پس و پیش میں ڈال دیتا ہے۔ اور اُس آیندہ زمانہ کے مورخ کے فیصلے کا خوف (جو مبادا اُس کی پیشین گوئی کو قطعی غلط ثابت کر دے) جو اکیسویں صدی کی رگ رگ سے واقف ہوگا و بیسویں صدی کی گذشتہ تاریخ جس کے سامنے موجود ہوگی۔ اس غریب کے لبوں پر مہر سکوت لگا دیتا ہے۔ تاہم سیاروں کی گردش کا نقشہ جو نجومی تیار کر رہا تھا۔ ہمارے سامنے کھلا پڑا ہے۔ جو قیاسات و نظریات میں کافی ممد ثابت ہوگا۔ صدیوں بعد مریخ نے اپنا رخ بدلا ۔ اور

بیسویں صدی کے شروع ہوتے ہوتے مشرق کے برج میں روشنی پیدا ہوئی۔ اِس جنگی دیوتا کی زہر آلود نگاہیں مغرب کی طرف کچھ اس غضب کے ساتھ دیکھنے لگیں۔ کہ برطانیہ کا پولیٹیشن بلائے ربّانی پکارنے لگا۔ منشی فلک یعنی عطارد نے اپنے مبارک لبوں سے جمہوریت کی روح مشرقی اقوام میں مسیحی قوت کے ساتھ پھونکنی شروع کی۔ اور مشرقی دماغ کی تشریح جو مغربی فیلسوفیوں نے نہایت محنت سے تیار کر کے شایع کرائی تھی وہم ثابت ہونے لگی۔ ۱۹۰۵ء کے نوروز کو مشرق کے دروازہ سے آفتاب تاباں کچھ عجب شاہانہ شان سے نکلا۔ اور صبح ہوتے ہوتے فتحیاب مشرق کا لہراتا ہوا پھریرا ہم وحشی جاپانی بہادروں نے پورٹ آرتھر پر جا جمایا۔ اور مغربی نہایت سربرآوردہ مہذب قوم آشتی کا پیام لیکر وحشیوں سے ناداجوڑنے آئی۔ چند ماہ سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرنے پایا تھا۔ کہ ایشیائیوں نے شوشیما کی بحری جنگ میں یورپ کی نہایت طاقت ور قوم کے دانت کھٹے کردیئے تب یورپ اکثر اہل نظر اس بات کے معلوم کرنے پر مجبور ہوئے۔ کہ جنگ ٹریفالگر کے بعد پچھلے سو برس میں ایسے معرکہ کی بحری جنگ کہ جس کی فتح جاپان کے نام ہوئی ہو گر دنیا میں نہیں آئی۔ اس آفتاب کی چمکتی ہوئی کرنیں پورٹ آرتھر کی چٹانوں سے اترتی ہوئی ہند کے خفتہ بیدار میدان تک بھی پہنچیں۔ اور لارڈ کرزن کا تیز تازیانہ ہندی قوم کے جگانے کا باعث ہوا۔ ۷ اگست ۱۹۰۵ء کو بنگال میں نہایت جوش کے ساتھ سودیشی تحریک کا جھنڈا اٹھایا گیا کہ جس نے تمام ملک میں ہل چل مچادی۔ اور آج ہند کی آیندہ ترقی کا ہر ایک سچا معتقد یہ جانتا ہے۔ کہ سودیشی تحریک ہی ہماری نجات کا باعث ہوگی اور یہی وہ تحریک ہے۔ کہ جس نے محبان وطن کے دل شاد اور دشمنوں کے دل پریشان کر رکھے ہیں۔ آگے چلیئے ۱۹۰۸ء کے شروع ہوتے ہوتے فارس والوں نے جمہوریت کی روح سے

تازہ ہوکر اپنا پارلیمنٹ شاہ فارس سے قرار دلوالیا۔ غرضیکہ ایک طرف تو ایشیائی
مجذوب اپنی اُس اُدھیڑ بن میں لگا ہے۔ دوسری جانب یورپ کے پولیٹیکل فلاسفر
اِن اشارے بازیوں میں کہ میاں آنکھیں بند ہوئے یہ قانی ایسی دھن بجائے کہ کالے
پانی سے نکلکر گوروں کو ڈسنے لگیں۔ خیر اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مجذوب کی بڑ سے
ہمارا بھی کچھ رشتہ ہے یا نہیں۔ اس بارے میں موقع سے گفتگو کی جاوے گی
قطع نظر اِس کے اب ہم اصل مضمون پر آتا [illegible]

چند سال ہوئے بنگال کے ایک نامی بیرسٹر صاحب نے ایک [illegible]
تقریر کرتے ہوئے بحوالہ ہندوستان فرمایا تھا کہ محکوم قوم کے لئے کسی قسم کے
پولیٹکس نہیں ہو سکتے۔ اِس کے خلاف بہت کچھ کہا گیا [illegible]
[illegible] سچائی ہے کہ [illegible] اگر ہمارے پولیٹکس
کچھ [illegible] پولیٹکل [illegible] سے کم نہیں۔ اگر [illegible] غلامی کی
حالت میں نہ ہوتے یا یوں کہیئے کہ اس قدر غلامی سے پائمال نہ کیئے جاتے۔ جتنے
کہ ہم آج کل ہو رہے ہیں۔ اور اگر ہمارے بھی امور سلطنت کے امور میں [illegible]
روزمرہ کے انتظام سلطنت کی ردو بدل تعلقات اندرونی و بیرونی کی کشاکش وغیرہ
سب امور متعلقہ حکومت ہمارے پولیٹکس ہوتے۔ جیسا کہ تمام خودمختار و مہذب
ممالک کا وطیرہ ہے۔ لیکن فی زمانہ ہمارے پولیٹکس اِس سے بہت وسیع ہیں۔
لارڈ کرزن کا خلیج فارس جانا یا دہلی دربار میں رونق افروز ہونا۔ تبت کا حملہ یا
چینیوں سے افیون کی تجارت۔ ڈین مشن کا کابل جانا سردار عنایت اللہ خان
کا ہندوستان تشریف لانا۔ بجٹ سالانہ کی ترتیب یا فوجی اخراجات کی منظوری
امیر صاحب کابل کا ہندوستان میں تشریف لانا یا انڈیا کونسل سے ایک صاحب
بہادر کا سبکدوش ہونا۔ وکیل برٹش کولونیل کانفرنس میں بطور تفریح بیٹھے رہنا یہ سب

ہمارے پولیٹیکس سے درحقیقت اسی قدر دور ہیں۔ جس قدر کہ شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم
کی وزارت سے کناڈیا آسٹریلیا کے ملکی انتظامات یا یوں کہئے کہ خود شہنشاہ سلامت
کا تعلق برٹش پولیٹیکس سے۔ پس اب معلوم یہ کرنا ہے۔ کہ ہمارے پولیٹیکس کیا ہیں
اس کا جواب دو فقروں میں پایا جاسکتا ہے۔ کہ ہم ہندوستانی ہیں اور ہندوستان ہمارا
ہے۔ اس خیال کی تمام ملک میں اشاعت کرنا۔ اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ
ہونا۔ اور اُن حقوق کا جانفشانی سے حاصل کرنا۔ نیز سب معاملات متعلق اسکے
ہمارے پولیٹیکس ہیں۔ اور خوش قسمتی سے ہماری سرکار انگلشیہ بھی (جو ہم ہندوستانیوں
سے شاذ ہی کبھی متفق الرائے ہوتی ہے) ہم سے اس خاص معاملے میں اتفاق
کرتی ہے اور ہندوستان میں درحقیقت پولیٹیکس یا پولیٹیکل کے کچھ یہی معنے ہوگئے
ہیں۔ گویا کانگرس و پولیٹیکس دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔

ہمارے پولیٹیکس کا تذکرہ اُس محترم بزرگ ہند کے نام نامی کے ساتھ وابستہ
ہے۔ کہ جس سے زیادہ عزیز نام ہماری نگاہ میں کوئی نہیں۔ جس وقت مسٹر دادا
بھائی نوروجی اب سے نصف صدی پیشتر انگلستان تشریف لے گئے۔ ہمارے
پولیٹیکس کی بنیاد دراصل اُسی وقت سے پڑی۔ آپ کے سوانح زندگی کا ایک
معقول حصہ ہی گویا ہمارے پولیٹیکس کی تاریخ ہے۔ اور چونکہ اس بزرگ قوم
کے سوانحی حالات و پولیٹیکل کوشش زبان زد ہر خاص و عام ہیں۔ میں اس بات
کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ کہ ان کو پھر از سر نو بیان کروں۔ ولایت میں مسٹر دادا
بھائی نوروجی کی پولیٹیکل کوشش شروع ہونے کے عنقریب ۱۵ سال بعد صوبہ
بنگال میں مسٹر رام گوپال گھوش نے پولیٹیکس کی چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ جو کہ اُس
زمانہ میں نہایت نرالی اور اس زمانہ کے لحاظ سے نہایت دقیانوسی خیال
کی جاوے گی۔ فوراً ہی اُن کے بعد مسٹر کرسٹو داس پال اپنے زمانہ کے سب میں

زیادہ ذی اثر پولیٹیشن ثابت ہوئے۔ اور بمبئی میں مسٹر فیروز شاہ مہتہ پولیٹکس کی جانچ پڑتال میں مشغول ہو کر بمبئی کو پولیٹکس میں روز افزوں اثر پیدا کر گئے۔ علاوہ مسٹر نوروجی کی کوششوں کے کہ جنھوں نے جادو کا اثر کیا۔ ہندوستان میں بنگال پولیٹکس کے میدان میں سب سے زیادہ سبقت لے گیا۔ مسٹر کرشٹو داس پال کے عین حیات میں مسٹر من موہن گھوش انڈین مرر کو روز افزوں ترقی دے رہے تھے اور مسٹر سرندرناتھ بنرجی و آنند موہن بوس کے نام نامی اپنے خاصے مشہور ہو چکے تھے۔ مسٹر کرسٹو داس پال کی وفات کے وقت بنگال کے قریب قریب سب مشہور اخبار قایم ہو چکے تھے۔ اور بنگال کا [illegible] جاتا تھا۔ پولیٹکس کے مذاق کی اشاعت قریب قریب سب صوبوں میں ہو گئی۔ اور صوبے میں چند بزرگ و اہل قوم ایسے پیدا ہو گئے [illegible] و شکلوں میں اس کی سماعی کر سکیں [illegible] ہوئی۔ اور ۱۸۸۵ء میں [illegible] قومی مشعلے انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد پڑی۔ [illegible] ہندوستان میں پولیٹکل تعلیم کا اہم کام اشاعت پانے لگا۔ اور ہندوستانی تربیت کا احساس پیدا کرنے کا فخر کانگرس کے ہی حصہ میں آیا ہے۔ [illegible] مخالفت بھی سید احمد خان صاحب [illegible] راجہ شو پرشاد نے کانگرس کے پنڈال میں گھس کر غل مچایا۔ مسٹر ولینڈ کالون نے بہت مخالفت کی۔ لیکن یہ غریب ان سب بلاؤں کو دور کرتا روز افزوں ترقی کے ساتھ قدم بڑھاتے گیا۔ غرضیکہ ہمارے پولیٹکس نے بغیر کسی خاص ہلچل کے معمولی رفتار سے انیسویں صدی (۱۹۰۰) کے اختتام پر پہنچایا۔ لیکن بیسویں صدی کا استقبال ہندوستان میں کچھ عجیب شان سے ہوا۔ اور جیسا کچھ وہ بدل اس ملک یا ایشیا کے براعظم میں

بیسویں صدی کے شروع سے اب تک ہوا ہے۔ غالباً دنیا کے اور کسی حصہ میں نہیں ہوا۔ ہمارے ملک نے اپنی ترقی کی رفتار کو بڑھایا۔ اپنے یہاں کی صنعت و حرفت کے ترقی دینے کی غرض سے کانگرس کے پہلو بہ پہلو ہندوستانی سالانہ نمایش کا ہونا ظہور میں آیا۔ قومی ترقی کے لحاظ سے جس قدر طلبا غیر ولایتوں کے سفر کے لئے ان پچھلے چند سالوں پر گئے بیشتر کبھی نہ گئے تھے۔ ہمارے Periodical [illegible] کا زمانہ تھا جس میں جو کامیاں ترقی اس بیسویں صدی کے چند سالوں میں ہوئی پیشتر [illegible] ہوئی تھی [illegible] ان تبدیلیوں کے علاوہ [illegible] بہت سے تغیر و تبدیل ہوئے کہ ہمارے [illegible] کو [illegible] نے سلطنت [illegible] اپنے ہاتھ [illegible] لارڈ کرزن [illegible] چند [illegible] کی روشن [illegible] بلا ثانی [illegible] جذبات نے [illegible] مسٹر [illegible] سے [illegible] اور انگلستان [illegible] اورنگ زیب عالمگیری دبدبہ کے ساتھ [illegible] سلطنت مغلیہ کے دیوان عام میں تخت شاہی پر بیٹھا یہ خیال کر رہا تھا کہ برطانیہ کا تسلط ہند پر دوامی اور اس کا ذاتی اقبال و عروج لازوال ہوگا +

اس کی نخوت نے خفتہ بیدار ہندوستانیوں کے ساتھ تازیانہ کا کام کیا اور ہمارے پولیٹیکس میں غیر معمولی ہل چل مچی۔ یونیورسٹی ایکٹ کی اس قدر مخالفت کی گئی۔ کہ جس قدر واجب تھی۔ آفیشل سیکرٹ ایکٹ کی مخالفت میں انگریزی اخبار والوں نے ہندوستانیوں کا ہاتھ بٹایا۔ تبت والوں کے ساتھ لارڈ کرزن کا ظلم ہندوستانیوں کو ہرگز نہ بھایا۔ اور خلیج فارس میں ان کی تقریریں شر کا پتہ دیتی تھیں۔ تقسیم بنگالہ کی تجویز کچھ دبی زبان سے پیش ہوئی تھی۔ کہ بنگال کی رعایا نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ گرمی کی شدت طوفان و آندھی کا پتہ دے رہی تھی۔ کہ لارڈ کرزن چند ماہ ولایت رہکر دسمبر ۱۹۰۴ء میں ہندوستان واپس تشریف لائے۔ استقبال کچھ

پھیکا سا ہوا۔ رعایا کا دل برداشتہ اور حضور وائسرائے نہایت کی کلفت سے
کچھ چڑچڑے سے ہو رہے تھے۔ کونسل میں Validating Bill ویلیڈیٹنگ
بل پیش ہوا۔ جناب مسٹر گوکھلے بالقابہم نیز دوسرے ہندوستانیوں نے خوب
سرگرمی سے مخالفت کی۔ پریزیڈنٹ صاحب غصہ نہ ضبط کر سکے... بہت کچھ برا
بھلا کہا۔ مگر ادھر سے بھی جواب نرم نہیں ملے۔ مزاج زیادہ برہم ہوا مجلس برخاست
ہوئی۔ دوسرے روز کلکتہ یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ تھا۔ چانسلر صاحب تشریف
لائے تو پچھلے روز کا غبار دل پر چھایا ہوا تھا۔ یہاں مخالفت کا اندیشہ بھی نہ تھا۔
دل کھول کر بخار نکالا۔ ہندوستانیوں کو دروغ گو و عیار الغرض بہت کچھ
نالایق ثابت کیا۔ لیکن اہل ہند نے بھی اس کا جواب نہایت صاف الفاظ میں
دیا۔ اور عہد انگلشیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کل ہندوستان نے اپنی متفقہ آواز سے
وائسرائے ہند کے خلاف سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ لارڈ کرزن و ہندی رعایا
کے تعلقات اس وقت سے نہایت کشیدہ ہو گئے۔ ہندوستان کے پولیٹیکس
کا مطلع ناموافقانہ توہین کے گرد و غبار سے پریشان تو ہو ہی رہا تھا کہ وائسرائے
کی لعنت ملامت کی آندھی نے اس کو اور بھی زیادہ غلیظ کر دیا۔ اب طوفان کے اٹھنے
کے آثار اچھی طرح نمایاں ہونے لگے۔ اسی اثنا میں تقسیم بنگالہ کا قطعی فیصلہ بھی ظہور
میں آیا۔ بنگالی قوم کا جوش و خروش ابال کی طرح اٹھا و بنگالی گویا دستر دان کی
کوک نے ہندوستان میں بیگانگی پیدا کی وہ آخر کار۔ اگست ۱۹۰۵ء کو نہایت
زور و شور سے بائیکاٹ کا طوفان اٹھا۔ جس نے انگلستان میں ایک کھلبلی سی
مچا دی ولایتی اشیا سے نفرت یہاں تک بڑھی کہ تمام بنگالہ کے اکثر حصوں میں بھی وہاں
ایک پیسہ کی آمد بھی نہیں پہنچا ✦

یہ پولیٹیکل ڈراما ... کا شروع نہایت شاندار دہلی دربار کے ساتھ ہوا تھا

کونسل چیمبر کے متصلہ شاہی برج سے گرتا ہوا تقسیم بنگالہ تک پہنچا۔ اور پولیٹیکل کے ریشنان کا منظر ابھی آنکھوں کے سامنے سے غائب نہیں ہونے پایا تھا۔ کہ اس ڈرامہ کا نہایت دردناک انجام آ پہنچا۔ اور ہم اپنے ہیرو کو [illegible] بھی تھمتا ہو نخوت لیکن جس کے چہرہ سے غضب و شرم کے آثار صریح نمایاں ہوتے تھے۔ جنگل ات سے شملہ میں پیدا ہوتا ہوا دیکھتے ہیں اور اس کی آئندہ زندگی پر کچھ عرصہ کے لیے تو ضرور پردہ پڑ جاتا ہے ؛

انسانی زندگی کے اقبال و ادبار و قوموں کے انقلاب میں ضرور ایسے صفحے ہیں۔ جن سے اگر ہم سبق حاصل کرنا چاہیں۔ تو بہت مستفیض ہو سکتے ہیں۔ ہر کمال را زوال ایک ایسا فقرہ ہے۔ کہ باوجود اپنے نہایت اچھا ہونے کے ہم کو بہت کچھ غلطی کے راستہ پر لیجاتا ہے۔ ہم لوگ خاکسار اسکے یہ معنے سمجھتے ہیں۔ کہ دنیا ہیچ است و کار دنیا ہیچ۔ دنیا کے جال جنجال کو چھوڑ جنگل میں چلیں۔ وحدت کا سبق پڑھیں۔ گو معاملہ بالکل برعکس ہے۔ ہر انسان میں ایک قسم کا ایسا مادہ ضرور پیدا کیا گیا ہے۔ کہ جو اس کو ہمیشہ بیت کمال کی طرف لے جانے کی قوت رکھتا ہے کہ جس کے لیے کبھی زوال نہیں۔ البتہ غور و خوض و کوشش کی ہر جا ضرورت ہے۔ اس مادہ کو انسانی ہمدردی کہتے ہیں۔ اور یہ ہمیشہ کمال راستی پر پہنچتا ہے انسانی ہمدردی انسانوں سے علیحدہ رہکر نہیں آ سکتی۔ اور سچائی کا امتحان جنگل میں نہیں ہو سکتا۔ پس انسانی ہمدردی ہماری خلقت میں ہے اور اس کی مشق دنیا میں رہکر ہو سکتی ہے۔ البتہ وہی لوگ اس کمال کو حاصل کرینگے جو دنیا کی حماقت و کوتاہ نظری کا وزن بہت طور سے کر سکتے ہیں ؛

لارڈ کرزن سے زیادہ قابل گویا مضبوط گورنر جنرل و نامی پولیٹیشن اب تک ہندوستان میں نہیں آیا۔ اور ہم پہلے بھی اس کا غالباً سوائے لارڈ ڈلہوزی کے

اور کوئی نہ ہؤا۔ لیکن حیرت معلوم ہوتی ہے۔ کہ ایسا صاحب دماغ کیسے اس قدر متعصب و کوتاہ نظر ہو سکتا ہے کہ جو دوسروں کا بھلا تو کیا اپنا بُرا بھلا بھی نہ معلوم کر سکے۔ جس وقت شہنشاہی رعب و داب کیساتھ وہ دہلی کا دربار کر رہا تھا یہ نہ معلوم کر سکا۔ کہ اُس کا زوال اس قدر قریب و ایسا ذلیل ہوگا۔ اور جس وقت کہ وہ سلطنت برطانیہ کے استحکام و مضبوطی کے لئے ہر قسم کی کوشش میں لگا ہؤا تھا۔ یہ نہیں خیال کر سکا۔ کہ وہ پہلا وائسرائے ہوگا جو برٹش راج کی بنیاد کو اس قدر کمزور کر کے ولایت روانہ ہوگا۔ اب جبکہ ہم تفتیش کے ساتھ یہ دریافت کرتے ہیں۔ کہ علاوہ ان سب خوبیوں کے کونسی ایسی خرابی اُس میں موجود تھی کہ جس نے اُس کو اُس کمال سے اس زوال پر پہنچایا۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس شخص میں وہی جوہر انسانی ہمدردی کا جو کمال لازوال پر پہنچاتا ہے بدرجہ نفی تھا اور یہی اس کے زوال کا باعث ہوا اُس کا دماغ اس راز کے سمجھنے سے قاصر رہا۔ کہ انگلستان کا تسلط ہند پر دائمی نہیں رہ سکتا اور نہ انگلستان کی عزت و عظمت کا اندازہ آیندہ زمانہ میں اُس کی زیر حکومت قوموں اُس کے جابر و کوتاہ بین حاکموں سے کیا جاویگا۔ دنیا میں وہی صاحب کمال حیات ابدی حاصل کریں گے۔ کہ انسانی ہمدردی جن کا خمیر ہو رہی ہے۔ اگر انگلستان آیندہ زمانہ میں اپنا قومی وقار قایم رکھ سکیگا تو ناسٹ و براسٹ۔ برک و بیڈ ا۔ ل اڈیسن سپینسر شیکسپیر و ملٹن کی بدولت نہ کہ کرزن و ملنر کی وجہ سے ÷

۷۔ اگست ۱۹۰۵ء کو سودیشی تحریک کا جھنڈا اُٹھایا گیا۔ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو تقسیم بنگالہ کی تجویز عمل میں آئی۔ اور لارڈ کرزن کے لیفٹنٹ سر بیمفائیلڈ فُلر اُس ظلم و جور کی روش پر چلنے لگے۔ کہ جس کو صاحب وائسرائے ناتمام چھوڑ گئے تھے مشرقی بنگال میں جو جور و تعدی وہاں کی رعایا پر کیا جا رہا تھا۔ وہ ناگفتہ بہ ہے اس نے ملک میں پولیٹیکل جوش البتہ حد درجہ کا پیدا کرا دیا اور بنارس کانگرس کو خاصی اچھی

کامیابی ہوئی۔ آنریبل مسٹر گوکھلے اس عرصہ میں بحیثیت وکیل کانگرس ایک مرتبہ ولایت ہو آئے تھے۔ اور دوسری مرتبہ پھر ۱۴۔ اپریل کو روانہ انگلستان ہوئے اسی روز بنگال یعنی باریسال میں وہ قابلِ یادگار فساد اُٹھایا گیا۔ کہ جس پر حکام انگریز وغالباً سرکار ہند کو ہمیشہ فخر رہیگا یعنی پولیس کے افسروں نے بنگالی بچوں ولڑکوں کے اس غرض سے سر توڑے اور اُن کا خون بہایا۔ کہ وہ اپنے جذبۂ محبت میں بندے ماترم کا قومی نعرہ کیوں زبان سے نکالتے تھے۔ ہمارے نامی لیڈر سری یُت سراندرناتھ بینرجی محض بے ضابطگی سے گرفتار ہوئے۔ اور ہندوستان بھر میں تھلکہ پڑگیا۔ ہر شہر میں ناراضگی کے جلسے ہوئے وبندے ماترم ہندوستان کا قومی نعرہ تصور کیا جانے لگا۔ بعد ازاں بنگال کی رعایا نے اس زور شور سے ایجیٹیشن کیا۔ کہ ۱۴۔ اگست کو سر بیمفایلڈ فلر کو مستعفی ہو کر ولایت روانہ ہونا پڑا۔ باریسال کے جھگڑے نے ملک میں ایک نئی پارٹی کانگرس کی پیدا کرائی۔ کہ جو ہندوستان کے پولٹیکس کی روش میں انقلاب عظیم پیدا کرا رہی ہے اور اس پارٹی کے حامی عنقریب ہر صوبہ میں موجود ہیں اور نہایت بلیغ و جانفشانی سے کوشش کر رہے ہیں۔ ہماری خلقت کے موافق آپس کا نفاق بڑھنا شروع ہوا اور سنہ ۱۹۰۶ء کے کانگرس میں اس قدر نفاق کا خیال کیا جا رہا تھا۔ کہ جس سے کانگرس کی سلامتی میں بھی رخنہ پڑنے کا خوف تھا۔ قدرے اختلاف رائے کے بعد مسٹر نوروجی کانگرس کے پریزیڈنٹ مقرر ہوئے۔ اور ہمارے محترم بزرگ ہند اس نازک موقع پر اس ضعیف العمری کی حالت میں ہماری رہنمائی کے لئے ولایت سے ہند تشریف لائے۔ جس شان سے آپ کا استقبال ہوا۔ اور جس جوش سے ہندوستانیوں نے آپ کے قدموں کے نیچے آنکھیں بچھائیں۔ اُس پر سے سو دہلی دربار قربان اگر لارڈ کرزن اس استقبال بمبئی و کلکتہ کو دیکھتے تو ضرور رشک کرتے۔ ہمارے

کانگرس کا اجلاس اس جوش وشان سے پہلے کبھی نہیں ہؤا تھا۔ اور جو کامیابی ہم کو حاصل ہوئی۔ اُس نے ہر ایک خوف کو بے بنیاد ثابت کیا۔ کانگرس میں بھی کچھ اختلاف رائے رہا۔ گر اُس نے ہم کو زیادہ مضبوط بنا دینا می وہ ہوئی۔ اور پہلے مرتبہ غالباً ہندوستان کی تاریخ میں یہاں کی رعایا نے اپنی متفقہ آواز سے سواراج طلب کیا۔ اب ہمارے سامنے پولٹیکل آزادی کی منزل صاف طور سے سواراج کی شکل میں نظر آرہی ہے۔ کہ جہاں سودیشی تحریک اپنی کوشش سے ہم کو پہنچا دے گی +

نمبر ۲

سودیشی کی ہل چل کیساتھ ہی ساتھ ملک کی نئی پارٹی نے بھی اسی قدر غوغا مچا رکھا ہے۔ کہ کوئی اس کو تحقیر کے قابل تو نہیں سمجھ سکتا۔ خواہ اُس کے مقاصد اور طریقوں سے اتفاق کرے یا نہ کرے۔ یہ نئی پارٹی اکسٹریمسٹ پارٹی کے نام سے موسوم کیجاتی ہے۔ دیورانی پارٹی کا نام موڈریٹ پارٹی ہے۔ اِن دونوں کو اُردو میں ہم فریق گرم وفریق نرم کہہ سکتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اِن دونوں فریقوں کے اغراض ومقاصد میں کیا کیا اختلاف ہے۔ انڈین نیشنل کانگرس ہی ہماری قومی مجلس ہے۔ اور وہی ہمارا پارلیمنٹ۔ پولٹیکس میں اہل ملک کی رائے کا اندازہ بھی کانگرس ہی سے کرنا واجب ہے۔ ہمارے آخری کانگرس نے اپنا اعلٰے معیار سواراج قرار دیا ہے یعنی سیلف گورنمنٹ جیسی کہ اِس وقت انگلستان کی مختلف نوآبادیوں مثل آسٹریلیا وکناڈا کو حاصل ہے۔ یا غالباً آئرلینڈ کو جلد ملنے والی وبوئروں کو مل گئی ہے۔ اِس معیار سے کانگرس کے دونوں فریقوں کو اتفاق ہے اور مقصد دونوں کا یہاں تک ایک ہے۔ کانگرس کے اِن دونوں فریقوں میں اگر اختلاف ہے۔ تو صرف ایک معاملہ پر یعنی بائیکاٹ پر۔ فریق نرم بائیکاٹ صرف بنگال کے لئے مناسب

سمجھتا ہے لیکن فریق گرم تمام ہندوستان کے لئے بوئیکاٹ تجویز کرتا ہے ۔ اس پر کانگرس میں بحث رہی ۔ مگر آخر کار فریق نرم بازی لے گیا ۔ اور نیشنل کانگرس نے بوئیکاٹ صرف بنگال کے لئے جائز رکھا اور بحیثیت فریق ہونے کے کانگرس میں اِن دونوں کا اس سے زیادہ اختلاف نہیں ہے ۔ لیکن کانگرس پنڈال کے باہر کیا پریس کیا پلیٹ فارم سے نئے فریق کے رہبر و حامی جو تجاویز کر ملک کے سامنے پیش کر رہے ہیں ۔ اور جن کی اشاعت اِس وقت اِس زور شور کے ساتھ کی جا رہی ہے ۔ ہرگز نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ۔ کیونکہ ملک اُن سے موثر ہو رہا ہے ۔ اور ہوتا رہیگا ۔ اگر میں اِن تجاویز اور طریقوں کو معرض بحث میں لاکر فریق گرم کے ساتھ منسوب کروں تو غالباً ملزم نہ ٹھیرایا جاؤں گا ۔ فریق نرم کے اصول و طریقے کانگرس کے اصول و طریقوں سے پیہم ہیں ۔ اُن کا معیار وہی سوا راج ہے ۔ جو کانگرس طلب کرتا ہے اور وہ اس معیار کے حاصل کرنے کے لئے ہر ایک کوشش کو جو قانوناً جائز ہو روا رکھ سکتے ہیں ۔ مگر وہ سرکار سے رشتہ نہیں توڑتے ۔ صاحبان انگریز جو امداد کے لئے طیار رہوں ۔ اُن سے علیحدہ نہیں ہونا چاہیئے ۔ وہ سرکار کے پاس اپنے مطالبہ کے عرائض بھیجنے کو بھیک مانگنا نہیں تصور کرتے ۔ وہ رفتار معمولی رکھنا مگر بنیاد پختہ ڈالنا چاہتے ہیں ۔ اور اُن کا خیال ہے کہ ہم سرکار سے اپنے حقوق ضرور حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ مگر جب تک ہم اِن کا حاصل کرنا اور اِن کی حفاظت کرنا پورے طور سے سیکھ نہ لیں ۔ سرکار انگریزی سے تعلق علیحدہ نہیں کر سکتے ۔ اور جیسا کہ جناب مسٹر گوکھلے نے فرمایا ہے ہمیں اپنے ملک کے قریب ۱/۳ حصہ کو اُس قعر ذلت سے نکالنا ہے کہ جس میں وہ پڑے ہیں ۔ ہم اِن کو چھو نہیں سکتے ۔ اُن سے مل نہیں سکتے ۔ حتےٰ کہ اُن کو اپنا سا آدمی نہیں سمجھتے ۔ سوسائٹی کے اِس معطل جزو کو معزز دلی سے بحال کرنا ہے ۔ جو کام

بہت جلد نہیں ہو سکتا۔ ہمارے یہاں ۹۰ فیصدی جاہل شخص ہیں۔ کہ جو حرف ناآشنا ہیں۔ اور جو اپنے حقوق و فرایض کا سمجھنا تو در کنار کبھی اُن کے نام سے بھی واقف نہیں۔ اُن کو اِن سب حقوق و فرایض سے آگاہ کرنا کچھ مدت لیگا۔ اور بغیر اِس کام کے پورا کئے ہم کبھی اپنے معیار تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ پھر اہل ہنود و اہل اسلام کے اتحاد کا سوال نہایت اہم و مشکل ہے۔ کیونکہ ایک قومیت کا احساس جب تک ہندوستان کا بچہ بچہ نہ کرنے لگے۔ آزادی کا خیال محض وہم ہے۔ وہ اِن مشکلات سے مُنہ نہیں چھپاتے اور خیال کرتے ہیں۔ کہ استقلال و اعتقاد کے ساتھ کوشش کرتے ہوئے اگر اِس صدی میں نہیں تو آیندہ صدی تک اپنی منزل پر پہنچیں گے۔ برخلاف اِس کے فریق گرم کا مذہب بالکل دوسرا ہے۔ وہ اِس معیار آزادی کو ہی ذلیل سمجھتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ ہم سلطنت برتانیہ سے قطعی واسطہ نہیں رکھنا چاہتے ہم پابندی کے خیال کو جگہ ہی نہیں دے سکتے۔ ہم ایسے ہی آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ کہ جیسی امریکہ۔ فرانس۔ یا انگلستان۔ علاوہ اِس کے اُن کا عقیدہ ہے۔ کہ جب تک ہم پر پولیٹیکل غلامی کا اثر پڑتا رہیگا۔ اور ہم قطعی آزاد نہیں ہو جائیں گے۔ دوسری قوم کی ماتحتی میں رہکر کوئی درست روش ہم اختیار ہی نہیں کر سکتے۔ پیشتر ہمارا فرض ہے کہ اِس پولیٹیکل غلامی سے آزادی حاصل کر لیں۔ سرکار انگلشیہ کو سمندر پار پہنچا دیں پھر ہم اپنے یہاں اپنی طبیعت کے موافق بغیر کسی روک ٹوک کے جس قسم کی سلطنت کی چاہینگے بنیا دڈالیں گے۔ اور آزادی کی آب و ہوا میں ہماری سلطنت کا پودہ نہایت خوبی سے ہونہار ہو کر بارور ہو گا ✦

اس معیار کے حاصل کرنے کے لئے وہ یہ تجویز پیش کرتے ہیں۔ کہ ہم کو کسی نہ کسی طرح سے وہ روش اختیار کرنی چاہئے۔ کہ ہم سرکار انگلشیہ کا یہاں حکومت کرنا

غیر ممکن کردیں۔ اِس کے لئے طریقے یہ ہیں۔ کہ ہم سرکاری نوکریوں سے یک لخت علیحدہ ہوجاویں۔ تاکہ سرکاری کام سب قطعی بند ہوجاوے۔ سرکاری مدرسوں میں ہرگز نہ پڑھیں۔ اور اعزازی عہدے یا کاونسل کی ممبری سے ہم کو قطعی برطرف ہوناچاہئے۔ ریلوے کمپنیوں یا تجارتی انگریزی کارخانوں کی نوکریاں بھی چھوڑ دینی چاہئیں۔ بلکہ صاحبان انگریز کی ذاتی چاکری جو اکثر غریب اختیار کرتے ہیں اُن سے بھی علیحدگی اختیار کی جاوے۔ اِن کی تجارت سے ہم کو یک لخت قطع تعلق کرنا چاہئے۔ اور جس طور سے ہوسکے اُن کا اس قدر ناک میں دم کردیں کہ وہ جلد اپنا بوریا بدھنا سنبھالکر ولایت روانہ ہوویں۔ اِن طریقوں میں محصول کا ادا نہ کرنا بھی داخل ہے گو ابھی اُس کی اشاعت فریق گرم مصلحتاً مناسب نہیں سمجھتا۔ غرضیکہ ملک میں ایک ایسی قسم کی بدامنی و خلاف سرکار ایسی ناراضگی کا خیال پھیلنے کی ضرورت متصور ہے کہ جو بہت جلد ایسی آگ لگادے کہ سرکار انگلشیہ کا وجود ہندوستان میں نہ رہے۔ یہ مقاصد و طریقے ہیں کہ جن کی اشاعت میں آجکل فریق گرم کے سربرآوردہ اصحاب مشغول ہیں۔ مزید براں اِن احباب کا خیال ہے۔ کہ ہم کو اپنے اصل مقصد تک پہنچنے کے لئے کسی قسم کی کوشش سے باز نہ رہنا چاہئے۔ خواہ وہ ایمان و سچائی کے اصول کے خلاف ہو خواہ وہ تہذیب و ادب کی حد سے باہر۔ ہم کو ضرورت ہے کہ عوام کے ذلیل جذبات سے فائدہ اُٹھائیں۔ اور اِن کی اوھام پرستی کو بھڑکائیں۔ بشرطیکہ ہمارا مقصد اُن سے پورا ہوتا ہو ✦

میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میں نے دونوں فریق کے مقاصد و طریقوں کا مفصل و درست بیان ناظرین کے روبرو پیش کرنے میں کسی قسم کی عمداً کوتاہی نہیں کی۔ اور اگر سہواً غلطی ہوئی ہو۔ تو معاف کیا جاؤں۔ اب ہم کو اندازہ یہ کرنا ہے۔ کہ

دونوں فریق اپنے اپنے منشا و طریقوں میں کہاں تک صحت سے کام لے سکتے ہیں اور ہندوستان کی بہتری و نجات کے لئے کونسا طریقہ عمدہ و درست ہے۔ میں اپنے عاجز و حقیر خیالات کے موافق اس پر بحث کرنے کی کوشش کروں گا۔ مگر بحث شروع کرنے سے پیشتر یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہے۔ کہ فریق گرم کے رہبروں و حامیوں میں بھی خود کئی گروہ ہیں۔ کہ جو قدرے اختلاف باہمی رکھتے ہیں۔ مگر اُن سب کے منشا و طریقوں کا لب لباب وہی ہے۔ جو میں قبل عرض کر چکا ہوں +

علاوہ فریق گرم کے ایک خاصی اچھی تعداد تعلیم یافتہ اصحاب کی ایسی بھی ہے۔ کہ جو اپنے آپ کو کسی خاص گروہ سے وابستہ نہیں کرتی۔ فریق گرم کی کوششوں کو فائدہ مند بتاتی و فریق نرم کے طریقوں سے موافقت رکھتی ہے۔ اور اِس کا اختلاف فریق نرم سے صرف یہ ہے۔ کہ اُن کا معیار زیادہ اعلیٰ و ارفع ہونا چاہئے یعنی ہم اپنی آزادی کی معراج یا سیلف گورنمنٹ کو آخر کار سلطنت برطانیہ کی پابند ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے کم از کم جہاں تک ہمارے معیار کا تعلق ہے۔ وہ اعلےٰ سے اعلےٰ ہونا چاہئے۔ اِس امر میں نگاہِ عمیق ڈالنے سے معلوم ہوگا۔ کہ قیاسات و نظریات سے قطع نظر کر کے جہاں تک عملیات کا تعلق ہے۔ ہم دونوں میں سے کوئی معیار قائم کریں۔ ہم کو یکساں فائدہ ہوگا۔ اگر ہم نے آج یہ معیار قائم کر لیا۔ کہ ہم سوراج ایسا ہی چاہتے ہیں۔ کہ جس سے سلطنت برطانیہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ تو اُس سے ہم کو کوئی عملی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بجز اِسکے کہ اِس قدر بلند پرواز بعض کی نظروں کو چوندھیا دے و اکثر ہمتوں کو پست کر دے علاوہ بریں فریق نرم کے طریقوں پر چلتے ہوئے یہ معیار قایم کرنے سے نقصان صریحاً ہوگا۔ یعنی ہماری اس نوآموزی و کمزوری کی حالت میں جو تھوڑی سی

ہمدردی ہم سے صاحبان انگریزیا لبرل پارٹی ظاہر کرتی ہے۔وہ قطعی جاتی رہیگی۔ ہمارا معیار اس قدر اعلےٰ اور ہماری کوشش وہی معمولی کہ جو اس وقت عملی طور سے ممکن ہے ۔یہ خیال کسی قدر تماشے کے درجہ تک پہنچ جائیگا۔کیونکہ معیار ذہنی و شیخ چلی کی منصوبوں میں تفاوت ہے۔جس معیار کو حقیقت سے کچھ تعلق نہ ہو۔ہم اس کو معیار نہیں کہہ سکتے۔خواب دیکھنا کہیں گے۔اور خواب دیکھنے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے۔خواہ وہ فریق نرم سے تعلق رکھتا ہو یا فریق گرم سے۔اب ہم کو فریق گرم کے اُس گروہ کے خیالات کا اندازہ کرنا ہے کہ جو نہایت ذی اثر اور بہت کچھ اسباب و وجوہات پیش کرتا ہے۔اور جس سے ہمارے بعض سچے و نامی مُحبّان وطن تعلق رکھتے ہیں۔یہ گروہ محض تواہمات پر مخالفت نہیں کرتا۔بلکہ عملیات کا بھی پہلو لئے ہوئے ہے۔پہلا اعتراض اس گروہ کا یہ ہے کہ آج ۲۲ برس سے کانگرس اپنی عرضیاں مودبانہ پیش کر رہا ہے اس کا کیا اثر ہوا۔اور ہم کو کیسے حقوق مل گئے۔میں نہایت مودبانہ فریق گرم کے حامیوں کی خدمت میں یہ عرض کیا چاہتا ہوں۔کہ براہ مہربانی فرماویں۔کہ ہندوستان کے سے ملک میں جہاں مذہبی و قومی اختلافات کا یہ رنگ ہے۔جو کہ ظاہر ہے۔اور ہماری ہندوستانی قوم میں کہ جو ایک قومیت کے نام سے کبھی واقف ہی نہیں تھی۔اس ایک قومیت کے خیال کے محسوس کرانے کا شرف کیا کانگرس کو حاصل نہیں ہے۔ہندوستان کے سے ملک میں کہ جو کبھی اس زمانہ کے پولیٹکس کے خیالات سے موثر ہونا تو کیا معنے میری رائے میں نام بھی نہیں جانتا تھا۔اپنے حقوق و فرائض کی جد و جہد کے لئے اس جوش کا اظہار صاف بتاتا ہے۔کہ کانگرس نے ۲۲ برس میں جو معجزہ دکھایا ہے۔وہ شائد ہی چشم دیکھنے میں آیا ہو۔اور میں دعوے کے ساتھ کہنے کے لئے تیار رہوں۔کہ

ہندوستان کے سے ملک میں پولیٹکل تعلیم کے مسئلہ کے حل کرنے میں جو اس وقت کانگریس نے مدد دی ہے۔ وہ اس کے بہرنوع شایاں ہے۔ محض جوش میں یک طرفہ رائے قائم کرنا خوبی کی بات نہیں ہے۔ کونسلوں میں رعایا کے وکیلوں کا منتخب ہونا جانا۔ نمک کے محصول کا کم کیا جانا۔ اور اکثر نہایت اعلےٰ عہدوں پر ہندوستانیوں کا مقرر کیا جانا یہ سب کانگریس کی بدولت ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ فریق گرم کے حامی اس کے قبول کرنے کے لئے تیار ہونگے۔ مجھ کو معلوم ہے۔ کہ ہماری روزانہ شکایتوں کے باوجود فوجی اخراجات بڑھتے جاتے ہیں۔ باوجود گورنمنٹ کے اعتراف کرنے کے محکمہ جات انتظامی و عدالتی کا علیحدہ ہونا ابھی تک ظہور میں نہیں آیا۔ اور واقعی جو سلوک ہمارے ساتھ جنوبی افریقہ میں کیا جاتا ہے۔ وہ ہماری ردی حالت کی مثال اور شایستہ قوموں کی شایستگی کا معیار ظاہر کرتا ہے۔ اور پارلیمنٹ میں جو جوابات اس کے متعلق حال میں دیئے گئے۔ وہ بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور تقسیم بنگالہ کے موقع پر رعایا کی رائے کی جس قدر ہتک کی گئی وہ بھی معلوم ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم نے کانگریس و ملک کے لئے کس قدر کوشش کی۔ اگر ہم نے کانگریس کے کام کو سوائے ۳ روز کی تقریروں کے زیادہ نہیں بڑھایا۔ اگر اس وقت ملک کے ہر حصہ میں قومیت و حقوق کے خیالات کی اشاعت گاؤں گاؤں نہیں ہوئی۔ اگر اس وقت اہل ملک نے اپنی ہمت سے ہزارہا مفت مدرسے قائم نہیں کرائے۔ اور دو سال میں اگر "انجمن خادمان ہند" کو اس وقت چار سے زیادہ قابل و سچے محبان وطن نہیں دستیاب ہوسکے۔ اگر پولیٹکل سنیاسیوں کی تعداد اس ملک میں اس وقت برائے نام ہے۔ تو یہ کس طور سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ کہ کانگریس کا وطیرہ و طریقہ درست نہیں ہے۔ بلکہ ہم کو

دوسرے قسم کا ایجیٹیشن کرنا چاہئے۔ ہم کو یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ایک ملک کی عمر میں ۲۲ سال ۲۲ ماہ سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتے۔ اور ہر ایک ملک کی ترقی اگر ۲۲ سال میں ہو جایا کرتی۔ تو کوئی ملک اِس وقت ردی حالت میں نہ ہوتا۔ دوسرا اعتراض اِس گروہ کا یہ ہے۔ کہ کانگرس کا عرائض بھیجنا بھیک مانگنے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ یہ خیال قطعی غلط ہے۔ اپنے حقوق کا طلب کرنا۔ یا انصاف چاہنا ایک بات ہے۔ اور ایسی مہربانی و رحم کی درخواست کرنا کہ جس کے ہم مستحق نہیں دوسری بات ہے۔ پس حقوق کا طلب یا حاصل کرنا کسی حالت میں بھیک مانگنا نہیں کہا جا سکتا۔ اب رہا طریقہ عرائض پیش کرنے کا جو کانگرس نے اختیار کیا ہے۔ وہ بھیک مانگنے کے درجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ کانگرس کی سالانہ تجاویز میں سے غالباً ایک کی بھی عبارت ایسی نہیں ہوتی۔ کہ جس کو بھیک مانگنا کہہ سکیں۔ رہا یہ امر کہ بعض کانگریسی فریق نرم کے حامی واقعی کبھی کبھی بھیک مانگنے لگتے ہیں۔ اِس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ہم کانگرس میں بالکل فریق نرم کو اِس میں شامل کر لیں — عرائض کا طریقہ تو دنیا بھر میں جاری ہے۔ ریوولیوشن کی حالتیں روس کے ڈیوما نے اپنے عرائض شہنشاہ کے پاس ارسال کیں۔ جس وقت فرانس میں ۱۷۸۹ء میں ریوولیوشن ہوا۔ اور انگلستان میں چارٹسٹ ایجیٹیشن نے زیادہ پریشانی پھیلائی۔ اس وقت یہ لوگ بھی پارلیمنٹ کے روبرو اپنے عرائض ہی لیکر گئے تھے۔ اپنے حقوق کی طلب میں عرائض کا پیش کرنا ہرگز یہ معنی نہیں رکھتا۔ کہ جو اُسے پہنائے جاتے ہیں۔ بعد ازاں ہم سے کہا جاتا ہے۔ کہ سیلف ہیلپ self help کے اصول پر ہم کو عمل کرنا چاہئے۔ اپنے مدرسے و یونیورسٹیاں قائم کرنی چاہیئے اپنے شہروں۔ یہ حفظ صحت کا عمدہ انتظام خود کرنا چاہئے۔ و علیٰ ہذا القیاس

اسرکاری نوکریاں چھوڑ دینی چاہئیں۔ مدرسے ترک کردینے چاہئیں۔ اور نیز دیگر ہم کو بائیکاٹ و پولیٹیکل بائیکاٹ اِس غرض سے کرنا چاہئے۔ کہ سرکار ہمارے حقوق بے چون وچرا دیدے۔ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں۔ کہ اِن بعض خیالات سے عنقریب سب حامی فریق نرم کے اتفاق کرنے کے لئے تیار ہونگے۔ اور میں خود زور وشور سے اِس اصول کی تائید کرسکتا ہوں۔ کہ دنیا میں جو قوم خود اپنی بہتری کے لئے کوشش نہیں کرسکتی۔ اور محض دوسروں کے رحم پر بھروسہ کرتی ہے۔ وہ ہرگز میدان ترقی میں قدم نہیں بڑھا سکتی +

بیشک وشبہ ہم کو اپنی قومی (نیشنل) یونیورسٹیوں کی ضرورت ہے جس قدر قومی اسکول و کالج کھل سکیں۔ نہایت احسن وخوب۔ نوکری وچاکری سب میں ذلیل چیز ہے۔ خاصکر گورنمنٹ کی نوکری میں داخل ہوکر تو ہم ہر قسم کی آزادی کھو بیٹھتے ہیں۔ پس جس قدر تعلیم یافتہ اصحاب اپنے تئیں اِس ذلت سے بچا سکیں قابل تعریف ہیں۔ اسی کے ساتھ اِس امر کا ظاہر کردینا بھی نہایت ضروری و لازمی ہے۔ کہ یہ اصول جو فریق گرم آج نہایت زور وشور سے شایع کررہا ہے۔ فریق نرم کے حامیوں کو پیشتر سے معلوم تھا۔ اور اُنھوں نے اُس کے لئے شایاں کوشش بھی کی ہے گو کم غل وشور کے ساتھ۔ بنگال کے نہایت سربرآوردہ کالجوں کا قایم ہونا ہمارے بعض کانگرس کے ہی رہبروں کے نام نامی کے ساتھ وابستہ کیا جاویگا۔ نیشنل کاونسل آف ایجوکیشن کے سربرآوردہ حامی فریق نرم ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ فریق نرم کے مسلمہ لیڈر جناب آنریبل مسٹر گوکھلے نے ۱۸ سال تک جس جانفشانی سے فرگسن کالج میں کام کیا۔ اور جس کوشش بلیغ سے آنریبل پنڈت مدن موہن مالویہ اِس صوبہ میں ہندو یونیورسٹی

قایم کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (گو میں خود اس قسم کی یونیورسٹی سے سخت اختلاف رکھتا ہوں) وہ اس بات کو ثابت کرتی ہے۔ کہ نیشنل ایجوکیشن یا قومی تعلیم کی تجاویز و ضرورت کو فریق نرم کے حامی بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ اور اُنہوں نے بھی اس میں قدرے کوشش کی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سرکاری ملازمت سے علیحدہ رہنے کے بارے میں وقتاً فوقتاً جو خیال مسٹر گوکھلے نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے روبرو پیش کیا ہے۔ اور جس پاک جوش و ہمت سے آپ نے خود عملی مثال ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ اس سے کچھ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ فریق نرم کے حامی سیلف۔ ہیلپ (Self help) کے اصولوں کو کہاں تک سمجھتے ہیں۔ وکس قدر ان کی قدر کرتے ہیں۔ یعنی جہاں تک Constructive Programme کا تعلق ہے۔ اس اصول پر فریق نرم و فریق گرم دونوں پورے طور سے اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن Destructive Programme میں البتہ بہت کچھ اختلاف ہے۔ اور پولٹیکل بائیکاٹ کا سوال اس سے علیحدہ ہے ٭

اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ تجارتی بائیکاٹ یا پولٹیکل بائیکاٹ ایسا ہی جادو کا اثر رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ بائیکاٹ نے امریکہ کو آزادی دلائی۔ پولٹیکل بائیکاٹ نے ہوم رول (Home Rule) کا سوال برٹش پارلیمنٹ میں پیش کرایا۔ وعلیٰ ہذا القیاس ان ہتھیاروں نے میدان مقابلہ میں عجیب عجیب کارنمایاں کئے ہیں ٭

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اعتراض جو پولٹیکل بائیکاٹ کے خلاف کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہے۔ یہ پولٹیکل ہتھیار اگر چلائے جاویں۔ تو کام دے سکتے ہیں یا نہیں۔ بلکہ یہ غور کرنا ہے۔ کہ ہم میں ان پولٹیکل ہتھیاروں

کے چلانے کی قوت بھی موجود ہے یا نہیں۔ پولٹیکل بائیکاٹ اس وقت عملی طور سے ہندوستان میں کامیابی کے ساتھ کیا بھی جا سکتا ہے یا نہیں یعنی ہمارے ہندوستانی بھائیوں کی کافی بڑی تعداد ایسی موجود ہے کہ نہیں جو سرکاری ملازمت ترک کرنے پر آمادہ ہو جاویں۔ اور ملک میں پولٹیکل حقوق کے لئے اس قدر ایثار نفس کرنے کا خیال پیدا ہو گیا ہے یا نہیں کہ اگر آج اچھی خاصی تعداد سرکاری ملازمت سے علیحدہ ہو جاوے تو دوسرے بھائی اس کو غنیمت نہ سمجھیں گے۔ یہی سوال مدرسوں کے بائیکاٹ کرنے میں پیش آتا ہے۔ کہ آیا ہمارے پاس اس قدر کالج و اسکول موجود ہیں۔ کہ جس وقت سرکاری مدرسوں کو بائیکاٹ کیا جاوے۔ تو طلبا کی تعلیم کا انتظام بخوبی ہو سکے۔ اور ہمارے والدین اُس وقت کافی مدرسے قائم کرانے کے لئے روپیہ دے سکیں گے یا نہیں۔ یعنی ہمارے سامنے سوال عملیات کا ہے نظریات کا نہیں۔ اور اگر ہم کامیابی کے ساتھ پولٹیکل بوئیکاٹ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تو ہمارا مطلب کم سے کم ضرور فوت ہو جائیگا۔ یعنی اگر ہم اس پولٹیکل ہتھیار کو میدان مقابلہ میں چلانے کی طاقت نہیں رکھتے تو ہم دشمن کو پائمال تو نہ کر سکیں گے۔ البتہ اگر کوئی فائدہ ہے۔ تو صرف یہ ہے کہ پیشتر ہتھیار اُٹھا ہی نہیں سکتے تھے۔ اور اب اُٹھا سکتے ہیں چلا نہیں سکتے مگر یہ فائدہ اس قدر قلیل و اس کے خلاف نقصان اس قدر زیادہ ہے۔ کہ ہم اس کو کم سے کم مناسب تو تصور نہیں کر سکتے۔ اگر ادھورا بائیکاٹ ہوا تو ہم انتظام سلطنت کو ابتر ہی نہ کر سکے۔ لہذا ہمارے حقوق بھی نہ ملے۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دشمنی کا اعلان کر کے گورنمنٹ کو اس بات کا موقع دیا۔ کہ وہ ہماری تھوڑی بہت طاقت جو پیدا ہو چلی تھی۔ اس کو بڑھنے سے روک دے

پس پیشتر ہم کو لازم ہے۔ کہ ہم اس پولیٹیکل ہتھیار کا چلانا بطور خود سیکھیں۔ یعنی لوگوں کو اس بات سے آگاہ کریں۔ اور کوشش کریں۔ کہ ہمارے یہاں قومی مدرسے قائم ہوں۔ قومی دار العلوم کی بنیاد پڑے۔ لوگ جہاں تک ممکن ہو۔ سرکاری ملازمت سے دست بردار ہو کر تجارت کی طرف رجوع ہوں۔ وعلیٰ ہذالقیاس اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ جب ہم یہ تیاریاں پوری کرلیویں گے اور ہمارے ہاتھ میں قوت آجائے گی۔ اُس وقت جب ضرورت پڑے گی۔ تو ہم اطمینان سے مخالفت کا اعلان کر کے یہ ہتھیار میدان مقابلہ میں قوت و کامیابی کے ساتھ چلا سکیں گے۔ اور سوائے فائدہ کے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچیگا +

اعزازی عہدوں و سرکاری کاونسلوں کے بائیکاٹ کرنے کی جو صلاح دی جاتی ہے۔ اُس کا تو کچھ بھی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا۔ آج سب ہندوستانی اگر ان عہدوں سے دست بردار کسی طور سے ہو بھی جاویں۔ تو سرکار کا کام بند نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اس کے اپنا سخت نقصان ہے۔ ہم اس وقت کاؤنسلوں میں سیکھ رہے ہیں۔ کہ ریاست کے امور کس طور سے انجام پاتے ہیں۔ جب ہم قطعی اس سے دست بردار ہو جائیں گے۔ تو جو کچھ ذرا بہت تجربہ حاصل ہونے کی اُمید تھی۔ وہ بھی گئی گذری۔ اور جو بعض ممبروں کے منتخب کرنے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔ وہ بھی کھو بیٹھے۔ میرا عاجز خیال تو کسی طور سے اُن فوائد تک نہیں پہنچ سکتا۔ کہ جو اس سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ اور پولیٹکل بائیکاٹ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں۔ ہندوستان کی موجودہ حالت میں عملی طور سے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہاں ہر کوشش کا کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے اس کا بھی کچھ ہوگا۔ مگر نقصان بہت زیادہ ہے +

اب دوسرا سوال تجارتی بائیکاٹ کا حل طلب ہے۔ اور یہ کسی قدر زیادہ پیچیدہ ہے۔ بائیکاٹ کے خیال کی اشاعت کئی قسم سے کی جاتی ہے۔ اول تو یہ کہ ہم ہر ایک قسم کا مال جو غیر ملکوں سے آتا ہے قطعی بائیکاٹ کر دیں۔ جس کو کہ Boycott of foreign goods کہتے ہیں۔ یہ اصولاً و عملاً دونوں طور سے ناواجب و غیر ممکن ہے۔ ہم کو دنیا بھر سے دشمنی بڑھانے کا کونسا اختیار و کیا سبب ہے۔ اور تمام غیر ملکوں نے ہمارا کیا بگاڑا ہے۔ کہ ہم اُن کے مال کو بائیکاٹ کریں۔ اور اگر بائیکاٹ سے کسی قسم کے انتقام یا غصہ کا خیال وابستہ نہیں کیا جاتا ہے۔ تو ہم کو کونسا اختیار ہے۔ کہ غیر زبان کے لفظ کو دوسرے اپنے نئے معنے پہنا دیں۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ صاحب عقل و دماغ اس قسم کے فقرات سے کیا معنے وابستہ کرتے ہیں۔ مزید اگر کسی طور سے غیر ممالک کے مال کا بائیکاٹ کرنا جائز بھی قرار پایا جاوے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا یہ عملی طور سے پوری کامیابی حاصل کریگا۔ میں تو خیال کرتا ہوں۔ کہ ہرگز نہیں۔ اور اگر کسی خاص معجزہ سے ہم اس کے پورا کرنے کے لئے تیار بھی ہو جاویں۔ تو کیا وہ فائدہ مند ثابت ہوگا۔ بیشک نہیں پس قطعی بائیکاٹ محض بے معنے فقرہ ہے۔ انگریزی مال کے بائیکاٹ کا سوال البتہ دوسرا ہے۔ یہ ممکن کہ فائدہ مند بھی ہو۔ اور اس کا ادھورے طور سے جاری رہنا بھی فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ خاصکر جس حالت میں کہ سودیشی تحریک موجود ہے ٭

کانگرس نے بنگال میں اس واسطے یہ بائیکاٹ جائز رکھا۔ کہ تقسیم بنگالہ خلاف مرضی بنگالیوں کے تھی۔ اور ہندوستان کی رائے و حقوق کی قطعی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اگر اب بائیکاٹ صرف تقسیم بنگالہ کی وجہ سے ہوا۔ اور

جائز ہے۔ تو شریک بائیکاٹ صرف بنگالیوں کو ہونا چاہیئے۔ اور وہ بھی اس وقت تک کہ جب تک تقسیم بنگالہ قائم رہے۔ بعد ازاں نہیں۔ اور اگر بائیکاٹ اِس لیئے کیا گیا۔ کہ ہندوستان کی رائے و حقوق کی قطعی پروا نہیں کی جاتی۔ تو بائیکاٹ تمام ہندوستان کے لیئے جائز قرار پانا چاہیئے۔ مگر کانگرس کا رزولیوشن اِس بارے میں کسی قدر ناقص ہے۔ اور اس نقص کا بیان مسٹر بی۔ این بوس نے ایک مضمون میں نہایت عمدگی سے کیا ہے۔ جو بالکل درست ہے۔ گو اِس میں شبہ نہیں کہ رزولیوشن کے الفاظ کئی معنے دے سکتے ہیں۔ مگر مراد یہی ہے۔ کہ بائیکاٹ صرف بنگال کے لیئے جائز ہے۔ اول تو صحت کے لحاظ سے اِس تجویز میں نقص ہے۔ علاوہ بریں بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر تمام ہندوستان اِس میں شریک ہو تو مالی پہلو سے بہت کچھ فائدہ ہونے کا خیال ہے۔ اور سودیشی تحریک کو بہت کچھ مدد ملے گی۔ اِس کے بعد نقصان بھی بیان کیئے جا سکتے ہیں۔ مگر بہتر ہے کہ فی الحال میں اسی طور سے اِس کے نقصانات فوائد سے زیادہ نہیں ہیں ممکن ہے کہ بہت جلد میں اس وقت اس بارے میں قطعی رائے نہیں دے سکتا بیشک یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ اگر سودیشی تحریک اِس وقت نہ ہوتی۔ تو بائیکاٹ ممکن ہے کہ ضرر رساں ثابت ہوتا پولیٹکل بائیکاٹ اِس وجہ سے نادرست بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اُس کے ادھورے ہونے سے نقصانات سخت و فوائد بہت کم ہیں۔ اور تجارتی بائیکاٹ ادھورا بھی اِس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ سودیشی تحریک کے ہوتے ہوئے اِس کے فوائد زیادہ و نقصانات کم ہیں۔ اِس کی بحث اگر ضرورت ہوگی۔ تو علیحدہ کی جا سکتی ہے۔ اِس وقت یہاں طوالت کا خیال ہے ✦

علاوہ بریں پولٹیکس میں Compromise عجیب وغریب
چیز ہے۔ اِس کے بغیر ہم اِس دائرہ میں ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے۔ ہم کو
Compromise کرنا چاہئے۔ بشرطیکہ اصول کی جڑ نہ کاٹتا ہو۔
میں اِس سے زیادہ اِس باب میں نہیں کہہ سکتا +

نمبر ۳

اِن امور سے قطع نظر کر کے فریق گرم کے اِس گروہ کی کیفیت بھی قابل غور
ہے۔ کہ جو اپنی وضع کا نرالا ہے۔ اِس گروہ کا دارالسلطنت بنگال ہے۔ اور گو
ملک کے تعلیم یافتہ اصحاب کے اعلےٰ ترین طبقہ پر اِس کا اثر کچھ بھی نہیں۔ اور
کانگرس میں بھی اِس کا وقار بہت کم ہے۔ تاہم عوام الناس پر عام طور سے
اور ہمارے یہاں کے نوجوان طلبا پر خاص طور سے یہ گروہ فی زمانہ اپنا جادو
خوب چلا رہا ہے۔ اور پولٹیکل ایجیٹیشن کی موجودہ روش میں جس قدر فائدہ یہ
گروہ اُٹھا رہا ہے۔ غالباً دوسرے کو میسّر نہیں ہو سکتا۔ اِس کے سب میں نامی
گرامی جنرل مسٹر بپن چندر پال ہیں۔ جن کی فصاحت چند ماہ سے شہرہ آفاق
ہو رہی ہے۔ اور جنہوں نے اپنی اولوالعزمی و دلیری کا ثبوت باریسال کے
فساد کے موقع پر ایک خاص نرالی شان سے دیا تھا۔ کہ جو اکثر احباب پر ظاہر
ہے۔ میں اِس گروہ کے اصول اور طریقوں کو مفصل بیان کرنے سے بایں ہمہ گریز
کرتا ہوں۔ کہ مبادا کہیں میرے عاجز قلم سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے۔ جو
سوءِ ادب تصور ہو۔ اِس کے خیالات کا اندازہ انگریزی اخبار "بندے ماترم"
یا بنگالی اخبار سندھیا یگانتر سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ فریق گرم کے اُن عقاید
سے جو اوپر بیان کئے گئے۔ اِس گروہ کو صرف اِس قدر اختلاف ہے۔ کہ یہ
برٹش گورنمنٹ سے قطعی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ اور بمقابلہ سلطنت انگلشیہ

کی anarchy کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ اور اس کی یہ کوشش
ہے۔ کہ جس قدر جلد سرکار انگلشیہ سمندر پار پہنچ جائے۔ نہایت مناسب اور
ضروری ہے۔ اس معیار مقصد کے حاصل کرنے کے لئے یہ گروہ کسی قسم کی
کوشش خواہ وہ ایمان وراستی سے دور وادب وتمیز کے دائرہ سے باہر یا
مجذوب کی بڑ سے زیادہ کیسی کچھ کیوں نہ ہو۔ کبھی نہیں اُٹھا رکھتا۔ اور واقعی امر
یہ ہے۔ کہ جس چستی وچالاکی سے یہ گروہ اِس وقت کام انجام دے رہا ہے
اِس کے بہر نوع شایاں ہے۔ اگر فریق گرم کے یہ سب طریقے اور یہ گفتگو درحقیقت
کچھ معنے رکھتی ہے۔ اور اگر ہم اِس کو درست مان سکتے ہیں۔ تو صرف ایک ہی
حالت میں یعنی جبکہ ہمارا بھی ہی مقصد ہو جو کہ اِس گروہ کا ہے۔ یعنی ریولیوشن
برپا کرانا۔ ایسی حالت میں تو محصولات کا ادا نہ کرنا دیگر طریقہ ہی کارگر ہوتے
ہیں۔ کہ جن کا اِس گروہ نے ابھی تک بیڑا نہیں اُٹھایا ہے۔ اِسی کے ساتھ
ہم کو یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ ریولیوشن کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ کہ جس کی
مثال تاریخ میں نہ ملتی ہو۔ یا ہم یہ انوکھی بات کر رہے ہوں۔ بیشک درست
ہے۔ کہ انگریزوں کی ماتحتی سے آزاد ہونے کے لئے امریکہ نے ریولیوشن
ہی کیا تھا۔ اسٹریا کو اطالیہ سے ریولیوشن ہی کے ذریعہ سے نکالا گیا۔ اور
فرانس نے جو سلطنت جمہوری اب قائم کی ہے۔ یہ بار ہار ریولیوشن ہی کرنیکے
بعد ہوئی ہے اِس سے کوئی شخص اختلاف نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمارے سامنے
سوال یہ نہیں ہے۔ کہ ریولیوشن کا طریقہ درست ہے یا نہیں (گو مورخین کا اس میں بھی
بہت کچھ اختلاف رائے ہے) بلکہ ہم کو یہ سوچنا ہے۔ کہ ہم ریولیوشن کامیابی
کے ساتھ کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ میری رائے ناقص میں فی زمانہ تو
ریولیوشن کا خیال ہمارے لئے محض وہم وفضول ہے۔ ہم کو معلوم کرنا چاہئے

کہ امریکہ و ہندوستان کی حالت میں کوسوں فرق ہے۔ اس پاک زمین میں کسی قسم کی ایسی نااتفاقی جیسی کہ اہل ہنود و اہل اسلام میں یہاں موجود ہے۔ ہرگز ہرگز موجود نہیں تھی۔ وہاں کی رعایا اپنے بازو میں قوت اور ہاتھ میں ہتھیار رکھتی تھی۔ پولٹیکس و جمہوریت کی روح اس قوم کی گھٹی میں بھی اس قدر موجود تھی کہ جس قدر صاحبان انگریز میں۔ برخلاف اس کے ہم نے ۵۰ سال سے ہتھیار کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ اس کے اٹھانے اور چلانے کا تو کیا ذکر ہے۔ ۲۲ سال سے تعلیم یافتہ گروہ میں پولٹیکس کا چرچا شروع ہے۔ کسی زمانہ سلف میں نہ ہماری اس قسم کی پولیٹیکس تھی۔ ہم میں نہ قومیت کا احساس نہ آزادی کا خیال۔ پس ہمارا اور امریکہ کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ علیٰ ہٰذالقیاس اطالیہ اپنے شروع زمانہ عروج میں جمہوریت کی روح سے پُر تھی۔ اور کبھی اس کے ہتھیار آسٹریا نے نہیں چھینے تھے۔ فرانس کو صرف ایک مشکل کا سامنا کرنا تھا ہماری مصیبت دوہری ہے۔ غیروں کا نکالنا و سلطنت جمہور کا قائم کرنا۔ ان سب واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قماش کی گفتگو کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ ظاہرا وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ بعض اوقات صاحب عقل و دانش بھی معاملات و واقعات کے ایک ہی پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔ سودیشی تحریک کے جوش و کامیابی نے اکثر احباب کو اپنی طاقت و کامیابی کا واقعی سے زیادہ اندازہ کرنے پر شاید مجبور کر دیا ہے۔ اور ملک کی ردی حالت کا وہ اکثر خیال نہیں کرتے۔ بنگال و پنجاب کو چھوڑ کر اور تمام ہندوستان میں عوام الناس سودیشی و پولٹیکس سے کس قدر واقف ہیں۔ دیسی ریاستوں کا کیا حال ہے اور ان سے کیا امید ہم کو رکھنی چاہیئے۔ غالباً یہ سب باتیں عمداً سہو کر دی جاتی ہیں۔ ورنہ ریولیوشن کے خیال کا اس قدر جلد و زور شور سے نہ اظہار کیا جاتا۔ جہانتک خیال کیا جاتا ہے

یہ خیال محض وہم ثابت ہوتا ہے۔ بالفرض محال کسی طور سے ہمارے احباب نے اپنی مسلسل کوششوں سے عوام الناس کے مذہبی توہمات سے بھی فائدہ اُٹھا کر سرکار انگلشیہ کی طرف سے ایسی نفرت و بدامنی عوام میں پھیلا بھی دی کیونکہ سرکار فی زمانہ فریق گرم کی اپنے مظالم سے خاص طور سے مدد کر رہی ہے اور ہم نے مان لیا۔ کہ اِس بدامنی اور نفرت کا نتیجہ بھی ہوا۔ کہ ریولیوشن واقعی ہو گیا۔ اور دس بیس برس کے اندر ہی سرکار انگلشیہ کو ہندوستان چھوڑنا بھی پڑا۔ تو آیندہ کا بندوبست کیا تصور کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ ضرور تسلیم کیا جاویگا کہ اگر سرکار انگلشیہ کی ظالمانہ روش و صاحبانِ فریق گرم کی کوششوں نے ایک جوش کے ساتھ تمام ہندوستان کو فوراً متحد و متفق بنا دیا۔ حتےٰ کہ ہندوستان صاحبان انگریز کے نکال دینے میں کامیاب بھی ہو گیا۔ تو جس وقت یہ عام مصیبت کہ جس سے سب کو نفرت ہو گئی تھی۔ دور ہو گی۔ تو یہ شیرازہ جو کہ دشمن کے خلاف نفرت کے ذلیل جذبہ سے بندھا ہوا تھا۔ فوراً ٹوٹ جائیگا۔ اور یہاں کی متفرق قومیں و متفرق مذاہب پھر ایک دوسرے کو اِسی قدر اجنبی سمجھنے لگیں گے جیسا پیشتر کیونکہ کسی ملک کے متفرق گروہ جب تک کہ حب الوطنی کے اعلےٰ جذبہ سے متاثر ہو کر متحد نہ ہوئے ہوں ہرگز زیادہ عرصہ تک متفق نہیں رہ سکتے۔ خاصکر ہند کے سے ملک میں جہاں کہ اختلاف مذہب کا یہ رنگ ہو۔ کسی عارضی ضرورت کے لئے مذہبی توہمات سے فائدہ اُٹھانا ملک کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ بالفرضِ محال اِس وقت کسی طور سے اہل ہنود و اہل اسلام نے یہ سمجھ لیا۔ کہ صاحبان انگریز ہمارے مذاہب کے دشمن ہیں۔ اور اِس دشمن کو دونوں نے ملک نکال بھی دیا تو یہ مذہبی وہم جو کہ اِس قدر پختہ کرایا گیا تھا کیا بعد میں رنگ نہ لائیگا۔

ماسوا ہم جمہوری سلطنت کے مذاق سے اب تک کس قدر مانوس ہو گئے ہیں اور جدید طریق سلطنت سے ہم نے کہاں تک تجربہ حاصل کیا ہے۔ یہ امور نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ جو قوتیں کہ ریولیوشن کرانیکا باعث ہو سکتی ہیں۔ اور موجودہ سلطنت کی جڑ کاٹ سکتی ہیں۔ وہی قوتیں دوسری سلطنت کی بنیاد نہیں ڈال سکتیں۔ ہم کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ فرنچ ریولیوشن روسو (Rousseau) نے ضرور کرایا۔ مگر اس انقلاب کے بعد اس کا فلسفہ آگے نہیں چل سکا۔ اور اس کی جگہ Jermy BenThum جرمی بینتھم نے پہلی فرنچ ریولیوشن کے بعد یورپ کی متفرق سلطنتوں کی بنیاد جس فلسفہ نے ڈالی وہ Rousseau کے فلسفہ سے قطعی نرالا تھا۔ ممکن ہے کہ ہندستان کے بعض موجودہ پولیٹکل فلاسفر ہماری مذہبی توہمات کی چنگاریوں کو نفرت کے جذبات سے اشتعال دلا کر ایسا شعلہ پیدا کرا دیں کہ جو ریولیوشن کی شکل میں بھڑک اُٹھے۔ اور موجودہ انتظام سلطنت کو پھونک دے۔ مگر مذہبی توہمات و نفرت کے جذبات نئی سلطنت کی بنیاد نہیں ڈال سکتے۔ خاصکر ایسی سلطنت کی بنیاد جیسی کہ اس وقت ہم میں سے ہر شخص کی خواہش ہے۔ اور یہ کہنا کہ فوراً ہی ریولیوشن کے بعد یہ توہمات و نفرت کے جذبات یکدم نیشنیلٹی (Nationality) حب الوطنی کے جذبات سے بدل جائینگے وہم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ جبکہ دنیا کی تمام تحریکیں اور معاملات مسئلہ ارتقا پر مبنی و اُن سے وابستہ ہیں۔ اسی طور سے سلطنت کا ڈھانچا بھی تیار ہوتا ہے۔ دنیا کی تاریخ پر غائر نظر ڈالنے سے یہ امر ثابت ہو جائیگا +

اب رہا یہ امر کہ غیر قوم کے زیر حکومت رہکر کوئی ملک معمولی روش سے ترقی کے ساتھ نشو و نما پا سکتا ہے یا نہیں۔ میں اس سوال پر تو پورے

طور سے اِس موقع پر بحث کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ لیکن یہ ضرور کہہ سکتا ہوں۔ کہ محض تاریخی مقابلہ یا ایک اصول کے بیان کر دینے سے کسی ملک کی آیندہ کیفیت پر فیصلہ دیدینا درست نہیں ہے۔ جب تک کہ اِس ملک کی سب حالتوں اور مختلف پہلوؤں پر غور نہ کر لیا جاوے۔ اسی اصول کی بنیاد پر "بندے ماترم" روزانہ نہایت زور و شور سے فیصلہ دیتا ہے۔ کہ ہندوستان کسی حالت میں زیر حکومت برطانیہ رہکر ہرگز ترقی نہیں کر سکتا۔ اور اس کو آزادی نہیں حاصل ہو سکتی۔ مگر اِس جادو نگار صاحب قلم کو بھی اِس بات کے معلوم کرنیکی بلکہ محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ جو کچھ ترقی پچھلے ۲۵ سال میں ہندوستان نے کی ہے (اور غالباً یہ تو قبول ضرور کیا جاوے گا۔ کہ ترقی ہم نے ضرور کی) وہ غیر حکومت میں ہی رہکر کی اور ہم جو روزانہ ترقی کر رہے ہیں۔ وہ بھی اسی حالت میں۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ ہماری رفتار معمولی سے سست ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور یہ ہمارے ہی اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ لہذا شکوہ بھی قدرے فضول ہے۔ اِس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ہندوستان کی موجودہ حالت میں جس قسم کا کہ ریولیوشن کرنے کی بعض صاحب دانش و عقل رائے دیتے ہیں۔ وہ واقعی طور سے کامیابی کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اور بفرض محال یہ بھی ثابت ہو جائے۔ کہ یہ تجویز عملی طور سے کامیاب ہو سکتی ہے۔ تو یہ بھی اعتراض ہے۔ کہ وہ ہماری حالت میں مناسب نہیں ہے۔ اور ہمارے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ ہم زیر سایہ حکومت برطانیہ خواہ وہ بری ہے یا بھلی غرض جو کچھ ہے) کچھ عرصہ تک (جس کا شمار کہ ہم زمانہ موجودہ میں کر سکتے ہیں) ترقی و آزادی کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اپنے حقوق۔ آزادی کا حاصل اور حفاظت کرنا سیکھیں۔ اور اِس کے بعد کوئی دوسرا سوال اُٹھایا جاوے۔ جو

کسی آیندہ نسل کا کام ہوگا۔ اور غیر قوم کی ماتحتی میں رہکر بھی ترقی و آزادی کی کوشش کامیابی کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ میں اوپر بیان کرچکا ہوں۔ میں تو اپنے عاجز خیالات کے موافق بھی نتیجہ نکال سکتا ہوں۔ کہ جو ابھی پیش کیا گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ غالباً یہ ظاہر کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تحریر کسی قسم کی غلط فہمی کا باعث نہ ہو۔ میرا مطلب اس بحث و نتیجہ سے صرف یہ ہے۔ کہ فریق گرم کے مقاصد و طریقوں کی بہ نسبت فریق نرم کے مقاصد و طریقے زیادہ عملی اور زیادہ مناسب ہیں۔ قطعات کا سوال میرے سامنے ہرگز نہیں ہے۔ صرف بہتر و مناسب کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔ نہ میں فریق گرم کو کوئی ایسی بُری و ناپاک چیز سمجھتا ہوں۔ کہ جس کا چھونا بھی گناہ متصور ہو۔ جیسے کہ بعض قابل اصحاب کی روش ہے۔ مزید براں یہ خیال ضرور ہے۔ کہ فریق گرم بھی ملک کو قدرے فائدہ ضرور پہنچا رہا ہے۔ گو نقصان اس سے زیادہ۔ لیکن میں بغیر اس کے کہے بھی نہیں رہ سکتا۔ کہ فریق گرم کے ایک خاص گروہ نے جو روش گالی گلوچ کی فی زمانہ اختیار کر رکھی ہے۔ وہ سخت الفاظ میں نفرین کرنے کے قابل ہے۔ اسی کے ساتھ ہمارے بعض فریق نرم کے حامیوں کی شہنشاہی۔ لاپرواہی کہ جو ملک کی جان کنی کی حالت کے وقت بھی ہر معاملہ میں (Intellectual treat) (دماغی فرحت) ڈھونڈا کرتے ہیں۔ کم قابلِ تحقیر نہیں ہے۔ اور اگر فریق گرم کے اصحاب ناسمجھی سے بعض ناموزون حرکات کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ اور ان پر الزام بھی عاید ہوسکتا ہے۔ تو ہم کو یہ بھی صاف طور سے کہدینا چاہیئے۔ کہ فریق نرم کے ان صاحبان علم و فضل کی فرصت بھی کہ جو کانگریس کو اپنا ذریعہ تفریح طبع یا ذاتی نام و شہرت حاصل کرنیکا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور اس کی

آیندہ بہبودی کے خیال کو اپنی نکٹائی (Neck tie) اور (Collar) کو لرکی ضرورت سے زیادہ محسوس نہیں کرتے۔ ہماری نگاہ میں قطعی نہیں ہے اپنے صوبے کی کیفیت اِس لحاظ سے خاص طور سے قابل افسوس ہے۔ اور اس کا بیان شاید بعض صاحبان کو شاق گذرے گا۔ لہذا سکوت بہتر ہے۔

قبل ازیں کہ میں اس مضمون کو ختم کروں۔ چند جملے اور عرض کیا چاہتا ہوں یعنی یہ کہ ملک کی موجودہ نازک حالت کے موقع پر جو گورنمنٹ کی جور و تعدی سے اور زیادہ پریشان نظر آتا ہے۔ ملک کو اتفاق واتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ اور ہم لوگوں کو مناسب ہے۔ کہ اپنے اختلافات رائے کے علاوہ جن کا مٹنا ظاہرا غیر ممکن نظر آتا ہے۔ اِس میں جہاں تک ممکن ہو۔ اتفاق سے کام کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ ملک اِس وقت نااتفاقی کا بار سہنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ اِس مضمون کو ختم کرنے سے پیشتر اپنے یہاں کی پولیٹکس کی موجودہ حالت سے اِس کی آیندہ ترقی کا اندازہ لگانے کے بعد کچھ عرض کرنے کی جرأت کرتا۔ لیکن پچھلے چند ہفتوں کے حسرت انگیز واقعات جو دل ودماغ کی یک سوئی منتشر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ میرے لب پر مہر سکوت لگاتے ہیں۔ اگر وقت و میرے عاجز قلم نے وفا کی۔ تو غالباً اپنے پولیٹکس کی موجودہ حالت پر نظر غائر ڈالکر جلد پھر عرض کروں گا۔ بالفعل اِس مضمون کو حسرت سے ناتمام چھوڑا جاتا ہے وبس +

کشن پرشاد کول

آزاد پریس کے اصراف کثیر کی فکر کس درجہ تک آپ نے کی۔ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب آپ کا ضمیر دیگا +

رباعیات محروم

از منشی تلوک چند محروم

خواب غفلت

کس نیند میں اے اہلِ وطن سوتے ہو　　تم سوتے ہو جب ہو کے مگن سوتے ہو
لپٹے ہوئے ہو چادرِ غفلت میں تم　　یا اوڑھے ہوئے تن پہ کفن سوتے ہو

نقش کہن

مظلوم ہوئے ہم کو ستانے والے　　اور بیٹھ گئے فتنہ اٹھانے والے
ہرگز نہ مٹا نقش ہمارا محروم　　مٹ مٹ گئے خود ہم کو مٹانے والے

جیت ہار

خالق جو طلب کرتا ہے پیارو دل کو　　بہتر ہے اُسی نام پہ وارو دل کو
کھیلو گے جو شطرنج محبت محروم　　اس میں ہے یہی جیت کہ ہارو دل کو

گوشۂ تنہائی

کیا تم کو پڑی بادیہ پیمائی کی　　ہوگی یہ نصیحت کسی سودائی کی
محروم ہنسو کھیلو ابھی لڑکے ہو　　یہ عمر نہیں گوشۂ تنہائی کی

جور زمانہ

ہم جو ستم زمانے کے سہہ جاتے ہیں　　آنسو پی کے دل کی بات سہہ جاتے ہیں

گذری چلی جاتی ہے جوانی محروم ارمان یونہی دل میں رہے جاتے ہیں

جواب غرور

حاصل تجھے کیا وصل سے بلبل ہوتا؟ کیا ہوتا جو پہلو میں ترے گل ہوتا؟
ہوتی جو تجھے حسن سے بے پرواہی کیوں شکوۂ انداز تغافل ہوتا؟

تصویر یار

ہے دل میں اسی سست وفا کی تصویر؟ تصویر بھی ہے جس کی جفا کی تصویر؟
مشکل سے ہوا ہے ہوش میں آئے محروم پھر دیکھو اس ہوش ربا کی تصویر؟

شکوۂ جور

محروم ستمکش پہ جفا کرتے ہو ہو مارتے مردوں کو یہ کیا کرتے ہو
پچھتاؤ گے نہ اپنے کیے پر آخر ایسا نہ کرو۔ دیکھو برا کرتے ہو

رتبۂ عالی

رتبوں میں یہاں راحت و آرام نہیں معزول کہیں گردش ایام نہیں
کس اوج پہ پھرتے ہیں یہ دل محروم رونے کے سوا ان کو کوئی کام نہیں

گرمی

پھر ایک تڑپتی ہوئی آئی گرمی کیا کہئے یہ جولائی گرمی
محروم تن و جان پھکے جاتے ہیں گرمی نے قیامت کی دکھائی گرمی

ایضاً

کرتی تجھے اللہ نے قسمت نہ کہیں؟ — مخلوق کی آہوں سے بچ بندے کہیں
محروم نہیں تجھ پہ لکھا ایسا — ظاہر ہو تماشائی ہے تجھ بخت نہیں

سودائے شعر

بچپن سے ہوئی شعر کا سودا مجھ کو — ہوتی نہیں کیوں ہائے کی رشتہ نہ تو
کھوا سے ہیں زیبا رہا وہ دل نکلا — بچپن سے یہ قدرت نے سکھایا مجھ کو

وقت جُدائی

جو حال ہوا تجھ سے جدا ہوتے وقت — ہیں کہہ نہ سکا تجھ سے جدا ہوتے وقت
ہوتا ہے جدائی کا بھی کیسا صدمہ — دل ٹوٹ گیا تجھ سے جدا ہوتے وقت

ایضاً

اب جان حزیں لب پہ اڑی ہے محروم — اور موت میرے سر پہ کھڑی ہے محروم
تیری یہ نصیحت ہے کہ میں صبر کروں — مشکل ہے جدائی کی گھڑی ہے محروم

ایضاً

ساعت ہے جدائی کی مچلتا ہے دل — جلتا ہے اچھلتا ہے نکلتا ہے دل
حضرت بھی یہاں آگئے ناصح بنکر — محروم سنبھالے سے سنبھلتا ہے دل

ایضاً

ہے قید جدائی کا زمانہ مجھ کو — اس قید سے تم جلد چھڑانا مجھ کو
کس طرح کہوں اپنی زباں سے جاؤ — جاتے ہو مگر بھول نہ جانا مجھ کو

تلوک چند محروم

خالصہ تاریخ کے اوراق پریشاں

از بھائی پرمانند ایم۔ اے مقیم لندن

"انگریزوں نے ہندوستان ہندوؤں سے لیا۔ نہ کہ مغلوں سے۔ پیشتر اسکے ہم نے ہندوستان کو مفتوح کرنا شروع کیا۔ مغلی شہنشاہت ٹوٹ چکی تھی۔ اور ہماری اصلی لڑائیاں شہنشاہ دہلی یا اُس کے باغی نوابوں سے نہیں ہوئیں۔ بلکہ مرہٹوں اور سکھوں سے۔ دو بڑی طاقتیں جنہوں نے کہ مغلیہ سلطنت کو اپنے درمیان بانٹ لیا تھا۔" سر ولیم ہنٹر +

خالصہ کا عروج ہندوستان کی تاریخ میں ایک لاثانی نظارہ ہے۔ اور اس پر ایک سرسری نظر بہت دلچسپ اور سبق آمیز ہوگی۔ صدیوں تک بیرونی حملوں کی لہر شمالی ہند کے میدانوں میں زور سے بہتی رہی۔ یکایک خالصہ طاقت نے نہ صرف اس لہر کو روکا۔ بلکہ اس کا رُخ دوسری طرف پلٹ دیا۔ تاریخ کے سٹوڈنٹ کو یہ ایک عجیب معجزہ معلوم دیتا ہے۔ یہ معجزہ کس طرح عمل میں آیا۔ ہر ایک ہند کے رہنے والے کے لئے قابل مطالعہ ہے +

جب مغلیہ سلطنت کے قائم ہو جانے پر ہندوستان میں امن کا زمانہ آیا۔ تو ایک قسم کی عجیب سی مذہبی اصلاح شروع ہوئی۔ کبیر۔ تلسی مہاراج (رامائن کا مصنف) چیتن اور گورو نانک ایک دوسرے سے تھوڑی تھوڑی فاصلہ پر ہندوستان کے مختلف حصوں میں پرگٹ ہوئے روایتاً یہ خیال ہے کہ گورو نانک کی مذہبی اصلاح کے ساتھ ایک اور بڑی تحریک کا بیج بھی موجود تھا۔ جب نئے گورو گدی پر بیٹھتے تھے۔ تو اُن کے سامنے ایک سیلی اور ایک تلوار پیش ہوتی تھی۔ تاکہ دونوں میں سے

لہ ... قسم کا سیاہ ... جو فقیر ... ہیں +

کسی کو منتخب کر لیں۔ کہتے ہیں کہ پہلے پانچ گوروؤں نے سہلی کو چنا۔ اور فقیری لباس رکھا۔ گورو ہرگوبند مہاراج نے دو نو کو اٹھا لیا۔ اور تلوار کا کام شروع کیا۔ اُن کی اکثر پہاڑی راجاؤں اور مسلمان نوابوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ دسویں گورو نے سہلی کو پھینکدیا اور کیول تلوار کا آسرا اختیار کیا ✦

۱۵۸۰ء میں اکبر نے گورو رام داس جی کو امرتسر کی جگہ عطا کی اور اُنہوں نے تالاب بنوایا۔ گورو ارجن مہاراج نے ٹکس باقاعدہ لگانا شروع کیا اور ایک طرح کی سول سٹیٹ (Civil State) کی بنیاد ڈالی۔ اُن کی مریتوں نے جو کہ راوی دریا میں واقع ہوئی گورو ہرگوبند کو ایک جنگی گورو بنایا۔ اور نویں گورو تیغ بہادر کی شہادت نے ۱۶۷۵ء میں دسویں گورو کو آمادہ کیا۔ کہ وہ اپنے سیدھے سادھے سکھوں کو سنگھ بنادیں ✦

ہم سب جانتے ہیں۔ کہ کس طرح سے گورو گوبند نے پانچ پوترا ور مہان آتماؤں کا انتخاب کیا۔ اُن کا نام خالصہ رکھ کر اُن کے ہاتھ سے امرت آپ چکھا۔ اور پھر آپ اُن کو چکھایا۔ اور یہ بچن کہے۔ کہ خالصہ گورو سے اُتپن ہوا۔ اور گورو خالصہ سے۔ یہ دو نو ایک دوسرے کے باہمی رکھشک ہونگے۔ ساتھ ہی گورمتا قائم کر کے مہاراج نے اُس (Confederacy) کی بنیاد رکھی۔ جو کہ نشو ونما پا کر ایک بڑی سلطنت بنی۔ گورمتا سکھوں کی کونسل تھی۔ جس کا اجلاس امرتسر میں مختلف موقعوں پر ہوا کرتا تھا ✦

جب آزادی کا جھنڈا گورو نے بلند کیا۔ تو اُنہیں شروع شروع میں اپنی معمولی بھگتی بھاو والے کی امداد سے کچھ کامیابی ہوئی۔ کچھ عرصہ اور اُن کی طاقت بڑھی۔ اور ناہن کے راجہ سے اتفاق کر کے اُنہوں نے لاہور کے نواب لیر خان کو شکست دی۔ اورنگ زیب بادشاہ کو اپنا لڑکا بہادر شاہ بمعہ فوج عظیم کے بھیجنا پڑا۔ کس طرح پر گورو کا دو دفعہ محاصرہ کیا گیا۔ اور اُن کے بہت سے ساتھی گھبرا کر

مایوس ہو گئے۔ اور ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کس طرح پر چاروں صاحب زادے شہید ہوئے۔ ایسے واقع ہیں جنہیں ہمارے بچے بھی جانتے ہیں۔ ان سب شہادتوں نے بزدلی اور مدتوں کے گرے ہوئے ہندوؤں میں ... ماؤں نے نئی زندگی پیدا کی اور چڑیوں کو باز کا شکار کرنے والا بنا دیا +

گورو گوبند نے ۱۷۰۸ء میں وفات پائی ... اور اپنا جانشین ... ان وقتوں میں اورنگزیب بادشاہ کی موت واقع ہوئی تھی ... [illegible] ... [illegible] ... [illegible] ... جنگ کرکے جہاں اپنے آپ کو گرو ... ہماری ... فوج ... خان کو ... سے ... سخت نفرت ... تھی شکست دی۔ اور ... کو ... کیا۔ بعد ازاں بندا نے دہلی پر ... بادشاہ ... حکم دیا۔ بہادر شاہ ... کے مارے ... سے واپس آیا۔ اور بندا کو پانی پت ... میدان پر ... شکست ہوئی۔ سلطان بہادر شاہ نے بندا کا ... محاصرہ کیا۔ جہاں سے کہ بندا معہ اپنے ساتھیوں کے بڑی چالاکی اور ہمت سے نکل گیا۔ بہادر شاہ کی موت سے پھر دہلی میں بدعملی شروع ہوئی۔ اور بندا پہاڑوں سے اپنی افواج اکٹھی کرکے پھر میدان میں نکلا۔ اور پنجاب کا کثیر حصہ فتح کر لیا۔ فرخ سیر کو ۱۷۱۶ء میں اپنا سب سے بڑا جرنیل عبدالصمد مقابلہ کے لئے بھیجنا پڑا۔ اس عرصہ میں سکھوں کی فوج میں بندا کے برخلاف ایک پارٹی ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی۔ کہ بندا نے یہ حکم دیا کہ بجائے "فتح واہگورو" کے "فتح دھرم" کا نعرہ لگایا جائے۔ ۱۷۱۶ء میں لوہ گڑھ کے قلعہ میں آدھے ساتھیوں کے چھوڑ دینے کے بندا اور اس کے ساتھی پکڑے گئے۔ اور اُن کی موت کا نظارہ دہلی میں نہایت ہی دردناک ہے اور اُسے بڑے مشہور مسلمان مورخ نے غضب کی دردانگیز زبان میں قلم بند کیا ہے +

فرخ سیر کا عام حکم ہو گیا۔ کہ جو شخص سکھ کا سر کاٹ کر لائیگا۔ انعام پائیگا۔ بہاں پر خالصہ کا پہلا عروج ختم ہوتا ہے۔ قریب تیس سال تک خالصہ چپ چاپ رہے اور کچھ سنائی نہیں دیا۔ مغل بادشاہ نے اپنی طرف سے خالصہ کو برباد کر دیا +

لیکن اس عرصہ میں خالصہ کی ترقی نئے سرے سے اور نئے طریقہ پر شروع ہوئی گاؤں میں خفیہ سوسائٹیاں قایم ہونی شروع ہوئیں۔ ہر ایک شخص جو گھوڑا اور ہتھیار رکھتا تھا۔ اُن کا ممبر ہو سکتا تھا۔ بعضوں کو سوسائٹی کی طرف سے سامان ملتا تھا۔ ہر ایک سوسائٹی اپنا لیڈر انتخاب کرتی تھی۔ اور ہر ایک لیڈر کا جدا جدا صدر مقام تھا۔ جسے ڈیرا کہا جاتا تھا۔ اِس طرح پنجاب کے سب حصوں میں کئی مختلف ڈیرے قائم ہو گئے۔ دولتمند اشخاص کو لوٹ مار کر سوسائٹی کا فنڈ بنا لیا گیا۔ پنجاب میں جال کی طرح یہ پھیل گئے +

۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کو چند سواروں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اُس نے اُن سے پوچھا۔ کہ تمہارا گھر کہاں ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ گھوڑے کی پیٹھ پر۔ نادر شاہ نے ریمارک کیا۔ کہ یہ لوگ خطرناک ہیں۔ انہیں تباہ کرنا چاہئے +

اسی طرح جب احمد شاہ ابدالی نے ایک سرو پاے امرتسر کے سپاہیوں کے پاس بھیجا۔ تو اُنہوں نے قاصدوں کے سامنے ہی رباہیوں کو دیدیا جس پر ابدالی نے کہا۔ کہ اس قوم سے بادشاہی کی بو آتی ہے۔ جو کہ غیر سے کسی قسم کی عزت یا سرفرازی قبول کرنا پسند نہیں کرتے +

۱۷۵۶ء میں ابدالی نے پنجاب کو مغلوں سے چھین کر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ چونکہ افغان بادشاہ کابل سے اتنی نگرانی نہیں کر سکتا تھا۔ سکھوں کی طاقت بڑھتی گئی۔ اور اُنہوں نے چپکے چپکے امرتسر میں اپنے جلسے کرنے شروع کر دیئے۔ اور آہستہ آہستہ قلعوں اور مضبوط جگہوں پر قبضہ حاصل کرتے گئے +

ایک شخص نودھ سنگھ سکھو چک کا رہنے والا گجرات کی سوسائٹی میں شامل ہوا۔ جس کا لیڈر کپور سنگھ تھا۔ نودھ سنگھ ۱۷۵۰ء میں مرگیا۔ اُس کے لڑکے چڑت سنگھ نے چند پیروکار کئے۔ اور اپنی نئی سوسائٹی بنالی۔ اور گوجرانوالہ کے نزدیک ایک گڑھی تعمیر کرلی۔ افغان وائسرائے نے ۱۷۶۲ء میں گڑھی کو مسمار کرنے کے لئے فوج بھیجی۔ اِس فوج کو چڑھت سنگھ نے بھگا دیا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے افغان فوج اور سکھوں کی ایک لڑائی ایمن آباد میں ہوئی۔ جس میں بہت سے قیدی لاکر لاہور میں اُس جگہ رکھے اور قتل کرائے گئے جہاں کہ اُن کے نام پر اب شہید گنج ہے۔

۱۷۶۲ء میں سب سوسائٹیوں کا ایک عام جلسہ امرتسر میں ہوا۔ اور اُس میں اتفاق کرکے سب نے جنگ کی طیاری شروع کی۔ جنڈیالہ کا محاصرہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا۔ اور سرہند پر ایک بڑی لڑائی ہوئی۔ جس میں ۱۲۰۰۰ سکھ قتل ہوا۔ اور احمد شاہ نے امرت سر کا تالاب گائے کے خون سے ناپاک کیا۔ ابدالی تو واپس گیا۔ مگر سکھ غصے کی آگ میں جلتے ہوئے اُٹھے۔ اور ۱۷۶۲ء میں امرتسر میں اجلاس ہوا جس میں خالصہ کی پختہ آرگنائزیشن قائم کی گئی۔

ساری سوسائٹیوں کو ۱۲ بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر ایک حصہ کا ایک ایک چیف سردار مقرر کیا گیا۔ اُنہیں ۱۲ مثلیں کہتے ہیں۔ اور اِس میں اور قواعد مرتب کئے گئے۔ اور سرداری کی زمین مختلف چھوٹے چھوٹے پتی داروں میں تقسیم کی گئی۔ اور اس طرح خالصہ کنفیڈریسی (Confederacy) قائم کی گئی۔ مختلف سرداروں کے آپس کے جھگڑے امرتسر کے جلسے کے موقعہ پر فیصلہ ہوتے تھے۔ اس وقت ساری مثلیں ۷۰۰۰۰ سپاہی میدان میں لاسکتی تھیں۔ اِس فوج کا نام "خالصہ جی" رکھا گیا۔ خالصہ کے نام پر سکہ جاری کیا گیا۔ خالصہ نے سرہند اور قصور کو فتح کیا۔ اور جسا سنگھ کے ماتحت تھوڑے عرصہ میں لاہور فتح کیا۔ احمد شاہ

کا گورنر" قبول بل" بھاگ گیا۔ اور جسا سنگھ نے لاہور میں سکہ جاری کیا جس پر یہ درج تھا۔ "خالصہ کی کرپا سے احمد شاہ کے ملک میں جسا سنگھ نے فتح کر کے یہ سکہ جاری کیا"۔ احمد شاہ پھر آیا۔ سب سکھ سردار بھاگ گئے۔ اور اسے واپس جانا پڑا۔ سنہ ۱۷۷۳ء میں احمد شاہ مرگیا۔ اس کے بیٹے تیمور نے بیس سال لاہور واپس لینے کی کوشش نہ کی۔ اور لاہور۔ پنجاب کا صدر مقام سکھ سرداروں کے قبضہ میں رہا۔ اس عرصہ میں ان کے راج کی بنیاد پختہ پڑ گئی +

چڑھت سنگھ کے بعد اس کا لڑکا مہان سنگھ جانشین ہوا۔ مہان سنگھ کی جگہ سنہ ۱۷۹۱ء میں رنجیت سنگھ سرداری پر مقرر ہوا۔ سنہ ۱۷۹۸ء میں زمان شاہ نے پنجاب پر حملہ کیا۔ سکھ سردار بھاگ گئے۔ رنجیت سنگھ نے توپیں دریا سے نکلوا کر زمان شاہ کو پہنچا دیں۔ جس پر زمان شاہ نے رنجیت سنگھ کو پنجاب عطا کیا +

رنجیت سنگھ نے لڑائی کر کے لاہور پر قبضہ حاصل کیا۔ اور سکھ ایمپائر کی بنیاد ڈالنی شروع کی۔ رنجیت سنگھ نے محسوس کیا کہ ساری مثلیں ضرور ایک ہیڈ کے ماتحت ہونی چاہئے۔ اور تھوڑے عرصہ میں قریب دس مثلوں کو اپنی سرداری میں شامل کیا۔ یہ کچھ بذریعہ شادیوں کے۔ اور کچھ حکمت عملی سے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے خالصہ کو قائم رکھا۔ گو اُس کی طاقت ساری اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ دنیا کے اُن بے نظیر شخصوں میں سے ہے۔ جو کہ بڑی سلطنتوں کے بانی کہلائے جاتے ہیں۔ ایک جرمن مدبر نے لکھا ہے۔ کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوا۔ جس نے اِس قدر کم کشت وخون سے اتنی بڑی سلطنت قائم کی ہو۔ جتنی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تھی۔ اُن کی ایک بڑی خواہش یہ تھی۔ کہ وہ کوہ نور کو افغان بادشاہ سے واپس لیں۔ جس میں وہ کامیاب

ہوئے۔ جب شاہ شجاع کے ساتھ امداد دینے کا عہدنامہ کیا۔ تو دو شرطیں اُس میں بہت عجیب ہیں۔ ایک تو یہ کہ شاہ شجاع اپنی ساری سلطنت کے اندر گائے کُشی بند کر دے۔ دوسری سومنات کے ستون جو کہ غزنی کی مسجد میں تھے۔ واپس سومنات کے مندر میں پہنچا دے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد لاہور میں بدانتظامی پھیل گئی۔ تب خالصہ نے پھر ہوش سنبھالی۔ ہر ایک رجمنٹ نے پنچایتیں قائم کیں۔ اور جس طرح کریمیہ ([illegible]) کی قوت نے اپنی کونسلیں قائم کرکے اپنا راج بنا لیا تھا۔ اسی طرح خالصہ بذریعہ ان پنچایت اور ایک کونسل جنرل کے راج کرنے لگا۔ اِن کی طاقت کو تباہ کرنے کے لئے لال سنگھ اور تیج سنگھ نے انگریزوں سے فساد شروع کیا۔ اور ادھر خالصہ کو جنگ پر آمادہ کیا۔ ایک رات کو ۵۰ ہزار خالصہ سپاہی نے مہاراجہ کی سمادھ پر جا قسم کھائی۔ کہ وہ گورو کی دھرتی دوسروں کے قبضہ میں جانے نہیں دیں گے ؏

ایک شور بیر خالصہ شام سنگھ اٹاری والا اس سوگند پر آخر رہا۔ اور پران دیئے۔ لال سنگھ اور تیج سنگھ کی دھوکھا بازی نے خالصہ کو تباہ کروایا۔ تھوڑے سالوں کے اندر خالصہ کا ایک روح گورو رام سنگھ اور اُس کے پیرووں میں جا ظاہر ہوا۔ سو اس کا انجام کسی سے چھپا ہوا نہیں ؏

پرمانند

رباعیات عمر خیام جو خود کسی تعریف کی محتاج نہیں اس کا ایک نادر مجموعہ شفیع الدین خان صاحب نے ایک خوبصورت کتاب کی صورت میں شایع کیا ہے۔ لیکن کاتب صاحب جن کا نام ہر ایک صفحہ کے نیچے جلی قلم سے صحیح ہے۔ اپنے نام کو مضمون کا جزو بنا کر تمام کتاب کو بدنما بنا دیا ہے ؏

۔ **مصنف** سے ذریعہ انجمن الغرض مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ کے پتہ سے مل سکتی ہے

لالہ لاجپت رائے کا کام

از پروفیسر گوکل چند ایم۔ اے

لالہ لاجپت رائے ابھی گورنمنٹ کالج کی ایف۔ اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ کہ آپ نے پبلک کاموں میں دلچسپی لینا شروع کر دیا تھا۔ بیس سال پیشتر پنجاب میں پولیٹیکل ہلچل بالکل نہ تھی۔ ہاں مذہبی بحث مباحثے زوروں پر تھے۔ اور آریہ سماج کی دیگر مذاہب و ہندو دھرم کے باقی فرقوں سے نہایت جوش و خروش سے مذہبی جنگ چھڑ رہی تھی۔ لالہ لاجپت رائے آریہ سماج میں نئے نئے شامل ہوئے تھے۔ اور ان دوستوں کے ساتھ پڑھتے تھے۔ جنہوں نے بعد ازاں اپنے کام سے آریہ سماج کی تاریخ بنائی ہے +

لالہ ہنس راج حال پرنسپل ڈی۔ اے۔ وی کالج۔ پنڈت گورودت ودیارتھی مرحوم جن کے علم و فضل کا شہرہ ہندوستان سے باہر بھی ہو چکا تھا۔ لالہ چیتن آنند جو چند دن ہوئے ابھی ملتان آریہ سماج و اینگلو سنسکرت سکول کو خصوصاً اور آریہ سماج کو عموماً اپنی جدائی کا صدمہ دے گئے ہیں۔ یہ سب صاحب اس وقت گورنمنٹ کالج کی ایف۔ اے کلاس کی رونق تھے +

ان ہی دنوں صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ اور پنجاب میں ہندی اردو کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ اور ادھر اہل اسلام اردو کی خاطر اور ادھر اہل ہنود ہندی کی خاطر سر توڑ کوششیں کر رہے تھے۔ یہ چند نوجوان جن کے ہاتھوں میں اس وقت بھی ایک انگریزی اخبار تھا۔ میدان مناظرہ میں سب سے پہلے تھے۔ اور لالہ لاجپت رائے بالخصوص ہندی کی خاطر وہ جدوجہد کرتے تھے۔

کہ بڑے بڑے بزرگ دیکھ کر عش عش کرتے تھے +

اِن دنوں فارسی وعربی کے پروفیسر گورنمنٹ کالج میں اردو کے مشہور شاعر اور نثر نگار مولوی محمدؔ حسین صاحب آزاد تھے۔ لالہ لاجپت رائے اِن کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ اور بعد میں بھی جب کبھی اِن کا ذکر کرتے تھے۔ نہایت محبت اور ارادت سے اپنے سابقہ استاد کو یاد کرتے تھے۔ مگر اِن دنوں استادوں شاگردوں کے تعلقات زیادہ دوستانہ اور محبت آمیز ہوتے تھے۔ چنانچہ لالہ لاجپت رائے اور مولوی صاحب کے بیچ بارمباحثے ہو پڑا کرتے تھے۔ ایک دن مولوی صاحب نے کچھ ذرا سا رنجیدہ ہو کر فرمایا۔ کہ تم لوگ بحث مباحثہ میں تو بڑے شیر ہو۔ مگر خود سنسکرت وغیرہ کچھ نہیں پڑھتے۔ اور فارسی کی طرف یوں توجہ نہیں کرتے +

لالہ لاجپت رائے کو سچ مچ اس وقت ہندی کے حروف بھی نہیں آتے تھے۔ مگر اِن کے دوست پنڈت گورودت تھے۔ جو بعد میں اِن لوگوں کو بھی اردو میں لکھ کر اشٹادھیائی پڑھاتے رہے۔ جن کو سنسکرت تو کجا ہندی میں کالا اکھشر بھینس برابر تھا +

لالہ لاجپت رائے نے جب اِن سے ذکر کیا۔ تو اُنھوں نے کہا کچھ پروا نہیں تم سنسکرت لے لو۔ چنانچہ اگلے دن آپ سنسکرت کلاس میں جا براجے۔ اور مولوی صاحب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے +

مگر لالہ لاجپت رائے کے حالات ایسے تھے۔ کہ ایف۔ اے کے امتحان کا خیال چھوڑ کر آپ قانون کی جماعت میں داخل ہو گئے۔ اور مختاری کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔ کہ سوامی دیانند سرسوتی بانئے آریہ سماج کا انتقال ہو گیا۔ سارے شمالی ہند میں ہا ہا کار مچ گیا۔ اور جا بجا ماتمی جلسے ہوئے۔

چنانچہ لاہور میں بھی ایک بڑے بھاری ماتمی جلسہ کی تجویز ہوئی۔ اور یہ قرار پایا کہ لالہ لاجپت رائے تقریر کریں +

اِس سے پہلے آپ کو اتنے بڑے مجمع میں بولنے کا اتفاق کبھی نہیں ہُوا تھا۔ مگر اِس دن جو تقریر آپ نے پڑھی۔ وہ لوگوں کے دلوں میں گڑ گئی حاضرین میں سے کوئی ایسا نہ تھا۔ جس کے آنسوؤں کا تار نہ بندھ رہا ہو۔ لالہ لاجپت رائے کی تقریریں پہلے ہی سند قبول حاصل کر چکی تھیں۔ اِس تقریر سے اِن کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور اس وقت سے آج تک فصاحت و بلاغت کا سہرہ اِن ہی کے سر رہا ہے +

مختاری کا امتحان پاس کر کے آپ حصار چلے گئے اور وہاں کام شروع کر دیا وکالت پیشہ لوگوں کی اِن دنوں یوں ہی چاندی تھی۔ اور پھر لالہ لاجپت رائے جیسے صاحب لیاقت آدمی کے لئے۔ کام شروع کرتے ہی روپیہ کی بارش ہونے لگی۔ سال دو سال کام کرنے کے بعد آپ نے وکالت کا امتحان دیا۔ اور باوجود سابقہ سال مقدموں میں گذارنے کے آپ اِس امتحان میں دوسرے رہے۔ مسٹر ہربٹ جن کی کوٹھی ڈی۔ اے۔ وی کالج کی بغل میں واقعہ ہے۔ اوّل رہے تھے +

وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد بھی آپ حصار ہی رہے۔ وہاں چند ایک اصحاب اِس قسم کے اِنہیں مل گئے تھے۔ جن کی صحبت و برادرانہ شفقت نے اِنہیں حصار سے باہر نہ جانے دیا۔ اِن میں سے ایک تو بابو چوڑامنی وکیل لالہ جسونت رائے مالک پنجابی کے والد بزرگوار تھے۔ دوسرے آریہ سماج کے بڑے سرگرم کارکن پنڈت لکھپت رائے تھے۔ جنہوں نے چند سال ہوئے اپنی ساری عمر کا اندوختہ جالندھر اینگلو سنسکرت سکول کو دے دیا تھا۔ تیسرے سیٹھ چند ولال

تھے جن کی فیاضی اور دریا دلی سے آریہ سماج کے تمام کام فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ یہ تینوں صاحب ابھی تک ویسی بلکہ اس سے بھی زیادہ سرگرمی سے اپنے اپنے دائرہ میں کام کررہے ہیں +

حصار میں رہتے لالہ لاجپت رائے کو چند ایک سال ہوئے تھے۔ کہ آپ وہاں کی میونسپل کمیٹی کے سکرٹری مقرر ہوگئے۔ اور اہل حصار آج تک محسوس کرتے ہیں۔ کہ ایسا زبردست کارکن اور رحم دل سیکرٹری اب تک ان کو نصیب نہیں ہوا ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ لفٹنٹ گورنر پنجاب دورہ کرتے کرتے حصار پہنچے۔ میونسپل کمیٹی نے فیصلہ کیا۔ کہ لاٹ صاحب کی خدمت میں ایڈرس پیش کیا جاوے۔ مگر اس بات پر جھگڑا ہوگیا۔ کہ ایڈرس اردو میں ہو یا انگریزی میں۔ ایڈرس اگر انگریزی میں ہوتا تو بلا شبہ ڈپٹی کمشنر صاحب لکھتے۔ اور خود ہی پڑھتے۔ اور جوان کا جی چاہتا لکھتے اردو میں ضروری تھا۔ کہ لالہ لاجپت رائے جی لکھتے اور بحیثیت سیکرٹری وہی پڑھتے۔ اور یہ لازمی تھا۔ کہ چونکہ ایڈریس عام فہم ہوتا۔ اس میں عوام الناس رعایا کی شکایات مندرج ہوتیں۔ ڈپٹی کمشنر اور لالہ لاجپت رائے کے درمیان خوب کشمکش ہوئی۔ مگر آخر کار لالہ لاجپت رائے کی جیت ہوئی۔ اور آپ نے خوب لمبا چوڑا ایڈریس تیار کیا۔ اور رعایا کی سب شکایتیں درج کرکے خوب دھڑلے سے پڑھ کر سنایا +

اس اثنا میں آپ کی پریکٹس خوب چمک گئی تھی۔ ساتھ ہی دیانند کالج قایم ہوچکا تھا۔ اور اُسے تقویت دینے کا خیال لالہ لاجپت رائے کے دل میں موجود تھا۔ اِس واسطے چند سال کے بعد آپ حصار سے لاہور تشریف لے آئے۔ اور چیف کورٹ میں کام کرنا شروع کردیا +

ہر چند حصار میں بھی آپ کا جوش وخروش کم نہ تھا۔ مگر اِن کی قابلیت اور

ہمت کے لیئے حصار میں اس وقت کافی دائرہ موجود نہ تھا۔ لاہور میں کام کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ لاہور میں لالہ لاجپت رائے کی حب الوطنی اور ہمت مردانہ نے وہ کام کرکے دکھائے۔ جو ہندو قوم کی تاریخ کو ہمیشہ زیب دیتے رہینگے +

اِس وقت تک بھی پنجاب میں پالیٹکس کا بہت خیال نہ تھا۔ کام کرنیوالوں کی ہمت اس وقت تک زیادہ تر مذہبی دائرہ میں محدود تھی۔ چنانچہ لالہ لاجپت رائے کے آنے سے لاہور سماج کو بڑی بھاری تقویت حاصل ہوئی۔ تقریباً ہر سال سالانہ جلسہ پر آپ کی زبردست اپیل ہوتی تھی۔ اور اہل پنجاب جانتے ہیں۔ کہ اس اپیل میں لالہ لاجپت رائے کتنی بجلی بھر سکتے تھے۔ اور ان کی تقریر سے حاضرین کے دل کس طرح تھرّا اُٹھتے تھے +

لالہ ہنس راج کی لاثانی قربانی ہمیشہ لالہ لاجپت رائے کے مدنظر رہتی تھی اور اگرچہ ان کے وقت اور دولت کا بہت سارا حصہ سماجک کام میں خرچ ہوتا تھا۔ تاہم ان کی تسلی نہ ہوتی تھی۔ آخرکار آپ نے غالباً ۱۸۹۸ء کے سالانہ جلسہ پر لالہ ہنس راج کو چٹھی لکھی۔ کہ میں آیندہ وکالت کے کام کو یا تو بالکل بند کردوں گا۔ یا بہت ہی تھوڑا کردوں گا۔ اور اپنا سارا وقت کالج اور سماج کی سیوا میں خرچ کیا کروں گا۔ لالہ ہنس راج نے یہ چٹھی برسر اجلاس پڑھکر سنائی۔ پھولوں کا ہار ان کے گلے میں ڈالا۔ اور "قربانی آریوں کا اصول ہے" یہ موٹو ان کی نذر کیا +

لالہ لاجپت رائے کچھ مدت کالج میں ہسٹری پڑھاتے رہے۔ وکالت کا کام تقریباً بالکل چھوڑ دیا۔ اور جو مقدمات وقتاً فوقتاً لیتے رہے۔ ان کی ساری کمائی کالج کی نذر کرتے رہے۔ ان کی اپیلیں اور بھی موثر ہو جاتی تھیں۔ کیونکہ آئے سال اِدھر اپیل ختم ہوتی تھی۔ اور اُدھر سب سے پہلے ان کا اپنا شاندار

عطیہ مشتہر کیا جاتا تھا +

اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہوگا۔ کہ اگر کالج کی مدبرانہ پالیسی کی تعریف کے مستحق آنریبل جسٹس لال چند ہیں۔ اور اس کے حسن انتظام کی تعریف لالہ ہنس راج آنریری پرنسپل کا حصہ ہے۔ تو اس کے سرمایہ کو ایک شاندار مقدار تک پہنچانے کا زیادہ تر کریڈٹ لالہ لاجپت رائے کا ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ وہ پچھلے کئی سالوں سے اپنی سال بھر کی کمائی کالج کی نذر کر دیتے تھے۔ بلکہ عام پبلک و اہل زر سے روپیہ کھینچنے کا جو جادو انہیں آتا تھا وہ کالج کے کسی دوسرے حامی کو نہیں آتا +

جس بات نے لالہ لاجپت رائے کو آریہ سماج کے دائرہ سے باہر بڑا آدمی بنایا۔ وہ یتیموں کا کام تھا۔ انیسویں صدی کے پچھلے دو تین سالوں میں جو غضب قحط نے ہندوستان کے بعض حصوں میں ڈھایا۔ اُسے یاد کرکے اب تک رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ لاکھوں اہل ہند روٹی کو ترستے مر گئے۔ ہزاروں برہمن اور کھشتری مسلمانوں کے ہاتھ بک گئے۔ ہزاروں کو عیسائی لے گئے۔ برہمنوں کی لڑکیوں کو بھنگیوں کے گھر بیٹھ کر جاروب کشی کا کام کرنا پڑا۔ چندر بنسی اور سوریہ بنسی خاندان کے بچوں کو گھوڑوں کی لید سے دانے اور انسان کی قے سے روٹی کے ٹکڑے اُٹھا اٹھا کر کھانے پڑے۔ لالہ لاجپت رائے کے دل کا ایک پہلو فولاد کا ہے مگر ساتھ ہی ایک پہلو موم کا ہے سختی برداشت کرنے مخالفت سے اور بھی شیر ہونے۔ دن رات کام کرکے بھی نہ تھکنے کا راز ان کے دل کے فولادی حصہ میں بند ہے مگر بیکسوں کی فریاد سن کر۔ دکھ کا نظارہ دیکھ کر پانی پانی ہوجانا یہ ان کے دل کے دوسرے پہلو کا نتیجہ ہے جو موم کا بنا ہؤا ہے۔ جب راجپوتانہ کی اس مصیبت کی کہانی لالہ لاجپت رائے کے کانوں تک پہنچی۔ ان کا دل آب آب ہوگیا۔ اور انھوں نے

جی میں ٹھانی۔ کہ جس طرح ہو سکے اور جہاں تک ہو سکے اپنے ہموطنوں کو موت اور مشنریوں کے پنجہ سے بچانا چاہئے۔ بس پھر کیا تھا۔ پنجاب بھر میں جلسے ہونے لگے۔ اور لالہ لاجپت رائے کی دلسوز تقریریں لوگوں کے دلوں کو موم کرنے لگیں۔ اِن کی تقریروں اور تحریروں کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ پنجاب کے مختلف مقامات مثلاً بھوانی۔ امرتسر۔ جہلم۔ کوہاٹ۔ لاہور وغیرہ مقامات پر فوراً یتیم خانے کھل گئے۔ فیروز پور یتیم خانہ کو اور بھی وسعت دیا گیا۔ اور چند ہی مہینوں کے کام سے لالہ لاجپت رائے کی کوشش سے پنجاب کے اہل ہنود نے کوئی چودہ سو یتیم موت کے پنجہ سے بچا کر پنجاب میں لا ڈالے۔ اِن میں سے سینکڑوں کام سیکھ سیکھ کر اب اپنا گذارہ کر رہے ہیں۔ سینکڑوں اب بھی یتیم خانوں میں پل رہے ہیں +

یتیموں کا کام کر کے لالہ لاجپت رائے نے پورے طور پر محسوس کیا۔ کہ قوم کیا چیز ہوتی ہے۔ اور اگرچہ تعصب پہلے بھی اِن کے دل میں موجود نہ تھا۔ مگر اِس وقت سے لے کر اُنھوں نے اپنے آپ کو صرف آریہ سماج کا نہیں بلکہ ساری ہندو قوم کا خادم سمجھنا شروع کر دیا۔ اور پنجاب کے اہل ہنود نے بھی اِنہیں اپنا لیڈر منظور کر لیا +

باوجود اس کے یہ کام لالہ لاجپت رائے کی ذات کے لئے ایک طرح کا بڑا مضر ثابت ہؤا۔ عیسائی صاحبان ہندوستان کے قحط و افلاس کو خدا کی خاص برکتیں سمجھتے ہیں۔ اور جب کبھی ہندوستان میں اکال پڑتا ہے وہ شادیانے بجاتے ہیں۔ کیونکہ قحط کے ایام میں اِنہیں اپنے گلے بھرتی کرنے میں بڑی سہولیت ہوتی ہے +

• لالہ لاجپت رائے سے پیشتر کسی ہندو کو یہ نہیں سوجھی تھی۔ کہ وہ بھی عیسائیوں کی طرح یتیم خانے قائم کر سکتے ہیں۔ قحط زدہ علاقوں میں جا کر یتیم اکٹھے کر سکتے ہیں۔ اور اپنے ہم مذہبوں کو عیسائیوں کے پنجہ سے بچا سکتے ہیں۔ اِس لئے

قدرتی تھا۔ کہ لالہ لاجپت رائے کا کام عیسائی مشنری صاحبان کی دلآزاری کا باعث ہوتا۔ لالہ لاجپت رائے نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ کہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ یتیم منگا منگا کر یہاں ان کی پرورش کا انتظام کریں۔ بلکہ ان کے ایجنٹ حکام تک پہنچے۔ اور ان سے یہ حکم لیا۔ کہ سرکاری یتیم خانوں سے کوئی یتیم عیسائیوں کو نہ دیا جاوے۔ جب تک کہ لاہور سماج یتیم لینے سے انکار نہ کردے۔ علاوہ ازیں لالہ لاجپت رائے اور ان کے ماتحت کام کرنے والوں نے قانونی چارہ جوئی کر کر کے عیسائی شدہ بچے جن پر عیسائیوں کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں روپیہ خرچ ہوئے تھے۔ ان سے واپس لئے۔ نہ صرف یہی بلکہ ان کے ایجنٹوں نے راجپوتانہ سے واپس آکر اپنی تقریروں میں مشنری صاحبان کے ایجنٹوں کے پول کھولنے شروع کئے۔ اور بر سر عام ظاہر کیا۔ کہ عیسائی ایجنٹ ہندوؤں کا لباس پہنکر تلک اور جنیو لگا کر وہاں پھرتے ہیں۔ اور انجان ہندو بچوں کو اپنے دام میں پھنساتے ہیں۔ اسی طرح عیسائی عورتیں ہیں جو پنڈتا راما مائی کی ایجنٹ ہیں۔ اور ہندو لڑکیوں کو یہ کہکر پھنسا لے جاتی ہیں۔ کہ چلو تمہیں پنڈتانی جی کے پاس لے چلیں گے۔ وہاں تمہیں کھانا کپڑا سب کچھ ملیگا ٭

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ عیسائی صاحبان لالہ لاجپت رائے سے سخت ناراض ہوگئے۔ اور قدرتاً ایسے موقعہ کی تلاش کرنے لگے۔ جس سے ان کو اس جرم کی سزا مل سکے۔ اور عام خیال ہے۔ کہ اگر اس وقت لالہ لاجپت رائے جلاوطن ہیں۔ تو ان کی مصیبت کے ذمہ وار اتنے ہی عیسائی صاحبان ہیں جتنے اہل اسلام ٭

خیر۔ اس کا نتیجہ کچھ ہی ہؤا ہو۔ لالہ لاجپت رائے جب کسی کام کے کرنیکا فیصلہ کر لیتے تھے۔ تو اس کے نتائج اور لوگوں کی مخالفت کی کچھ پروا نہیں کرتے

تھے۔ دو سال گذرے کانگڑہ کی طرف سخت بھونچال آیا۔ دھرم سالہ اور کانگڑہ زمین سے مل گئے۔ سینکڑوں گاؤں برباد ہو گئے۔ لالہ لاجپت رائے نے پھر اپنے ہموطنوں کی مدد کا بیڑا اُٹھایا۔ اور ابھی گورنمنٹ کو کوئی تجویز ہی نہ سوجھی تھی۔ کہ لالہ لاجپت رائے کے ایجنٹ ضروری سامان لے کر وہاں پہنچ گئے۔ بخشی سوہن لعل صاحب نے وہاں کے کام کا چارج لیا۔ اور روپیہ جمع کرنا۔ آدمی بہم پہنچانا۔ سامان اکٹھا کرنا یہ سب کام لالہ لاجپت رائے نے اپنے ذمہ لیا۔ اور جس خوش اسلوبی اور جان نثاری سے آریہ سماج کے آدمیوں نے کام کیا۔ اِس کا لفٹننٹ گورنر صاحب نے اپنی رپورٹ میں اعتراف کیا ہے اور بخشی سوہن لعل صاحب کو اِس بےغرضانہ خدمت کے اعتراف میں رائے بہادر کا معزز خطاب عطا کیا +

اِس قسم کا کام تھا۔ جس میں اب تک لالہ لاجپت رائے کی ساری زندگی خرچ ہوئی۔ ۱۹۰۴ء تک انہیں پالیٹکس سے بہت اُنس نہ تھا۔ اور چونکہ آریہ سماج کا سارا کام ایک خاص کانسٹیٹیوشن کے مطابق ہوتا ہے۔ اور لالہ لاجپت رائے کی ساری عمر اِس باضابطہ کام میں گذری تھی۔ وہ کانگرس کو بہت پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اِن کی شکایت تھی۔ کہ کانگرس کی کوئی کانسٹیٹیوشن نہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء کی کانگرس کے موقعہ پر جب وہ بمبئی میں گئے۔ تو سرہنری کاٹن کے سامنے انہوں نے بعہ دیگر پنجابی ڈیلیگیٹ صاحبان کے یہی اعتراض کیا۔ سرہنری کاٹن پر لالہ لاجپت رائے کی ذات نے بہت گہرا اثر پیدا کیا۔ اور سرہنری نے ساری پوزیشن اِن کے سامنے کھول کر رکھی۔ اور کانگرس کے لیڈروں کی طرف سے اقرار کیا۔ کہ جلدی ہی کچھ نہ کچھ کانسٹیٹیوشن بن جائیگی +

بمبئی سے جس وقت لالہ لاجپت رائے واپس آئے۔ تو اِن میں تمام

تبدیلی نظر آتی تھی۔ اِس وقت سے لے کر اِن کے پولیٹیکل کام میں دلچسپی بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء کے موسم گرما میں بمبئی کانگرس کے رزولیوشن کے مطابق اہل پنجاب نے اِن کو اپنا ڈیلیگیٹ بنا کر ولایت کو بھیجا۔ کہ وہاں بمبئی کے ڈیلیگیٹ مسٹر گوکھلے کے ساتھ ملکر اہل انگلستان کے آگے اپنے ملک کا رونا روئیں۔ اور اگر ہو سکے۔ تو نئی یعنی موجودہ لبرل پارلیمنٹ میں ہندوستان کے کچھ ہمدرد پیدا کریں۔ اِس کام میں اِن صاحبان کو کچھ کامیابی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اِس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ولایت میں مسٹر گوکھلے اور لالہ لاجپت رائے کو سخت محنت سے کام کرنا پڑا۔ وہاں کے پروگرام اِن دنوں کے اخبارات میں چھپتے تھے۔ اِن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ مسٹر گوکھلے اور لالہ لاجپت رائے ایک مہینہ میں چالیس کے قریب جلسے کرتے رہے۔ اور وہاں اپنے ملک کی رام کہانی اہل انگلینڈ کے گوش گذار کرتے رہے +

انگلینڈ سے لالہ لاجپت رائے چند ایک طالب علموں کو وہاں کی یونیورسٹیوں میں داخل کرنے کی خاطر ساتھ لیکر امریکہ چلے گئے۔ اور وہاں چند دن رہکر ایک آدھ مذہبی اور ایک آدھ پولیٹیکل لکچر دئے +

وہاں سے واپس آکر لالہ لاجپت رائے نے جتنا روپیہ یہاں کی **انڈین ایسوسی ایشن** سے سفرخرچ کرنے کے طور پر لیا تھا۔ سب خیراتی کاموں میں خرچ کر دیا۔ اور سفر انگلستان و امریکہ پر جتنا روپیہ خرچ ہوا۔ سب اپنی گرہ سے خرچ کیا +

ابھی وہ ولایت میں ہی تھے۔ کہ یہاں تقسیم بنگالہ کا طوفان برپا ہو گیا۔ اور سودیشی کی آواز ہند کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گئی۔ لالہ لاجپت رائے کو ولایت سے آنے کے بعد جگہ جگہ سے بلاوے آنے لگے۔ اور وہ

نہ صرف آریہ سماج اور دیگر اہل ہنود پنجاب کے لیڈر رہے۔ بلکہ ملک کے پولیٹکل لیڈروں میں شمار ہونے لگے +

بنارس کانگرس پر جو آپ نے تقریر کی۔ اِس سے اِن کا سکہ اور بھی بیٹھ گیا۔ اور وہ ہندوستان کے چیدہ چیدہ چھ سات آدمیوں کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ سنہ ۱۹۰۶ء تقریباً آرام میں گذرا۔ مگر سنہ ۱۹۰۷ء کے شروع ہوتے ہی پنجاب میں کہرام مچ گیا +

دو تین قانون ایسے پاس ہوئے۔ جن سے یہاں کے جنگجو جاٹوں کی قوم میں ہلچل مچ گئی۔ سردار جیت سنگھ نے اِن میں اور بھی جوش و خروش بھر دیا۔ لاہور میں پنجابی کے مقدمہ نے لوگوں کو آگ لگا دی۔ لائل پور کے زمیندار ایکٹ نوآبادیہائے کی مجوزہ تبدیلیوں سے بپھر گئے۔ پنڈی میں ایزادیئے مالگذاری نے وہاں کے جاٹوں کو برانگیختہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ ساری پنجاب میں ہل چل مچ گئی۔ یار لوگوں کو یہ موقعہ خدا نے دیا۔ اُنہوں نے گورنمنٹ کے کان بھرنے شروع کئے۔ کہ پنجاب میں غدر ہونے والا ہے۔ لالہ لاجپت رائے سب کے لیڈر ہیں۔ اور اِن کے ماتحت لاکھ کے قریب سپاہی ہیں جو مرنے مارنے کو تیار کھڑے ہیں۔ لالہ لاجپت رائے اِس گورنمنٹ کی بیخ کنی کر کے خود بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ ۱۰ مئی کو قلعہ لاہور پر دھاوا ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ نتیجہ جو ہؤا وہ محتاج بیان نہیں۔ اب آپ مانڈلے کے قلعہ میں بطور شاہی قیدی کے بیٹھے ہیں +

جو جو خیال وہاں اِن کے دل میں گذر رہے ہونگے۔ وہ یا انہیں خود معلوم ہیں۔ یا پرماتما جانتے ہیں۔ مگر اتنا مجھے پورا یقین ہے۔ کہ وہ اپنی موجودہ معیبت کو گورنمنٹ کی کینہ جوئی یا خصومت کی دلیل نہیں مانتے ہونگے

بلکہ ضرور اپنے اہل ملک کی مہربانی کا نتیجہ خیال کر رہے ہونگے - ایشور پرماتما میں ان کا پورا وشواس ہے - اور مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی قسمت پر صابر وشاکر ہونگے +

ساتھ ہی مجھے پورا یقین ہے - کہ اگر بے گناہی اور پاکدامنی میں کچھ طاقت ہے - تو ایک نہ ایک دن ضرور لالہ لاجپت رائے کی مصیبت کا خاتمہ ہوگا - لیکن اگر ان کی قسمت میں یہی لکھا ہے - کہ وہ زندگی کے باقی دن اپنے وطن کی خاک پاک سے دور ہی گذاریں - تو بھی نہ ہی انہیں افسوس ہوگا - اور نہ ہمیں ہونا چاہیئے - کیونکہ کسی قوم کا بیڑا کبھی پار نہیں ہوا - جبتک کہ اس قوم نے اپنے پاک سے پاک اور بڑے سے بڑے آدمیوں کی قربانی نہیں دے لی +

گوکل چند

تصاویر کی غیر حاضری - گذشتہ نمبر میں جن تصاویر کے نام سرورق پر درج تھے ان میں سے ایک بھی شامل رسالہ نہ تھی اور اب وہ تینوں تصویریں ایک در رہبر ملک کی تصویر کی رفاقت میں حاضر ہوتی ہیں معزز ناظرین **آزاد** نے تصاویر کی کمی کو سخت محسوس کیا اور ہمارے پاس بہت سے شکایتی خطوط پہنچے - اس لئے ہم اپنی مجبوری بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جن تصاویر کا وعدہ کیا گیا تھا انکے حاصل کرنے کے لئے سخت کوشش کی جا رہی تھی - مگر کامیابی نہ ہوئی اور ان کی بجائے تصاویر کی تیاری کیلئے وقت بہت کم رہگیا - با وجود ان دشواریوں کے یہ کوشش تھی کہ آزاد تصاویر سے خالی نہ رہے مگر جب تصویریں وقت پر تیار نہ ہوسکیں تو بلا تصویر رسالہ شائع کردینا ہی مناسب سمجھا گیا - کیونکہ پیشتر ہی بہت دیر ہو چکی تھی - اور تصاویر کے انتظار کی گنجایش نہ تھی - ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی مجبوری میں ہمارا عذر قابل التفات اور لایق معافی ہے +

اوسیان کے مندر اور پردیسی پتھر

از منشی دیبی پرشاد منصف

جودھپور سے ۴۰ میل کے قریب اوسیان نام پرانا شہر اجڑا پڑا ہے جس میں اب تو کچھ تھوڑی سی آبادی نادار لوگوں کی رہگئی ہے۔ مگر پرانے مندروں کے کھنڈر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہزار ۹ برس پہلے یہاں بڑے بڑے دولتمند سیٹھ اور ساہوکار رہتے تھے۔ جنہوں نے لاکھوں روپیہ کی لاگت سے قیمتی مندر بنوائے تھے۔ جن کی عمدہ کاریگری کو دیکھ کر اس زمانہ کے معمار اور انجنیر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ اور اگلے کاریگروں کی صنعت سنگتراشی اور اُستادی فن تعمیر کی ثنا وصفت میں رطب اللسان ہوتے ہیں۔ جنہوں نے پتھروں کو کاغذ کی طرح سے تراش کر ایسا باریک اور نفیس کام کیا ہے کہ جس کے برابر اب ہونا تو درکنار ــ ٹوٹے پھوٹے کی مرمت بھی مشکل سے ہوتی ہے ؎

آج کل ایک جین مندر کی مرمت ساہوکاران قوم ارسوال کے چندہ سے ہورہی ہے۔ جو پردیس میں رہتے ہیں۔ اور اپنی خوش اعتقادی سے دور بیٹھے ہوئے بھی ہزاروں روپیہ اپنے دیسی مندروں کی درستی کے لئے بھیجتے ہیں۔ مرمت کیا ہے گویا ایک ٹوٹے پھوٹے میلے کچیلے مندر کا سنگار کیا جاتا ہے۔ خاص مندر کے آگے سفید اور سیاہ پتھروں کا فرش نوبیل بوٹوں سے سجا کر ایسا صاف اور شفاف بنایا گیا ہے۔ کہ جس میں مثل آئینہ کے عکس پڑتا ہے۔ اور بیچ بیچ میں دوسرے رنگ کے قیمتی پتھر جڑ کر ایسی پچیکاری کی گئی ہے ــ کہ کہیں بال کے برابر بھی درز نہیں دکھائی دیتی ــ یہ کام اس عہد کے کاریگروں کا

ہے۔ اگلا فرش نہ ایسی صنعت کا تھا اور نہ اتنے قیمتی پتھروں کا۔ مگر جو پرانی سنگتراشی کھنڈت ہوگئی ہے۔ اُس کی جگہ نئی بنی تو ہے مگر ایسی نہیں بنی۔ ٹوٹی ہوئی مورتیوں میں جہاں کہیں جوڑ لگایا گیا ہے۔ وہاں اگلی اور پچھلی کاریگری کا فرق صاف نظر آتا ہے۔ پون فٹ اونچی اور آدھ فٹ چوڑی ایک گھسی ہوئی مورت کو از سر نو کھود کر سُدھار دینے کے لئے ایک کاریگر مہینے بھر سے کام کر رہا ہے جو ۲۰ ماہانہ پاتا ہے۔ مگر ابھی تیار نہیں ہوئی۔ اور تیار ہونے پر بھی اگلی سی صفائی اور باریکی آویگی یا نہیں یہ بات ابھی مشتبہ ہے۔ اگر ویسی نئی مورت گھڑی جاتی تو شاید دو مہینے لگتے۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ پہلے اِن مندروں کے بنانے اور بنوانے والے کاریگر اور اہل دولت کیسے کیسے تھے۔ اور کتنا کتنا روپیہ ایک ایک مورت کے تیار ہونے میں صرف ہوا ہوگا۔ ایسی مورتیں اِس مندر میں سینکڑوں ہیں۔ اور جو اُس سے بڑی ہیں۔ اُن کا تو کچھ حساب ہی نہیں ہے۔ مبارک تھے وہ لوگ جنہوں نے یہاں ایسے ایسے بہت سے مندر ایک دم سے بنوا دیئے تھے۔ جو اسلامی سلطنت میں مذہبی تعصب سے گرا دیئے گئے اُن میں سے یہی ایک جین مندر مہابیر سوامی کا کچھ ایسی مبارک ساعت میں بنا تھا کہ کھنڈت ہو کر بھی اتنا کچھ بنا رہا۔ کہ مرمت ہو جانے پر خوب سُدھر گیا۔ جینی لوگ بھی مبارک ہیں جو اپنے پرانے مندروں کی مرمت اور درستی میں ہزاروں روپیہ لگاتے ہیں۔ اب جو کام ہو رہا ہے دس پندرہ ہزار روپیہ سے کم کا نہیں ہے ۵۰ ماہانہ کا تو ایک داروغہ ہی اِس پر مقرر ہے معمار کاریگر اور مزدور بھی بہت سے ہیں +

اِس کام میں جو سراسر قابل تعریف ہے یہ ایک بڑا نقص بھی ہے۔ کہ جو قیمتی پتھر اِس میں لگائے جاتے ہیں۔ وہ سب پردیسی ہیں اور بمبئی سے آتے ہیں یہ بڑے رنج اور افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان میں ایسے پتھروں کے ہوتے ہوئے بھی

پردیسی پتھروں کے خریدنے میں دو چند روپیہ خرچ کیا جاتا ہے [illegible]
سفید۔ نیلے۔ گلابی وغیرہ [illegible]
کولس [illegible]
[illegible]
[illegible]
سبب پوچھا۔ تو انہوں نے کہا [illegible]
ہوتا ہے۔ اور ولایتی پتھر [illegible]
ہے۔ اس پر جب میں نے کہا۔ کہ [illegible] زیادہ لگتے ہیں [illegible]
کم ملتی ہے۔ تو انہوں نے کان پکڑ لیا [illegible] لکھے کم
ہوتے ہیں۔ اخباروں اور رسالوں کی طرف اُن کو چنداں توجہ نہیں ہوتی ہے
جس سے اُن کو اپنے پرائے دیسوں کی کچھ خبر نہیں ملتی۔ اور نہ سودیشی معاملات
میں مارواڑی سیٹھوں نے اب تک کوئی کار نمایاں کیا ہے۔ اسی سے اس
مندر میں پردیسی پتھر لگتا ہے۔ اور وارو غیرہ بھی کچھ ایسے ہی معلوم ہوتے
ہیں۔ وہ مجھ سے نہیں ملے۔ اگر ملتے تو ہم اُن کو سمجھاتے۔ مگر ہمارا جو منشا ہے
وہ صرف اُن کے سمجھنے اور سمجھانے سے ہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ
اُن سیٹھوں کے کان تک یہ بات نہ پہنچے ۔ اور یہ سیٹھ یہاں نہیں۔ کلکتہ۔
کانپور۔ حیدرآباد۔ بمبئی۔ لاہور۔ امرتسر۔ پونہ اور مدراس وغیرہ میں ہیں ۔ اور
آپ کا رسالہ سب جگہ جاتا ہے۔ اس لئے یہ مضمون آپ کی خدمت میں بغرض
اشاعت بھیجا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ جب حضور
پرنس آف ویلز بیکانیر میں تشریف لے جانے والے تھے۔ تو ہم نے سنا تھا۔ کہ
مہاراجہ صاحب نے اُن کی خیر مقدم کے لئے جو تیاریاں کی تھیں۔ اُن کے سلسلہ

میں ایک محل کا فرش بھی بنتا تھا۔ جس کے لئے اٹلی سے کئی ہزار روپیہ کا سنگ مرمر منگوایا گیا تھا۔ اس وقت دیوان نے عرض کی تھی۔ کہ سنگ مرمر تو اپنے قریب ہی کرانہ میں ملتا ہے۔ مہاراجہ صاحب نے فرمایا۔ کہ وہاں سے منگوانے میں اتنی ناموری نہیں ہوتی۔ اگر وہ سیٹھ لوگ بھی ایسی ہی ناموری کے بھوکے ہیں۔ تو خیر۔ ورنہ ایسے پتھر تو اپنے ہی دیس میں بہت ملتے ہیں۔

مورخ راجپوتانہ

سرفروش (ہنکاری پریس لدھیانہ قیمت ۸ عہ) تعلیم یافتہ جماعت میں ایک عرصے سے ناولوں کے متعلق بحث چلی آتی ہے۔ ایک فریق ناولوں کو ترقی کا بہترین ذریعہ بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ عجیب پیرایہ میں خیالات کی اشاعت نہایت آسانی سے ہو سکتی ہے دوسرا انہیں مخرب الاخلاق ٹھیراتا ہے کیونکہ حسن وعشق کے فسانوں بغیر ناول کی دلچسپی نہیں اور یہ فسانے جن الفاظ میں بیان کئے جاتے ہیں ان کا اثر پڑھنے والوں کے دل پر اکثر برا پڑتا ہے وہ مصنف جو اس بحث سے فائدہ اٹھا کر اپنے ناولوں کو ایسا رنگ دیتے ہیں جس سے دونوں فریق خوش ہو جائیں حقیقت میں آفرین کے مستحق ہیں۔ سرفروش میں یہ خوبیاں کسی قدر موجود ہیں۔ پرتھی راج اور شہاب الدین محمد غوری کی لڑائیوں کا ذکر کرتے ہوئے راجپوتوں کی جانبازی اور قومی شہیدوں کی جان نثاری ایسے پرجوش الفاظ میں لکھی گئی ہے۔ کہ ابتدائی کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور بدن میں سنسنی پیدا ہو جاتی ہے۔ راج کنواری۔ شاشیترا راجہ بھان والئے دیوگڑھ (دکن) کی بیٹی کے حالات سے یہ ناول شروع ہوتا ہے۔ اور حسن و عشق کی داستان ایسے معنے خیز پیرایہ میں ادا کی گئی ہے۔ کہ پڑھنے والے کے دل پر ایک نہایت اچھا اثر چھوڑتی ہے۔ زبان البتہ کسی قدر صاف نہیں۔ جن احباب کو ہندوستان کے تاریخی واقعات سے دلچسپی ہے ان کے لئے اس کا مطالعہ سبق آموز ہوگا۔ اردو زبان میں اس قسم کے ناولوں کی فی الحقیقت ضرورت ہے۔

اُفتادِ زمانہ

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند
چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ واقعات کے لحاظ سے ہندوستان کی تاریخ کسی طرح اور ممالک کی تاریخ سے کم نہیں۔ جتنے انقلاب ہندوستان میں ہوئے ہیں شاید ہی کسی اور ملک میں ہوئے ہوں +

ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق زمانہ چار دور میں منقسم ہے۔ ست جگ تریتا۔ دواپر۔ کلجگ۔ اگر ان چاروں دورِ زمانہ کے واقعات پر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے۔ تو اس کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ اور پھر بھی واقعات کا صحیح جمع ہونا معلوم۔ نہ تو ہم اس قدر پرانی تاریخ پر بحث کیا چاہتے ہیں۔ اور نہ اس کی گنجائش ہے۔ ہمارا دائرہ بحث مسلمان حملہ آوروں سے شروع ہو کر موجودہ زمانہ میں ختم ہوتا ہے۔ ہم یہ بتلانے کی کوشش کریں گے۔ کہ اب تک ہندوستان کی تاریخ میں کیا کیا انقلاب پیش آئے۔ اور ہمیں ان سے کیا سبق سیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارا اپنا عقیدہ ہے کہ تاریخ سے بڑھکر معلم کسی ملک اور قوم کے لئے نہیں ہوسکتا۔ اور جو قومیں تاریخ کو اپنا رہبر بناتی اور واقعات سے فائدہ اُٹھاتی ہیں وہ کبھی زمانہ کے دور میں پیچھے نہیں رہتیں۔ اور جو چیز دنیا میں پیدا کی گئی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ وہ زمانہ کے ساتھ رہے اگر وہ ایسا نہیں کرتی یا کر سکتی تو جلد برباد ہو جاتی ہے +

زمانہ کی دوڑ موٹر کار کی سی دوڑ ہے۔ جس کے آگے ایک آدمی دوڑا جاتا

ہے۔ اور جس کے بچ نکلنے کے لیئے رستہ نہیں۔ جب تک وہ شخص اپنی پوری طاقت سے بھاگا چلا جاتا ہے۔ اور موٹر کار کو پامال کرنیکا موقع نہیں دیتا۔ وہ زندہ رہتا ہے اِس کے ذرا سے تساہل کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ یہی کہ موٹر کی ٹھوکر سے گر کر اِس کے نیچے کچلا جاتا ہے۔ اور اِس طرح اِس کی ہستی مٹ جاتی ہے +

ہمارے تاریخ کے ڈرامے کا پہلا سین محمود غزنوی کے حملوں سے شروع ہوتا ہے۔ غفلت کا پردہ اُٹھتا ہے۔ اور راجپوت سورما اپنے مندروں کی حفاظت میں مصلح دکھائی دیتے ہیں۔ پتمبری دھوتیاں لپیٹے لیتے تلک پیشانی پر تین بل سوچھیں چڑھی ہوئی۔ کمر میں کٹار۔ جان ہتھیلی پر رکھے رہنے مرنے پر طیار کھڑے ہیں۔ سامنے غنیم ہندوؤں کے جگمگاتے ہوئے مندروں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ دل میں غزنی کے اُجاڑ پہاڑوں کو لوٹ سے مالا مال کرنے کی آرزو ہے۔ نقارے پر چوٹ پڑتی ہے۔ اور آن کی آن میں خون کی نہریں بہ نکلتی ہیں۔ تلواروں کی آواز سے سومناتھ باشیوں کے بچوں کے دل دہل جاتے ہیں عورتیں ستی ہونے کو چتائیں چن [illegible] تیار بیٹھی ہیں۔ تھوڑی سی دیر میں اِن کی قسمت کا فیصلہ ہؤا جاتا ہے۔ مٹھی بھر راجپوت ایک ایک کرکے مندر کی بھینٹ ہو جاتے ہیں۔ اور سومناتھ میں لوٹ شروع ہو جاتی ہے۔ تلک دھاری پوجاری جواہرات کا ڈھیر لگائے محمود غزنوی کی نظر کر رہے ہیں۔ تاکہ ان کے دیوتا جس پر اتنے ماں کے لال نثار ہوئے۔ اِن سے جدا نہ ہوں۔ عورتیں [illegible] تک کو چھوڑیں اور اپنے پتی سے ملنے کی آرزو میں جلکر خاک ہو گئیں۔ غزنی کے لشکر سے جتنا لوٹا گیا لوٹا۔ اور ہزاروں غلام بنا کر ساتھ لیئے۔ ہزاروں یتیم بچے گھوڑے کے [illegible] بندھے چلے جاتے ہیں۔ اِن کی آہ و بکا کی آواز سے اگر پتھر بھی نرم ہو گیا ہے۔ تو عجب نہیں۔ مگر افغانی سپاہیوں کا دل نہ پسیجنا تھا۔ اور نہ پسیجا۔ کچھ بیہودہ عیش افغال و [illegible]

روتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اور وطن سے جدا ہوتے ہوئے ایک حسرت سے
چاروں طرف دیکھتی ہیں۔ آخر دم تک یہی آس ہے۔ کہ درودیوار ہی کچھ مدد کریں
مگر آہ اِن کم نصیب ستمکاروں کی حمایت کرنیوالا کوئی نظر نہیں آتا۔ اس قیامت کے
نقشہ کو دیکھ کر دیکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور پردہ
سامنے آپڑتا ہے۔ وہ سومناتھ جو کچھ عرصہ پہلے زر و جواہر کی کان تھا ویران پڑا
ہے۔ مندر کا کلس جو آسمان سے باتیں کرتا دکھائی دیتا تھا۔ سڑکوں پہ مکانات
کے دروازے رہنے والوں کے انتظار میں چشم انتظار بن رہے ہیں۔ چیل۔ کوے
اِن شہیدوں کو ٹھونگیں مار مار کر جگا رہے ہیں۔ جو قیامت کی نیندیں سوتے ہیں
آہ کیا سومناتھ یونہی اجاڑ رہیگا۔ کیا اس مندر میں ناقوس اور گھنٹوں کی آواز
نہ گونجے گی۔ کیا بازاروں میں آدمیوں کی بھیڑ نہ ہوگی۔ نہیں نہیں۔ پردا اُٹھتا ہے
اور پھر وہی جنگ و جدل دکھائی دیتا ہے۔ دیکھنا ذرا غور سے دیکھنا آپ لڑنیوالوں
میں سے کسی کو پہچانتے بھی ہیں۔ ہاں اتنا تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہی غزنی کے سپاہی
اور وہی راجپوت لڑ رہے ہیں۔ ہیں کیا سومناتھ کے شہیدوں میں پھر جان آگئی
نہیں یہ متھرا ہے یہ وہ جگہ ہے۔ جہاں مہاراج کرشن نے ہندوؤں کو راکھشوں
کے ہاتھ سے نجات دلائی۔ یہ وہ جگہ ہے جسے ہندو مقدس سرزمین سمجھتے ہیں۔ یہ
وہ جگہ ہے جہاں پیوند زمین ہونا ہندوؤں میں فخر سمجھا جاتا ہے یہ وہ جگہ ہے جو مندروں
کی دنیا کہلاتی ہے۔ آج وقت آزمائش ہے۔ اور راجپوتوں میں سے ہر ایک کی یہ
آرزو ہے۔ کہ اِس کا خون اس پوتر بھومی پر گرے۔ مسلمان بہادر اِس بات پہ
اڑے ہیں۔ کہ خوبصورت مندروں کو مسمار کرکے اِن کی جگہ مسجدیں بنائیں۔
ہزاروں بہادر تلوار کے گھاٹ اترتے ہیں۔ مگر لوٹ مار کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔
اور وہ اِسے ہی غنیمت سمجھ کر غزنی لوٹ جاتے ہیں۔ اس طرح کے سولہ سین آپکی نظروں سے

گذرتے ہیں۔ اور آپ کو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ اب ہندوستان جنگلی جانوروں کا مسکن رہگیا۔ اور اس کے سنبھلنے کی امید یاس میں بدل جاتی ہے۔ جہاں تک نظر جاتی ہے ویران گھر دکھائی دیتے ہیں ہماری مایوسی بڑھتی جاتی ہے پردہ پھٹتا ہے ا۔ ر پھر وہی چہل پہل دکھائی دینے لگتی ہے۔ دہلی میں امن کی ہوا چل رہی ہے۔ پرتھی راج کے عدل و انصاف کی شہرت دور دور پہنچ چکی ہے۔ رعایا خوشحال ہے اور چین سے کٹ رہی ہے۔ خدا خدا کر کے کشت و خون سے نجات ملی۔ امن کی صورت دکھائی دی۔ مگر جو لڑائیاں گذشتہ ایام میں پیش آئی تھیں۔ وہ ایسی نہ تھیں۔ کہ چین سے بیٹھنے دیتیں ہر ایک ہر وقت مستعد اور تیار دکھائی دیتا ہے۔ ابھی بہت دیر چین سے نہ گذری تھی۔ کہ محمد غوری کے آنے کی خبر پہنچی۔ راجپوتوں کو اپنی غفلت اور ادھام پرستی[۱] کی سزا مل چکی تھی۔ اس لئے اب وہ پیشتر کی طرح غافل نہ تھے۔ دہلی سے باہر تھانیسر کے مقام پر مقابلہ کیا۔ اور دونوں طرف کے جان نثاروں نے داد مردانگی دی۔ اس وقت ایک تو راجپوت پیشتر سے تیار تھے۔ دوسرے محمود غزنوی کے حملوں سے انہیں شکست کی صورت میں اپنی حالت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ خوب ہی جان توڑ کر لڑے۔ اور افغانوں کو شکست فاش ہوئی۔ محمد غوری بمشکل جان بچا کر بھاگا۔

---

[۱] ۔ مورخین کا بیان ہے۔ کہ جب محمود غزنوی سومناتھ پر حملہ آور ہوا۔ تو ہندو سورما اور پنڈت جو مذہبی اعتقاد کے مطابق کچھ کام بغیر دیوتا کی منظوری کے نہ کرتے تھے۔ مکر بڑے پجاری کے پاس گئے۔ اور اسے محمود غزنوی کے حملہ آور ہونے کی خبر دی۔ اور اجازت چاہی۔ اس نے کہا۔ کہ جب تک وہ دیوتا سے اجازت نہ لے وہ اس ضروری اور نازک معاملے پر کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ ایک شب دیوتا کی منظوری کا انتظار رہا۔ دوسرے دن جب منظوری کی نسبت دریافت کیا گیا۔ تو جواب ملا کہ دیوتا نے کہا ہے کہ ابھی مہورت ٹھیک نہیں اور جب تک مہورت ٹھیک نہ ہو غنیم کا مقابلہ کرنا ٹھیک نہیں نتیجہ ظاہر تھا افغانی فوج ہندو راجپوتوں پر آ پڑی اور وہ سب مارے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت پانچ ہزار راجپوت لڑنے کیلئے مہورت دیکھتے تھے اور اتنے ہی

فتح مند لشکر بہ تزک و شان لوٹا۔ اور دہلی میں اس کا نہایت رونق سے استقبال کیا گیا۔ جشن منائے گئے۔ اور اپنی طاقت کو زیادہ مضبوط بنانے کی فکر کی جانے لگی۔ وہ تماشاگاہ جو کچھ عرصہ کے لیئے ڈراونی اور مایوس کن بن رہی تھی۔ اب پھر بھلی معلوم ہونے لگی۔ اِس طرح کے بہت سے انقلاب دیکھتے ہوئے تیمور کے جور وظلم کا سین ہمارے سامنے آ پڑتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دہلی کی فصیل کے باہر ایک لاکھ بے گناہ قیدی قتل کیئے جا رہے ہیں محض اس لیئے کہ ان کی نگہداشت دشوار ہے۔ یہ لوگ کون ہیں۔ اِن کی صورتیں کچھ ہم سے ملتی ہیں۔ اور اِس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمارے ہی بھائی بند ہیں۔ اِنہیں اس بیرحمی سے قتل ہوتا دیکھکر خون جوش مارتا ہے۔ اور بادشاہ دہلی ہمت کر کے مقابلہ کے لیئے نکلتا ہے۔ مگر اِس حیوانی طریق نے اِس قدر حوصلے پست کیئے ہیں۔ کہ مقابلہ دشوار ہے۔ تیمور کے بے انتہا لشکر کی آگ میں بادشاہی لشکر جلد خاک ہو جاتا۔ اور تیموری لشکر قتل عام اور لوٹ مار شروع کر دیتا ہے۔ خون کی ندیاں بہ نکلتی ہیں۔ آبادیوں کی جگہ لاشیں اور مکانات کی جگہ آگ جلتی دکھائی دیتی ہے۔ بوڑھے۔ بچے۔ زن و مرد اِس بیرحمی سے قتل کیئے جاتے ہیں۔ گویا اِن کی نسل نابود کرنا مقصود ہے۔ جب لوٹ کے لیئے کچھ نہیں رہتا۔ اور تلواریں قتل کرتے کرتے کُند ہو جاتی ہیں۔ تو تیمور لوٹ جاتا ہے۔ اے ہندوستان آہ دہلی تو کتنی مرتبہ اس طرح ویران کیا گیا۔ تجھ میں کتنے بے گناہ دفن ہیں۔ مگر آج ہم تجھے پھر سرسبز پاتے ہیں۔ تجھے اب بھی زرخیز خیال کیا جاتا ہے۔ تجھ میں ایسی کونسی خوبی ہے جو تجھے برباد نہیں ہونے دیتی۔ اِس خوفناک سین کے دیکھنے کے بعد کئی اور سین ہماری نظر سے گذرتے ہیں۔ جن میں کبھی تو خوشی سے منہ پر رونق آ جاتی ہے۔ اور کبھی مایوسی دنیادی جاہ و جلال اِس قدر بے پایاں دکھا کر مایوس کر دیتی ہے۔ اِس کشاکش سے گذر کر ہم ایک سین دیکھتے ہیں جہاں

اکبر بادشاہ تخت دہلی پر رونق افروز دکھائی دیتے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کا ورق عرصہ ہوا پلٹ چکا ہے۔ اور ڈراپ سین کے بعد اب تماشے کا دوسرا باب ہمارے سامنے ہے ؁

ہندو مسلمان سب خوشحال دکھائی دیتے ہیں۔ شادیاں رچائی جا رہی ہیں۔ مندروں میں اللہ اکبر کے متوالے سر جھکاتے ہیں۔ چدوار ہیں۔ ناقوس کی صدا گونج رہی ہے۔ اکبر کی صلح کل پالیسی کا پرچار گھر گھر ہے۔ بعض لوگ اس بنا پر ناراض ہیں۔ کہ اکبر نے ہندوؤں کے بڑے بڑے گھرانوں میں شادیاں کیں۔ جس سے اِن کی مذہبی آن میں فرق آیا۔ اور اسی لئے راجپوتوں سے لڑائیاں بھی ہوئیں۔ وہ راجپوت جو میدانِ جنگ میں آئے۔ بقول شخصے ؎

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشت من
آں منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

لڑ لڑ کر مرگئے۔ رانا پرتاب نے جیتے جی دنیاوی عیش و آرام اپنے پر حرام سمجھا۔ اور جب تک جیا مذہبی حمایت میں لڑتا رہا۔ رانا اودے پور اسی خاندان میں سے ہیں۔ اور یہی ایک خاندان ہے جو مسلمانوں کی اطاعت قبول نہ کرنیکا فخر کرسکتا ہے۔ یہ ایک اعتراض ہے۔ جو اکبر کے کیرکٹر پر مذہبی عقاید کے رو سے کیا جاتا ہے۔ ورنہ اکبر کا زمانہ امن اور آسودگی کا زمانہ تھا۔ اور رعایا ہر طرح خوشحال تھی۔ اکبر کی فتوحات کا راز رعایا کی خوشنودی تھی۔ اور یہاں ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔ کہ جس بادشاہ کی رعایا خوش ہو۔ اس کا دور سلطنت ہمیشہ باامن ہوتا ہے۔ رعایا کی ناراضگی سلطنت کو بیخ کن ہے۔ ع

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

اکبر نے مفتوح دشمنوں سے جو سلوک کئے۔ وہ زمانہ میں مثال کے طور پر

یاد کئے جائینگے۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ دشمن دشمنی کو بھول کر اکبر کے سب سے بڑے معادن اور سلطنت کی سب سے بڑی طاقت بن گئے۔ تاریخی ڈرامے کے دوسرے باب کا پہلا سین ایک خوش منظر تھا۔ اور تیموری جور د ظلم سے آپکے پژمردہ ہوئے دلوں کو بشاش بنانے کے لئے کافی ہے۔ امن امان کے زمانہ میں عالموں کو بھی اپنا جوہر دکھانے کا موقعہ ملتا ہے۔ دربار اکبری کے رتن ہندوستان کے وہ باکمال تھے جن کا نام ابتک ہر ایک پڑھے لکھے کی زبان پر ہے۔ راجہ ٹوڈرمل صیغہ مال کا نامور حاکم زمانہ کی مثال ہے۔ ابوالفضل کے احسانات فارسی زبان پر اسقدر ہیں۔ کہ جبتک یہ زبان زندہ ہے کبھی فراموش نہ ہونگے اگر دربار اکبری کی صحیح تاریخ کہیں ملسکتی ہے۔ تو وہ تاریخ ابوالفضل ہے۔ اگرچہ اس میں اکبر کی حد سے زیادہ تعریف کیگئی ہے۔ امن سب سے بڑی برکت اور خدا کی رحمت ہے۔ کیونکہ اس میں ہی دنیا کی کچھ بھلائی ہے۔ ان باکمال حضرات کی زیارت کے بعد جہانگیر کے دربار کا سین ہمارے سامنے کھلتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ دربار اکبری کا سا نقشہ ہے۔ نورجہاں ملکہ بیگم بنی بیٹھی ہیں۔ اور ہر بات میں بادشاہ کی رہنمائی کر رہی ہیں۔ اس ڈرامے میں نورجہاں کی صورت دیکھتے ہی انقلاب زمانہ کا نقشہ ہماری نظروں میں پھرجاتا ہے۔ اور اس کے ویران مقبرہ کی تصویر آنکھوں میں سماکر طول کر دیتی ہے۔ ہماری نظر چونکہ انقلاب دیکھنے کی عادی ہو چکی ہے۔ اسلئے کسی نئے دور کی جستجو میں ہے۔ دیکھتے دیکھتے پردا اٹھتا ہے۔ اور شاہجہان تخت طاؤس پر رونق افروز دکھائی دیتے ہیں عمارات کا تذکرہ دربار کی مقبول بات ہے۔ اور اس لئے زیادہ تر یہی

سنائی دیتا ہے۔ عمارات کے نقشے پیش ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ خوش ہوکر انعام دیتے اور خود تجاویز پیش کرتے ہیں ؎

جہاں میں جہاں تک جگہ پایئے
عمارت بناتے چلے جایئے

ملکہ بیگم ممتاز محل کو بھی اس مشغلہ سے دلچسپی ہے۔ ان خوش گپیوں میں سین بدلتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بادشاہ کی چاہتی بیگم بستر علالت پر ہیں۔ شاہجہان پاس بیٹھے ہیں۔ ہاتھ میں نبض ہے۔ دل کی بیقراری کا کچھ وہی اندازہ کر سکتے ہیں۔ جنہیں خدانخواستہ یہ صدمہ پہنچا ہے۔ اطباکا تانتا بندھ رہا ہے۔ مگر ایک دوا کارگر نہیں ہوتی۔ عین مایوسی کے عالم میں ایک کمزور آواز سنائی دیتی ہے۔ جسے بادشاہ جُھک کر غور سے سنتے ہیں۔ یہ آواز اگرچہ کمزور ہے۔ مگر اتنی بلند ہے۔ کہ ہمارے کان اسے سن سکتے ہیں۔

ملکہ۔ تو اب اجازت دو۔ رخصت۔ میری حاضری کا حکم آگیا۔

شاہجہان۔ ہیں یہ کیا کہا۔ ہوش میں آؤ۔ ایسی باتوں سے میرا جی گھبراتا ہے۔

ملکہ۔ اس کے حکم میں تاخیر کی گنجائش نہیں اچھا بہشت میں پھر ملینگے میری دو باتیں یاد رکھنا۔

شاہجہان (آبدیدہ ہوکر) اُف کیسی باتیں کرتی ہو۔ ہاں کونسی باتیں۔

ملکہ۔ میرے مرنے کے بعد شادی نہ کرنا۔ اور میرے مزار پر ایک ایسی عمارت بنوانا کہ یادگار رہے۔

یہ الفاظ بادشاہ کے دل پر کیا اثر کر رہے ہونگے۔ ذرا سینہ پر ہاتھ

رکھکر دیکھتے ۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔ زبان بند تھی ۔ ہاتھ میں نبض تھی ۔ یکایک بادشاہ نے چیخ ماری اور بے ہوش ہوکر فرش پر گر پڑے ۔ پاس والے دوڑے ۔ ملکہ ممتاز محل کی روح قفس تن سے پرواز کرچکی تھی محل بھر میں کہرام مچ گیا ۔ بادشاہ کو اٹھا کر پلنگ پر لٹایا ۔ لخلخہ سنگھایا ۔ ہوش آنے پر دو فقرے بادشاہ کی زبان سے بار بار نکلتے تھے " میرے بعد شادی نہ کرنا ۔ ایسی عمارت بنانا کہ دنیا میں یادگار رہے " اگر خدا دنیاوی صدمات کا اثر کمزور نہ بناتا ۔ تو دنیا بہت جلد ویران ہوجاتی ۔ رفتہ رفتہ دل بہلا اور مقبرے کی تیاری شروع ہوئی ۔ پردہ پھٹتا ہے ۔ اور ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ جمنا کی لہروں کے پار روضہ ممتاز محل کی سفید عمارت ہمارے سامنے ہے ۔ دریا میں اسکا عکس پڑتا ہے ۔ چاندنی جب اسپر پڑتی ہے ۔ تو ماند ہوجاتی ہے ۔ جب تک دنیا قائم ہے ۔ یہ عمارت استعجاب اور شوق کی نظروں سے دیکھی جائیگی ۔ بادشاہ نے اپنی چہیتی بیوی کی آرزو کو نہایت خوبی سے نبھایا ۔ اور شادی بھی نہ کی ۔

اس سین کے بعد ایک اور دلچسپ سین پیش نظر ہوتا ہے جسمیں کچھ گورے چھٹے آدمی قلعہ بناتے دکھائی دیتے ہیں ۔ سیاہ فام مزدوروں میں ان کی گوری گوری صورتیں نہایت بھلی معلوم ہوتی ہیں ۔ یہ لوگ مزدوروں سے خندہ پیشانی پیش آتے ہیں ۔ اور ان سے نہایت مہربانی کا سلوک کرتے ہیں ۔ مزدوری بھی زیادہ دیتے ہیں ۔ اسلئے مزدور خوشی خوشی آتے اور محنت سے کام کرتے ہیں ۔ یہ سیاہ فام لوگ مدراسی معلوم ہوتے ہیں ۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدراس کی سیر کر رہے ہیں ۔ مزدور انہیں فرنگی کہتے ہیں ۔ چونکہ یہ صورتیں ہمارے لئے بالکل نئی ہیں ۔ اس لئے ہم ان

کی حرکات کو نہایت شوق سے دیکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی صورتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے معاملہ فہم کفایت شعار اور مطلب کے پورے ہیں۔ ان کی بولی اگرچہ سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر اتنا معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ قلعہ سینٹ جورج ہے۔ جو انہوں نے اپنی تجارت کی حفاظت کے لئے تعمیر کیا ہے۔

اس دلچسپ سین کے بعد پردہ اٹھتا ہے۔ اور ہم شاہجہان کو بستر علالت پر پاتے ہیں۔ اس کے پاس کون لوگ ہیں۔ ذرا پہچانئے۔ چاروں بیٹے تو نہیں؟ ان کا یہاں کیا کام۔ پردے کے دونوں طرف دیکھئے۔ کیا اشارے ہو رہے ہیں "خدا کرے اسکا جلد دم نکلے۔ جو ہم بھی سلطنت کا لطف اٹھائیں"۔ یہ ناخلف بیٹے اپنے باپ کی یوں خیر مناتے ہیں۔ کیا ان سے امید کیجا سکتی ہے کہ یہ امن کی سلطنت کرینگے۔ اورنگ زیب سب میں چالاک معلوم ہوتا ہے۔ امیروں وزیروں سے مکر دارا اور مراد پہ ہاتھ صاف کرتا ہے شجاع بچارا خوف کے مارے بیوی بچوں کو لے آسام بھاگ نکلتا ہے جب اورنگ زیب اسطرح سب پر غالب آتا ہے۔ تو بوڑھے باپ کو بیماری کی حالت میں قید کر کے خود تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ دنیا کے انقلاب نرالے ہیں آپنے دیکھا کہ بابر نے اپنے بیٹے پر جان قربان کی۔ ہمایوں نے اپنے جان کے دشمن بھائیوں کی خطائیں کئی بار بخشیں۔ اورنگ زیب نے باپ کو قید کیا اور بھائیوں کو قتل کرایا۔ یہاں پہنچکر ڈرامے کا دوسرا باب تمام ہو کر تیسرے کا آغاز ہوتا ہے۔

اورنگ زیب کا دربار افسردہ دلوں کی انجمن ہے۔ ہر ایک ہر وقت اپنی جان کی خیر مناتا ہے۔ اگرچہ سوم سلوہمت کا نہایت عقیدتمندی سے عامل ہے۔ مگر اسکا حقیقیانہ سلوک جو اس نے اپنے باپ اور بھائیوں سے کیا تھے

جس سے اسکی تمام مذہبی عقیدتمندی خاک میں ملجاتی ہے - جو فرمان دربار سے نافذ ہوتے ہیں ان میں زیادہ تر بھائی بھتیجوں کے قتل کے احکام ہوتے ہیں - اور اس سے امرا کے دل زیادہ خوف زدہ ہوئے جاتے ہیں - کیونکہ جو شخص اپنے بھائی بھتیجوں کو بے قصور قتل کراتا ہے - وہ دوسرے کی جان کی کیا پرواہ کرسکتا ہے - اسکا خیال تھا کہ جب تک یہ لوگ زندہ ہیں - انتقام کا خوف ہے - باپ اگرچہ قیدخانہ کی چار دیواری میں تھا - مگر ڈرتا تھا - کہیں نمک حلال راجپوت اسے تخت پر نہ بٹھادیں - دو برس کے بعد خبر پہنچی کہ والد بزرگوار نے قیدخانہ میں سسک سسک کے جان دی - اسوقت تک بھائی بھتیجوں کا مطلع بھی صاف ہوچکا تھا - اب کسیقدر اطمینان ہُوا - اور سلطنت کیطرف توجہ کی - ہندوؤں کی دل آزاری کے جسقدر وسائل دماغ میں آئے سب عمل میں لائے گئے - اور مظالم کا سلسلہ جو کچھ عرصے کے لیے بند ہُوا تھا - پھر شروع ہوگیا - اورنگ زیب کے تشدد کی کہانی ایک طویل فسانہ ہے - اور یہ باتیں کچھ اسقدر عام ہیں - کہ انہیں پیش نظر کرنیکی ضرورت معلوم نہیں ہوتی - سیواجی مرہٹے سے لڑائیاں ہوئیں جن میں سیواجی ہمیشہ اپنی حکمت عملی سے بچ نکلتا رہا - اور اورنگ زیب کو باوجود سخت تردّد کے اسے مغلوب کرنے میں کامیابی نہ ہوئی - بہت سے ہندو بزور شمشیر مسلمان ہوئے - جو اپنے مذہب کے پابند رہے انہیں تلوار کی گھاٹ اُترنا پڑا - باب اول میں جو مظالم آپ کی نظر سے گذرے ان سے آپکی نظریں اس گردش کی کچھ اسقدر عادی ہو رہی ہیں - کہ انکا غیر معمولی اثر نہیں ہوتا بقول شخصے ؏

رنج سہتے سہتے یہ پتھر کلیجہ ہوگیا

ازل سے یہ دستور چلا آیا ہے کہ جب زمانہ میں مظالم حد سے بڑھ جاتے ہیں - اور نظام عالم درہم برہم ہونے لگتا ہے - تو کوئی ولی اللہ اس بے قاعدگی کو دور کرنے اور خلق اللہ کو مصائب سے نجات دلانے کے لیے پیدا ہوجاتے ہیں - اسوقت جبکہ اورنگ زیبی تشدد کی آگ بھڑک رہی تھی - باوا گورو نانک جی کا اُپدیش شروع ہوا - اور ہندوؤں کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچالیا - یہ وہ گرنتھ ہے - اور آپ کو گورو نانک کی واجب التعظیم صورت دکھائی دیتی ہے - جو اُپدیش یہ اپنے چیلوں کو کر رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ ان کا عقیدہ صلح کل ہے - اسکا پرچار یہ ان لوگوں میں کرتے ہیں جو ان کی انجمن میں آتے ہیں - اس زمانہ میں صلح کل پرچار کی سخت ضرورت ہے - اور اگر اورنگ زیب چاہے تو ان کی مدد سے اپنی سلطنت کی بنیاد زیادہ مستحکم کرسکتا ہے - مگر ایسا کرتا اس سے

سیکھ ہی نہیں۔ وہ اس مذہبی پرہیزگار فرقہ پر بھی ظلم کرنے سے باز نہ رہا۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں سکھ قتل کروا دیئے۔ اس تشدد کا فوری نتیجہ تھا۔ کہ یہ لوگ اپنی جان کی حفاظت کی فکر کرتے چنانچہ اب یہ ایک جنگی فرقہ بن گیا۔ مگر چونکہ تعداد میں بہت کم تھے اسلئے اورنگ زیب نے شکست دی۔ اور یہ لوگ بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے سین بدلتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اورنگ زیب بستر علالت پر پڑا ہے۔ کوئی شخص پاس آنا نہیں چاہتا۔ بیٹے ایک طرف بیزار ہیں۔ امرا اسقدر خوف زدہ ہیں۔ کہ اسکی نجات کی دعا کر رہے ہیں۔ رعایا نفرت کرتی ہے۔ اور اسکی موت کے لیئے دعا کرتی ہے۔ اس کس مپرسی کے عالم میں وہ اورنگ زیب جسکے مظالم سے دنیا کانپتی تھی دنیا سے کوچ کرتا ہے۔

آپ کو تجربہ ہوچکا ہے۔ کہ جس بادشاہ کی رعایا خوش نہیں۔ وہ کبھی دیر تک حکومت کرنیکا دعوٰے نہیں کرسکتا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ میں زوال آنا شروع ہوگیا۔ اور نادر شاہی لوٹ تک کوئی قابل توجہ سین ہماری نظر سے نہیں گزرتا۔

یہاں پہنچکر تیسرے باب کا خاتمہ اور چوتھے باب کا آغاز ہوتا ہے ڈراپ سین اٹھتا ہے۔ اور نادر شاہ کی دیو کی سی صورت دکھائی دیتی ہے۔ آنکھیں خون کبوتر کیطرح سُرخ قد بے حد لمبا اور رنگ سیاہ۔ ہندوؤں کے زمانہ میں ایسی صورت کے راکھش ہوتے تھے۔ دہلی کی فصیل کے باہر اس دیو کی آمد سے دل کانپ رہے ہیں۔ اور تیموری قتل عام کا نقشہ آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ کم نصیب دہلی اب پھر برباد ہونے کو ہے پردہ پھٹتا ہے۔ اور قتل عام ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ بے گناہ جوان۔ بوڑھے بچے قتل کیئے جارہے ہیں۔ مکانات میں آگ لگائی جاتی ہے۔ بازار میں خون کی ندیاں بہ رہی ہیں۔ نادرشاہی لشکر لوٹ کا مال سمیٹ رہا ہے۔ رعایا کو اسطرح بیرحمی سے قتل ہوتا دیکھکر محمد شاہ شاہ دہلی نادر شاہ کے قدموں میں گر پڑتا ہے۔ اور رحم چاہتا ہے۔ اس قدر قتل کے بعد نادر شاہ کی آنکھوں کا خون اترتا ہے۔ اور قتل عام روک دیا جاتا ہے۔ اور نادر شاہ لوٹ کا مال لیکر لوٹ جاتا ہے۔

پردہ گرتا ہے۔ اور وہی فرنگی سوداگر جن کی کوٹھیاں ہم نے مدراس میں دیکھیں تھیں۔ شاہی جاہ جلال میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ یہ لوگ اب سلطنت میں عمل دخل حاصل کرچکے ہیں۔ اور چونکہ ان کا سلوک نہایت مہربانی کا ہے۔ اس لیئے

مظلوم رعایا ان سے مانوس ہوتی جاتی ہے۔ اور دعا کرتی ہے [illegible]
جائیں۔ یہ سوداگر فرقہ رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے۔ اور ہندوستان [illegible]
پر قابض ہوجاتا ہے۔ حاضرین کے دل خوشی سے باغ باغ ہو [illegible]
دل میں یقین ہوتا جاتا ہے۔ کہ امن و تہذیب کا زمانہ آلیا۔ مظلوم [illegible]
اس غیر قوم سے ہوجاتی ہے۔ تماشے کے اس درجہ پر پہنچکر مصائب [illegible]
دل سے مٹ جاتی ہے۔ یکایک سین پلٹتا ہے۔ اور پھر وہی [illegible]
دکھائی دیتا ہے۔ غدر۔ غدر۔ اف قیامت کا نقشہ پھر دہی [illegible]
کی ندیاں۔ تلوار کی چمک۔ مال و دولت کی لوٹ۔ مکانات [illegible]
یہ فساد کے بانی کون لوگ ہیں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا۔ گوروں کا [illegible]
ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے۔ عورتیں بچے گھروں میں [illegible]
بچوں کو کنؤں میں پھینکا جاتا ہے کہ کہیں ان کے رونے کی آواز [illegible]
میں نہ پہنچ جائے۔ اور ان پر آفت آئے۔ اپنی اپنی جان کی پڑی ہے۔ اس [illegible]
کو دیکھکر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا [illegible]
سین گرتا ہے۔ اور جان میں جان آتی ہے۔

امن امن دل خوش کن امن دربار ہوتا ہے۔ گورے کالے سب ہی جمع [illegible]
ہیں۔ جاں نثاروں کو انعام دئے جاتے ہیں اور ملکہ وکٹوریہ مرحومہ کا [illegible]
پڑھکر سنایا جاتا ہے۔ بس اسکے وعدوں پر ہم آجتک جھگڑ رہے ہیں۔ [illegible]
آہستہ آہستہ گرتا ہے۔ اور باجے سے خوشی کی سُریں نکلتی ہیں۔

تاریخ کا یہ جزو انقلاب ڈراما دیکھیں آپکے دل پر کیا اثر ہوا۔ اس [illegible]
آپ بہت سے مفید نتائج نکال سکیں گے۔ کیا آپ اونگ زیب [illegible]
ہوکر مسلمانوں کے دشمن بننا پسند کرینگے۔ ہرگز نہیں۔ اگر آپ [illegible]
خوشی کی زندگی نہیں گذار سکتے۔ ہمیں برائیوں کو [illegible] اور [illegible]
انگریزی راج کی برکتوں میں اگر ہم کبھی بڑبڑاتے ہیں۔ [illegible]
ہم سے کئے گئے۔ ابھی تک پوری طرح سے ایفا نہیں ہوا [illegible]
سلوک کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اسکا مطلق خیال نہیں کیا [illegible]
میں ہمیں اپنے مصائب کا زمانہ نہ بھول جانا چاہئے۔ انگریز [illegible]
جو ہمیں دی گئی ہے۔ اسکا ناجائز استعمال ہماری [illegible]

کبھی ہم حرف شکایت زبان پر لاتے ہیں۔ تو ہمیں ان مصیبتوں کا خیال کرنا چاہیئے۔ جن کی تصویر آپ نے آج کے ڈرامے میں دیکھی ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے ایک بات آپ کی حمایت کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب مصائب کا سامنا ہوا وہ جہالت کا زمانہ تھا۔ اب تہذیب کی پکار ہے دنیا کی ساری قومیں تہذیب کی دوڑ میں مصروف ہیں۔ ہم پر سلطنت کرنے والی قوم تہذیب میں کسی سے کم نہیں۔ اور مہذب قوم کہلاتے ہوئے۔ مہربانی کے سلوک کا وعدہ کرتے ہوئے۔ آزادی کی خواہش ہم میں پھونک کر ہم سے سختی کا برتاؤ کرنا کہاں تک درست ہے۔ اگر ہماری شکائتیں نہیں سُنی جاتیں۔ اور جو وعدے ہم سے کئے گئے ہیں۔ وہ صرف دکھاوا ہیں۔ تو ہمیں صاف الفاظ میں بتلا دینا چاہئے۔ تاکہ ہم اس کو ہی غنیمت سمجھیں۔ اور وعدوں کی یاد نہ دلائیں۔ اس صورت میں ہماری ساری شکائتیں درست ہیں۔ ہم تہذیب کی طاقت پر شکایت کی جرات کرتے ہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ شکایت کا طریقہ بھی مہذب ہونا چاہیئے۔ اگر ایسا کرتے ہوئے بھی ہم پر مصیبتیں آئیں۔ تو ہمیں بخندہ پیشانی انہیں برداشت کرنا چاہئے۔ کیونکہ انکا انجام یقیناً اچھا ہوگا۔

تضمین بر شعر حضرت ذوق

اپنی تو انتظار میں گذری تمام شب ہر دم رہا خیال کہ آتے ہی ہونگے آپ
لیکن وہاں تو دیکھو کہ ٹوٹا ہے کیا غضب! یاد آ یا یاں کے آپکا وعدہ انہیں تو کب
جب رات کو وہ پاؤں میں مہندی لگا چکے

(جہانگیر)

تضمین بر شعر مرزا غالب

اب کے لڑکے بھی عجب ہیں نابلد پوچھو کیا کرتے تھے انکے اب وجد
سوچ تو لے آدمی کچھ نیک و بد چاہتے ہیں خوبروں کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے!

جہانگیر



Late Raja Ravivarma.

C. S. P.



M. G. Ranade.

C. S. P.

آزاد

غریب الوطن

از منشی تلوک چند محروم

وطن کی یاد میں ہوں بے قرار غربت میں
کوئی رفیق نہ مونس نہ یار غربت میں
قدم کو چومنے آتے ہیں خار غربت میں
بغیر اس کے نہیں کچھ وقار غربت میں
جگر کے داغ ہوئے لالہ زار غربت میں
یہی ہے جوشش فصلِ بہار غربت میں
دیارِ غیر کو پنجاب ہم بنا دیں گے
ہوئے ہیں دیدۂ تر اشکبار غربت میں
جو دن پہاڑ سا ہے رات اس سے بھاری ہے
کٹیں تو کس طرح لیل و نہار غربت میں
جگر سے ہوک اُٹھی - آہ چمکہ یاد آیا

عروس صبح وطن کا نکھار غربت میں
کسی کا سرمۂ دنبالہ دار دیکھ کے ہم
ہیں کھاتے قلب و جگر پر کٹار غربت میں
ہے یاد آتی وہ شبنم وطن کے باغوں کی
غریب روتے ہیں زار و قطار غربت میں
بندھی ہے رشتۂ یادِ وطن میں لے ہمدم
کہاں نکلتی ہے جانِ نزار غربت میں
نسیم صبح اُٹھا کر وطن کو لے جانا
خراب ہو نہ ہمارا غبار غربت میں
وطن کا یار کبھی کوئی شاذ آ نکلے
ہیں کب سے بیٹھے سرِ رہگذار غربت میں
کہاں وہ بزم رفیقاں! وہ محفلِ یاراں
حواس کو بھی ہوا انتشار غربت میں
جو تیغ حُبِ وطن سے وطن میں کھائے تھے
ہوئے ہیں زخم وہی آشکار غربت میں
وطن تجھے بھی ہمارا ہے درد سچ کہنا
ہیں تیرے غم میں تو ہم سوگوار غربت میں
ق نسیم! کون کرے اپنی قاصدی تجھ بن
ہے صبح و شام ترا انتظار غربت میں
پیامِ مرگ ہمارا وطن میں دے دینا
نہیں ہے زیست کا کچھ اعتبار غربت میں

ق زمیں یہ دیتی نہیں قبر ورنہ اشاعرؔ کون ؟
ستم ترے فلکِ بد شعار غربت میں
ہیں دُور چشمِ غریباں سے اور سُرمہ صفت
کیا ہے پیس کے ہم کو غبارِ غربت میں
ق عجب نہیں کہ تری بارگاہ میں ہو قبول
دعا مری ہے یہ پروردگار غربت میں
مری طرح نہ غریب الوطن ہو اور کوئی
پڑے نہ اور کوئی دلفگار غربت میں
مرے نہ کوئی ستمکش وطن سے دور کہیں
بنے کبھی نہ کسی کا مزار غربت میں

تلوک چند محروم

رسم و راہِ رازدانی اور ہے — گفتگوئے بے زبانی اور ہے
بعد کشمکش بدگمانی اور ہے — کیا ابھی تک سرگرانی اور ہے
وصل سے ہوتی نہیں تسکین دل — کچھ نشاطِ کامرانی اور ہے
عاشقی اور آزردئے التفات — شیوۂ آداب دانی اور ہے
نامہ کہتا ہے اگر کچھ سے کچھ — ہم سے اقرارِ زبانی اور ہے
التفاتِ عام ہے کچھ اور شے — اور الطافِ نہانی اور ہے
ہائے لطفِ تلخ کامی ہائے شوق — لذتِ نامہربانی اور ہے
رنجشیں دل میں نظر میں کاوشیں — اور تسکینِ زبانی اور ہے
طے ہوئے جھگڑے شبِ غم کی طرح — اِک مہم سخت جانی اور ہے

کوہِ نور

از بھائی پرمانند ایم اے مقیم انگلستان

ہمارے محترم دوست بھائی پرمانند جی ان دنوں آزادی کی سرزمین میں ہیں۔ اور ہماری درخواست پر آزاد کی قلمی سرپرستی منظور فرمائی ہے کوہِ نور کے تواریخی حالات کا ایک دلچسپ حصہ آزاد میں درج ہونے کے لئے عنایت فرماتے ہیں۔ جو شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ ہمارے دوست چاہتے ہیں۔ کہ ان حالات کو نظم میں قلمبند کیا جائے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جو صاحب اس پر سب سے اچھی نظم لکھیں گے انہیں مبلغ ... انعام دیا جائیگا۔ یہ نظمیں جس قدر جلد ہو سکے۔ ہمارے پاس پہنچ جانی چاہئیں۔ فیصلہ ایک انجمن شعراء کرے گی۔ جس میں منتخب شاعر شامل ہیں۔ جو نظم انعام کی مستحق خیال کی جائیگی۔ وہ درج آزاد ہوگی۔ اگر ایک سے زیادہ نظمیں انعام کی مستحق سمجھی گئیں۔ تو انعام تقسیم کر دیا جائیگا +

ایڈیٹر

ہندوستان کی تاریخ کا عطر اس گوہرِ نایاب میں مجسم ہے۔ کوئی اور ایک ایسی چیز نہیں۔ جس کے ساتھ ہندوستان کی تاریخ وابستہ ہو۔ صرف یہی گوہر جس کے نام اور ماہیت سے ہم میں سے بہت سے واقف بھی نہ ہونگے۔ ہندوستان کی شہنشاہیت کا نشان (Symbol) کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسی کا مختصر سا ذکر کیا جاوے +

کوہِ نور قدامت کے لحاظ سے اتنی ہی دور جاتا ہے۔ جہاں تک کہ ہندوستان کی تاریخ ہمیں لے جاتی ہے۔ اس سے اس کے آغاز کا بھی ہندوستان

کی تاریخ کے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس کا پہلا مالک راجہ کرن بتلایا جاتا ہے۔ اسکے بعد (مہاراجہ یدھشٹر) پانڈون کے تاج میں یہ ہیرا چمکتا تھا۔ بعد ازاں جو راجہ مہاراجہ ادھیراج کا استحقاق رکھتا تھا۔ اس کے تاج کو اس نے آراستہ کیا۔

مسیح سے پانچویں صدی پہلے بدھ مذہب کا آغاز ہؤا۔ تین سو سال تک بدھ مذہب نے یہاں تک ترقی کی۔ کہ شہنشاہ اشوک کے زمانہ میں بدھ دھرم ہندوستان کا راجیہ دھرم ہوگیا۔ کابل۔ قندھار تک اشوک کی سلطنت پھیلی۔ اُس زمانہ میں کوہ نور مہاراجہ اشوک کے ماتھے پر چمکا تھوڑی دیر بعد ہی بدھ مذہب کا زوال شروع ہوگیا۔ اور از سر نو ہندو دھرم کا راج قایم کرنے والا مہاراجہ بکرماجیت تھا۔ گو یورپین عیسائیوں کا خیال ہے کہ مہاراجہ بکرماجیت پانچویں صدی عیسوی میں ہؤا ہے۔ جس نے کہ ساکوں دریوں کو ملتان کے قریب کروڑ کے میدان پر بڑی بھاری شکست دی۔ لیکن بکرم سمت سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسیح سے ۵۶ سال پہلے ہندوستان کا راجیہ دھرم ہندو ہوگیا تھا۔ اور اس کا قایم کرنے والا مہاراجہ بکرماجیت تھا اغلب ہے۔ کہ پانچویں صدی میں اُس خاندان اور نام کا ایک اور بکرماجیت ہؤا ہوگا +

یہ کوہ نور اُس وقت بکرم کے تاج میں آیا۔ اور بعد ازاں راجپوتوں کے سروں پر ہی رہا۔ اور عرصہ کے بعد جب اوجین کے راجپوتوں کی جگہ دہلی کے رانہ مہاراجہ ادھیراج ہوگئے۔ تو کوہ نور پھر اپنے پُرانے استھان دہلی میں آیا +

آٹھ سو سال کی جد و جہد کے بعد ہندو دھرم نے گویا نئی شکل میں بدھ دھرم پر فتح پائی۔ اور شنکر اچاریہ اور کمارل بھٹ کے وقت وہ بدھ دھرم ہوگیا دوسرے ملک ل

میں اس قدر پھیلا۔ اپنی جائے پیدائش سے بالکل اُٹھ گیا +

اس جدوجہد کے بعد ہندو ازم ایسی تھک چکی تھی۔ کہ بالکل گر گئی۔ اور نہایت ہی خستہ حالت میں ہو گئی۔ ابھی دو سو سال اور نہیں گزرے۔ کہ ہندو راج کو مسلمانی مذہب کی تازہ لہر سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ ہندوؤں نے ان بیرونی حملوں سے کس قدر تکلیفیں اُٹھائیں لیکن اس میں حملہ آوروں کا اتنا قصور نہیں تھا۔ جتنا کہ ہندوؤں کا۔ یہ اتنے گر گئے تھے۔ کہ انہیں غیر ملک کے حملہ آوروں کو روکنے کے لئے ایک متفقہ کوشش کرنیکا خیال بھی نہ ہوا۔ باوجود اس سب گراوٹ کے اتنا یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ مسلمانی لہر جس کے سامنے فارس کے لوگ دم نہ مار سکے۔ اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ افغانستان کے بہادروں نے جنہوں نے کہ بدھ مذہب اختیار کیا۔ سر تسلیم خم کیا +

جس کے سامنے افریقہ کی قومیں بالکل دب گئیں۔ یوروپ کی قومیں بڑی معرض خطر میں تھیں۔ اور سپین صدیوں تک اس کے نیچے رہا۔ آسٹریا وغیرہ صدیوں تک اپنے بچاؤ کے لئے لڑتے رہے۔ ہندوستان کے لوگ بھی صدیوں تک صدمے سہتے رہے +

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس طرح ہندوستان کے اندر انقلاب کے اوپر انقلاب آتا رہا۔ اسی طرح کوہ نور کی قسمت بھی تبدیل ہوتی رہی +

دہلی کے آخری راجپوت مہاراجہ پرتھوی راج کے سر سے اُٹھ کر کبھی غلاموں کے سر پر۔ کبھی تغلق کے تاج میں اور آخیر میں لودھیوں کے تاج پر تھا کہ راجپوت مہاراجہ سانگا کے نیچے اُٹھے۔ جس طرح بکرماجیت نے سیتھ راجاؤں سے ہندوستان کی بادشاہت چھین کر کوہ نور کو اپنے قبضہ میں کیا۔ اسی طرح

رانا سانگا کا ارادہ تھا۔ کہ کوہ نور کو راجپوت کے سر پر چمکا دے۔ مگر وہ حسد اور دھوکا بازی کی مرض جس نے پرتھوی راج سے کوہ نور کو چھنوایا تھا۔ ابھی راجپوتوں سے بالکل نہیں گئی تھی۔ اور وہ راجپوت شیر سانگا جس کے بدن پر اسی سے زیادہ تلوار کے زخموں کے نشان تھے۔ اسی مرض کا شکار ہوا +

سولہویں صدی کے شروع میں جب راجپوتوں نے سر اٹھایا اور ہندوستان کی بدانتظامی کو ہٹا کر راجپوت راج قائم کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت مغل قوم کے سردار بابر نے حملہ کرکے ہندوستان میں اپنی سلطنت قایم کی۔ اور کوہ نور مغل بادشاہوں کے تاج میں چمکنے لگا۔ یہ زمانہ ہندوستان کی تاریخ کا نہایت دلچسپ ہے۔ جیسے کہ موجودہ زمانہ میں آریہ سماج اور برہمو سماج تحریکیں شروع ہوئی ہیں۔ اسی طرح ساری ہندوستان کے اندر پنجاب۔ دکن اور بنگال میں وہ مذہبی اور سوشیل ہل چل پیدا ہوئی۔ جن کا آخری نتیجہ پولیٹیکل شکل میں سکھوں اور مرہٹوں کی طاقت کا عروج ہوا۔ اس وقت گویا ہندوازم مسلمان حملہ آوروں کے ساتھ دوسری بڑی جدوجہد کرنے کے بعد اپنے آپ کو شکستہ حالت سے سنبھالنے لگا تھا۔ اور سب اطراف میں بڑے بڑے اصلاح کرنے والے پیدا ہوئے۔ کہ ایک اور طاقت سمندر کی طرف سے ہندوستان میں آموجود ہوئی یہ یوروپ کی عیسائی اقوام تھیں۔ جو کہ سوداگروں کی شکل میں ہندوستان میں آئیں +

جس طرح پر مسلمانوں نے فارس کے پارسیوں اور افغانستان وغیرہ کے بدھوں کو مسلمان کرکے ہندوستان میں اپنا دخل کیا۔ اسی طرح پر عیسائی مذہب نے بھی یونان کے پرانے مذہب متھرا ازم (متھر دیوتا کی پوجا کرنے والے) اور ٹیوٹانک اقوام (Teutonic) اور روس کے سلاوُ

(Sloman) قوم کے مذاہب پر (جن کا رشتہ ہندوازم سے ویسا ہی تھا۔ جیسا کہ پارسی اور بدھ مذہب کا) غالب آکر کئی صدیوں تک مسلمانی مذہب سے جدوجہد کی۔ اور پھر Moors لوگوں کا تعاقب کرکے ہندوستان میں آ قدم جمائے +

ہندوستان کی وہ متبرک زمین تھی۔ جس میں کہ انجام کار آکر تین بڑے مذاہب کا میل ہوا +

مغل بادشاہ گو مسلمان تھے۔ مگر اُن کی پالیسی مسلمانی پالیسی نہیں تھی۔ اکبر نے جس نے کہ حقیقت میں مغل حکومت کی بنیاد ڈالی۔ راجپوت کے معاملات میں بے تعصبانہ پالیسی اختیار کی۔ جہاں گیر کے وقت گاؤکشی ہندوستان میں بند کی۔ اول مغل بادشاہوں کے نیچے۔ جیسے ہندوازم طاقت پکڑتا گیا۔ ویسی ہی یورپ کی قومیں تجارت کے ذریعہ سے ترقی کرتی گئیں +

شاہجہان کے وقت کوہ نور تخت طاؤس کو آراستہ کرتا تھا۔ اورنگ زیب بادشاہ کے بعد جس نے کہ مغل پالیسی کو تبدیل کیا۔ مغل خاندان کا زوال شروع ہوا۔ اور سنہ ۱۷۳۹ء کے قریب ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت مرہٹہ طاقت تھی۔ اور پنجاب کے اندر سکھوں کی مثلیں بھی طاقتور ہو رہی تھیں۔ آخری دھکا جس نے کہ مغل حکومت کو تباہ کیا۔ وہ نادرشاہ کا حملہ تھا۔ نادرشاہ تخت طاؤس کو ساتھ لے گیا۔ اور کوہ نور بھی کابل میں جا چمکا۔ جب مرہٹے دہلی پر قبضہ کرکے مرہٹہ سلطنت ہندوستان میں قائم کر رہے تھے۔ اُسی وقت احمدشاہ ابدالی نادرشاہ کے جانشین نے اپنی حکومت ہندوستان میں قائم کرنے کی کوشش کی۔ احمدشاہ ابدالی کی فتح کا سارا فائدہ یورپ کی عیسائی قوموں میں سے انگریزوں کو ہوا۔ کیونکہ پچھلی صدی میں ان قوموں کے آپس میں جھگڑوں کا نتیجہ

یہ ہوا کہ باقی کی سب قومیں ہار گئیں۔ اور انگریزوں نے چونکہ یہ سب سے زیادہ بحری طاقت رکھتے تھے۔ اور فن جہازرانی میں زیادہ ماہر تھے۔ اُن کو پیچھے پچھاڑ کر اپنی پولیٹکل طاقت بنگال کے اندر قائم کر لی تھی +

اِس کے بعد مرہٹوں کو ہندوستان کی سلطنت حاصل کرنے کے لئے انگریزوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اور اِن کی مدت تک آپس میں لڑائیاں رہیں۔ جب مرہٹوں اور انگریزوں کی کشمکش جاری تھی۔ پنجاب میں ہندوستان کا وہ شیر پیدا ہؤا جس نے کوہِ نور کو واپس لیکر اپنے تاج کو منور کیا +

احمد شاہ ابدالی کے بعد اُس کی اولاد میں آپس میں فساد شروع ہوئی۔ اور کابل کی سلطنت گر گئی۔ شاہ شجاع جس کے قبضہ میں کوہِ نور تھا۔ بھاگ کر پنجاب میں آیا۔ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پناہ لی۔ تاکہ مہاراجہ کی مدد سے کابل پر قبضہ حاصل کرے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اول تو کوہِ نور شجاع سے واپس لیا۔ اور بعد ازاں شاہ شجاع سے عہدنامے کرنے شروع کئے۔ آخری عہدنامہ میں مہاراجہ کی شرائط میں سے دو شرطیں بہت عجیب ہیں۔ ایک تو یہ کہ شاہ شجاع سلطنت حاصل کرنے پر افغانستان میں گاؤکشی بند کر دی۔ اور دوسرے دو ستون سونے کے جو کہ محمود غزنوی لے گیا تھا۔ غزنی کی مسجد سے ہٹا کر واپس سومناتھ کے مندر میں پہنچائے جاویں +

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی عظمت اِس میں پائی جاتی ہے۔ کہ اِس کے وقت تک صدیوں سے افغانستان کی طرف سے حملے ہندوستان پر ہوتے رہے۔ مغل بادشاہوں کے وقت میں بھی حملہ آور آتے رہے۔ لیکن رنجیت سنگھ نے پہلی دفعہ اِن حملوں کا رُخ پلٹ دیا۔ اور پنجاب کی فوجیں افغانستان کی سلطنت پر حملہ آور ہوئیں۔ رنجیت سنگھ نے بڑی سلطنت شمالی ہند میں قائم کی۔ اور

دوسری بزرگی اُس کی یہ ہے۔کہ اُس کے ہاتھ سے کسی ایک شخص کا خون نہیں ہوا کوہِ نور رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آجانے سے اُس کا استحقاق تھا۔کہ ہندوستان کی سلطنت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ہو۔مگر ایک تو مہاراجہ کی عمر نے وفا نہ کی۔ اور دوسری ایک اور زبردست طاقت انگریز سلطنت کے شکار پر موجود تھی ❖

مہاراجہ کی موت کے بعد سکھ سلطنت میں تباہی شروع ہوئی۔مگر مہاراجہ کا جاں نثار خالصہ سلطنت کی حفاظت کے لئے موجود تھا۔انگریز مرہٹوں پر غالب آچکے تھے۔دہلی پر اُن کا قبضہ تھا۔مگر خالصہ کا اندیشہ اُن کے دلوں میں تھا۔اِس بدانتظامی سے انگریزوں نے فائدہ اُٹھانا چاہا۔اور فوجیں پنجاب کی طرف روانہ کیں۔ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ خود مہم کے ساتھ ہوئے۔فیروزشاہ اور سبراؤں کی لڑائی میں ہندوستان کی سلطنت کا فیصلہ ہونا تھا۔انگریزوں کی فوج ہار بیٹھی تھی۔اِن کا سکہ بارود ختم ہوچکا تھا۔اور افسر پکارتے تھے۔کہ آج انگریزی سلطنت کا ہندوستان میں خاتمہ ہوا۔لارڈ ہارڈنگ اور ساری فوج پکڑی جاتی۔اگر خالصہ کے سردار یہ دو شخص تیج سنگھ اور لال سنگھ نہ ہوتے ❖

سبراؤں میں کسی طرح بزرگ شام سنگھ نے شیفتہ لباس پہنکر گورو گوبند کی آتما کے لئے اپنے آپ کو بلی دان کرنیکا ارادہ کیا۔اور سب سکھوں کو خالصہ کے نام پر پکار کر کے میدان جنگ میں گھسکر جان دی۔اور کس طرح انہی دو سرداروں نے جنہوں نے کہ خالصہ کو مروانے کا ارادہ کیا تھا۔بھاگ کر پل درمیان سے توڑ دیا تاکہ باقی رہا ہوا خالصہ سب قتل ہوجاوے۔چھپا ہوا نہیں۔اِس دھوکھا بازی کی کھیل کے بعد صلحنامہ ہوا۔اور لاہور میں ایجنسی قائم ہوئی۔اور لارنس صاحب ریزیڈنٹ ہوکر آئے ❖

انگلینڈ سے حکم آیا۔ کہ کوہ نور انگلینڈ روانہ کیا جاوے۔ لارنس نے کوہ نور اپنے بہرے کے سپرد کیا۔ اور خود بھول گیا۔ اُنہیں بڑی تشویش ہوئی۔ آخرکار نوکر وہ لے آیا۔ اور کوہ نور انگلینڈ میں پہنچا۔ اور ملکہ وکٹوریہ کے تاج میں چمکنے لگا۔ اسی طرح کا ایک اور ہیرا پیٹ ا سانخ) کا دادا مدراس سے لے گیا۔ جسے فرانس کے بادشاہ نے بائیس کروڑ پونڈ سے خریدا۔ اور فرانس کے تاج کا سب سے بیش قیمت ہیرا جو اب بھی عجائب گھر میں موجود ہے +

اُسی وقت سے ہندوستان کی شہنشاہت انگلینڈ میں آئی۔ چند سال بعد یہ شہنشاہت بڑے خطرہ میں سے گزرے۔ اُس کے بعد آج پچاس سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ کہ انگلینڈ ہندوستان کی شہنشاہت کا پھل بھوگ رہا ہے۔ جب تک کوہِ نور انگلینڈ کے تاج میں چمکیگا۔ ہندوستان کی سلطنت انگلینڈ کے نصیب میں رہیگی +

یہ کوہِ نور کل ڈیڑھ انچ لمبا اور ایک انچ فراخ ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے کسی نے یہ سوال کیا۔ کہ اس کی قیمت کیا ہے۔ مہاراجہ نے جواب دیا۔ "دو جوتیاں" ہندوستان کے ساتھ اس چھوٹے سے غریب پتھر نے جسے پہاڑ کہتے ہیں۔ کیا ہی انقلاب دیکھے۔ اب موجودہ حالت کا ذکر مختصر سا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ خطرہ جس کا اوپر ذکر کیا۔ ۱۸۵۷ء کا انقلاب تھا۔ اُس وقت عیسائیوں نے کہا جاتا ہے کہ ہندو دھرم اور مسلمانی مذہب کو اندر ہی اندر برباد کرنیکی کوشش کی اسلئے دونوں ہندو و مسلمان اپنے بچاؤ کے لئے مقابلہ پر طیار ہو گئے +

یہ آگ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ساری بنگالی فوج میں پھیل گئی۔ اِن کے علاوہ وہ راجے اِس میں شامل ہوئے جن کو بادشاہت سے محروم کیا گیا تھا۔ لکھنؤ کے نواب کے وزیر علی نقی خان اور مولوی

سکندر کانپور میں نانا اور اُس کا جرنیل تانتیا ٹوپی اور رانی جھانسی اور دہلی کا شہنشاہ جس کا نام بھی سرکار انگریزی نے آیندہ سے بند کرنیکا ارادہ کرلیا تھا۔ اس تحریک کی روح رواں تھے۔ گو تحریک تو بالکل ناکامیاب ہوئی۔ مگر اُسکے کئی اثر دیرپا ہوئے ایک تو سرکار نے بعد ازاں کسی مذہب میں دخل نہیں دیا۔ دوسری موجودہ دیسی ریاستوں کی ہستی صرف اُسی کی وجہ سے ہے۔ سرکار نے جہاں پر لوگوں سے یک لخت ہتھیار لے لئے۔ وہاں ہر ایک رجمنٹ میں مختلف فرقوں کو اکٹھا بھرتی کیا تاکہ وہ پھر اُس قسم کا ایکہ نہ کرسکیں +

لیکن تاریخی طور پر اسی کا ایک اور اثر ہؤا۔ جو کہ بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اسی عرصہ میں یورپین قوموں نے جاپان میں چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی۔ اور جاپان نے کچھ انگریزوں وغیرہ کو قتل کیا تھا۔ انگلینڈ ایک طرح سے اُس جزیرہ کو مطیع کرنے کے لئے طیار ہو رہا تھا۔ ۱۸۵۷ء نے انگلینڈ میں ایشیائی مقبوضات بڑھانے کے برخلاف زبردست لہر پیدا کر دی۔ اور جاپان اُس غلامی سے بچ گیا۔ جن کو پرے پھینکنے کے لئے ہندوستانی سپاہیوں نے سر اُٹھایا تھا +

یہ عام خیال کہ سکھوں نے غدر کو رفع کرنے میں مجموعی طور پر سرکار کی امداد کی۔ غلط ہے۔ سکھ ریاستیں پٹیالہ وغیرہ نے سرکار کی امداد کی۔ مگر ان ریاستوں نے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے برخلاف بھی سرکار انگریزی کی امداد کی تھی۔ اور اُنھوں نے ۱۸۷۲ء میں کوکا بغاوت کو رفع کرنے میں بھی (جو کہ خالصہ کا راج دوبارہ قائم کرنا چاہتے تھے) امداد دی۔ پنجاب کی سرکاری فوج سرکار کے ساتھ رہی۔ جس طرح کچھ حصہ بنگالی فوج کا بھی سرکار کے ساتھ رہا +

پنجاب میں ۱۸۴۹ء میں انگریزی راج کے برخلاف دیوان مول راج گورنر ملتان کی اور سردار شیر سنگھ اٹاری والے کی بغاوت ہوئی۔ جسنے آزادی کا جنگ

کہا گیا ہے۔جب ہندوستان میں غدر ہؤا۔اسی وقت پنجاب میں گورورام سنگھ کو کا آرگینی زیشن طیار کر رہا تھا۔دس بارہ سال کے اندر اُن کی طاقت ایک لاکھ سے زیادہ ہوگئی۔اِن کی اپنی کچہریاں مقدمے فیصلہ کرنے کے لئے تھیں۔اُنکی اپنی ڈاک چلتی تھی۔۱۸۷۲ء میں گورو کی رضامندی کے برخلاف اُنہوں نے بغاوت کی۔جس کا نتیجہ یہ ہؤا۔کہ سیکڑوں آدمی توپ سے اُڑائے گئے۔اور گورورام سنگھ رنگون میں جلاوطن کئے گئے۔تھوڑے عرصہ کے بعد ہندوستان میں نئی مذہبی اصلاح شروع ہوئی۔بنگال میں برہمو سماج کا وجود ہؤا۔اور شمالی ہند میں آریہ سماج قائم ہؤا۔اِن کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں انجمنیں قائم ہونی شروع ہوئیں۔اور سنگھ سبھائیں قائم ہوئیں۔یہ سب ایک مذہبی Revival کا نتیجہ تھیں۔ساتھ ساتھ پولٹیکل ایجیٹیشن نئے طریقہ پر شروع ہوئیں اور نیشنل کانگرس کا وجود ظاہر ہؤا۔قریب پچیس سال سے ہندوستان میں یہ طاقتیں کام کر رہی ہیں۔اور ملک کے اندر ایک نیا پلٹا پیدا ہو رہا ہے +

پرمانند

میری التجاؤں کا جواب خاموشی۔ اگر آپ کی طرف سے نہ ہوتا۔تو آپ دیکھتے۔کہ آزاد میں اور کیا کیا ترقی ہوتی۔آزاد نے جو ہردلعزیزی اس قلیل عرصہ میں حاصل کی ہے۔وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔آزاد کو ہروقت دلچسپ بنانے کی جس قدر فکر مجھے ہے۔اگر اسی قدر آپ توسیع اشاعت کی فکر آپ کریں۔تو بہت جلد آزاد کا حجم ۰۰ اصفحہ ہوسکتا ہے۔اور تصاویر اور مضامین میں بھی نمایاں ترقی ہوسکتی ہے۔سات پانچ کی لاٹھی۔اور ایک جنے کا بوجھ۔آپ کی ذرا سی کوشش بہت کچھ کر سکتی ہے +

آل انڈیا مسلم لیگ

از سید محمد فاروق

جو رہے لطف تھے جب ہم نرگی کے تھے مزے
جو تمہارے تھے وہی ڈھنگ ہمارے ہوتے

قیام کانگرس سے پہلے کا حال تو یقینی طور پر ہم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اُس کے بعد سر سید نے جو طریق عمل پولٹیکل امور میں اختیار کیا تھا۔ وہ واقف کار اشخاص سے پوشیدہ نہیں۔ جس مضحکہ آمیز طریقہ پر کانگرس کی مخالفت سید صاحب مرحوم کی جانب سے ظاہر ہوئی۔ اور مسلمانوں کا وہ گروہ جو علیگڈھ کالج کے زیر اثر تھا سید کا مقلد بنا اُس کی کیفیت بھی لوگوں کو معلوم ہے۔ یہاں اُس کا اعادہ بے سود ہوگا۔ البتہ اس مضمون میں اُس کی طرف اشارہ کرتے سے یہ جتا دینا مقصود ہے۔ کہ ابتدا سے

مسلمانوں نے پالٹیکس میں دخل دینے سے اجتناب کیا ہے

ہمیں اس جگہ اُن لیڈران قوم کی اخلاقی جرأت اور قومی حمیت کا اعتراف کرلینا چاہئے۔ جنھوں نے باوجود علیگڈھ کے جوش مخالفت کے اپنی ملکی ضروریات کا احساس کیا۔ اور کانگرس کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا +

سید جب تک زندہ رہے کانگرس کی مخالفت سے باز نہ آئے۔ اُن کے انتقال کے بعد اُن کے ہم خیال جانشینوں اور ہم مشرب رفیقوں نے اُن کا مشن چلانا چاہا۔ چونکہ تعلیم کی بدولت قوم میں ایک نئی روح پھونک چکی تھی۔ اور

زمانہ قومی حاجات سے واقف ہو چلا تھا۔ اِس لئے نئی صدی کے آغاز سے بعض افراد نے سیاسی امُور میں دلچسپی لینا چاہا۔ اور لکھنؤ میں اکثر اہل الرائے نے بسر کردگی مولوی مشتاق حسین صاحب محمڈن پولٹیکل ایسوسی ایشن کی ضرورت پر غور کیا۔ مجوزہ ایسوسی ایشن کے متعلق عرصہ تک اخبارات میں رائے زنی ہوتی رہی۔ اور وہ پھر ایسی غائب ہوئی۔ کہ گویا ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اِس کے بعد خوفناک خاموشی کا عالم طاری رہا۔ اور زمانہ تک کسی مسلمان نے کوئی پولٹیکل خواب نہ دیکھا۔ اِس دوران میں تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ذاتی تجربہ کر لیا۔ کہ سیاسی کوششوں سے علیحدہ رہنے میں مسلمانوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بلکہ بالعوض نقصان ہی میں رہے۔ اِس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد پھر سیاسی گرمی میں اُبال آیا۔ اور چار طرف سے ایک پولٹیکل مجلس کی ضرورت ظاہر کی گئی۔ نواب محسن الملک بہادر کو واقعی زمانہ شناسی کا خاص ملکہ ہے مسلمانوں کا اس طرف رُجحان دیکھکر اور یہ سمجھ کر کہ اب اِن کے خلاف چلائے نہیں چل سکتی آپ نے مشہور و معروف "ڈیپوٹیشن" کی تیاری کی اور اُس کی کامیابی کے بعد ڈھاکہ میں اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر "آل انڈیا مسلم لیگ" ظہور پذیر ہوئی۔ اِس مختصر سرگذشت سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ کہ مسلمانوں نے پالٹیکس میں کس طرح اور کس قدر حصہ لیا ہے۔ مسلم لیگ سب سے آخری صورت ہے۔ جو اُن کے پولٹیکل خیالات نے اختیار کی ہے لیکن جوش قابت یا جلد بازی میں جو کام کیا جاتا ہے۔ اُس کے نتائج کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتے۔ یہی کیفیت مسلم لیگ کی ہے +

کانگریس کی مخالفت کے خیال سے اِسے جس قدر جلدی ممکن تھا۔ معرض وجود

میں لایا گیا۔ اور اُس کے جو مقاصد قرار دیئے گئے۔ اُن سے اعلٰے درجہ کی تنگ نظری اور پست خیالی کا ثبوت ملتا ہے۔ 'لیگ' کے کل تین اغراض ہیں۔ جن میں سے ایک جو گورنمنٹ کی وفاداری کے متعلق ہے۔ اُس سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس لیگ کے بانیوں نے

محض نوکری کو ترقی کا آخری درجہ قرار دیا ہے

حالانکہ انصاف سے دیکھئے تو اس زمانہ میں مسلمانوں کو صرف یہی ایک ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ بہ نظر حالات موجودہ اُنہیں اپنے پولٹیکل پروگرام کو بہت وسیع کرنا چاہیئے تھا۔ ہندوستان میں بہت سی باتیں اصلاح طلب ہیں۔ اُن کی طرف سے چشم پوشی کر کے اپنی مجموعی قوت ڈپٹی کلکٹری یا تحصیلداری کے عہدوں کے حاصل کرنے میں صرف کرنا کوئی دانشمندانہ فعل نہیں ہو سکتا +

'مسلم لیگ' کے مقاصد میں اس امر کا کہیں پر اشارۃً یا کنایۃً ذکر نہیں پایا جاتا۔ کہ اُن مسایل کے متعلق جن کا اثر ہندو اور مسلمانوں پر یکساں پڑتا ہے اور جن کی طرف بظاہر گورنمنٹ عالیہ برطانیہ بغیر ان دونوں اقوام کی متفقہ عرضداشت کے متوجہ نہیں ہو سکتی۔ کیا انتظام کرنا چاہتی ہے۔ مثلاً تخفیف محصول نمک۔ تخفیف کاشت افیون۔ تخفیف اخراجات فوج۔ تخفیف انکم ٹیکس و مالگزاری وغیرہ۔ اِن کے علاوہ بعض اہم امور ایسے جو

ہماری فوری توجہ کے محتاج ہیں

ممالک غیر خصوصاً ٹرانسوال و آسٹریلیا میں ہندوستانیوں پر جو خلاف عقل و انصاف بیجا قیود عاید کی گئی ہیں۔ اُن کے دور کرنے کی تدابیر اختیار کرنا

قومی حمیت کے لحاظ سے پہلا فرض ہے۔ وزیر ہند کی تنخواہ کا برٹش اسٹیمیٹ میں شامل کرانا بھی ازبس ضروری ہے۔ انتظامی اور عدالتی اختیارات کی علیحدگی کے لئے ہم عرصہ تک خاموش نہیں رہ سکتے۔ افسوس ہے کہ اِن باتوں کی طرف بانیانِ لیگ نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اُنہوں نے اُن امور کو قابل غور خیال نہیں کیا یا وہ ان کے بارہ میں گورنمنٹ سے عرض معروض کرنا پسند نہیں کرتے۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لیگ کے مقاصد اس درجہ غیر مکمل رہنے اور اُس کے بہت بڑی حد تک غیر مفید ہونیکے اسباب و علل کیا ہیں ہمکو اس مختصر مضمون میں کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ البتہ سب سے بڑی وجہ اس کی ہمارے خیال ناقص میں یہ ہے کہ لیگ کے مشیران باتدبیر میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ

سیاسی ذمہ داریوں کے کفیل ہوسکیں

مسلمانوں کی جانب سے دو مرتبہ پولیٹیکل ایسوسی ایشن قائم ہوئی اور دونوں دفعہ اُس کی رہبری اور رہنمائی کا بار نواب وقار الملک بہادر پر پڑا الک دوسرے لیڈر ایک حیثیت سے علیحدہ ہی رہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں پولیٹیکل اہل الرائے کس قدر کم ہیں یا کم از کم وہ پولیٹیکل جدوجہد سے کتنا بچتے ہیں۔ مسلمانوں سے اس جگہ ہماری مراد وہ گروہ اہل اسلام ہے جو کانگرس کا مخالف اور مسلم لیگ کا ہمدرد ہے ورنہ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں میں من حیث القوم قطعاً پولیٹیکل لیڈر موجود نہیں۔ مسٹر بدرالدین طیب جی مرحوم مسٹر رحمت اللہ سیانی مرحوم۔

ملا عبدالقیوم مرحوم کے کارناموں کو واقعات ماضی سمجھ کر قابل وقعت نہ خیال کیا جائے تاہم آنریبل نواب سید محمد وغیرہ اصحاب کے موجود ہوتے ہوئے مسلمانوں کی پولٹیکل رموز شناسی سے انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ یہ لوگ کانگرس کے شریک ہیں۔ اور بدقسمتی سے ان کے بے غرضانہ مشوروں سے لیگ مستغنی ہے ✦

ایک دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ چونکہ لیگ کا قیام بہت سے ممبران اسلام کے منشا و مرضی کے خلاف ہوا ہے (چاہے اس کا اظہار نہ کیا جائے۔) اس وجہ سے انہیں اس کے ساتھ وہ ہمدردی و محبت نہیں ہو سکتی جو اس کے کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے۔ لیگ کو ابھی نیا جنم لئے ہوئے دو چار مہینہ بھی نہ گذرے تھے۔ کہ اخباروں میں یہ خبر گشت کرنے لگی۔ کہ

نواب محسن الملک بہادر بالقابہ نے اُس سے قطع تعلق کر لیا ✦

بھلا جب نواب صاحب ایسے سرگرم رکن قوم کی طرف سے ایسا فعل ظہور میں آئے۔ تو دوسروں کی کوئی کیا کہے ✦

سطور بالا کے مطالعہ و غور کے بعد یہ امر دریافت طلب رہجاتا ہے کہ مسلم لیگ کو کیا کرنا چاہئے۔ اس سوال کا جواب ہم نہایت اختصار کیساتھ یہ دینا چاہتے ہیں کہ سب سے انسب طریقہ بانیان لیگ کے لئے یہ ہے۔ کہ وہ اُسے

کانگرس میں ضم کریں

اور جو کام وہ لیگ سے لینا چاہتے ہیں۔ وہ کانگرس سے لیں۔ خصوصاً اس صورت میں کہ کانگرس باوجود اُن کی طوطا چشمی کے اُن کے فواید و حقوق کی نگہداشت کرتی رہتی ہے۔ اور اگر "معاملات مخصوصہ اہل اسلام" کے لیے مسلمان بنا علیحدہ

پارٹی اس کا قیام ضروری سمجھتی ہے۔ تو وہ ایک اصلاح اُس کی فلاح و ترقی کے لئے لابُدی سمجھنی چاہیئے +

بانیانِ لیگ کو کانگرس کے بارہ میں معاندانہ خیالات اپنے دل سے بالکل نکالدینا چاہیئے۔ اور مفید عام مسئلوں پر کانگرس کے ساتھ اتفاق کرنا چاہئے بظاہر لیگ کے مقاصد میں یہ بات دکھائی گئی ہے۔ کہ وہ دوسرے فرقوں کی مخالفت سے واسطہ نہ رکھیگی۔ لیکن عمل اس کے برخلاف ہے۔ بزعم خود لیگ کو کانگرس ایسی باعظمت مجلس کا مدِمقابل سمجھکر موخرالذکر کو بُرا بھلا کہنے میں کچھ اُٹھا نہیں رکھا جاتا۔ آیندہ اس قسم کی

ستم ظریفی سے توبہ کرنا چاہیئے

لیگ کی رہنمائی کا حق اُن لوگوں کو ہرگز نہ حاصل ہونا چاہیئے۔ جن کی دماغی قوت پولٹیکل باریکیاں سمجھنے میں قاصر ہے یا جن کی کہنہ طرز تعلیم اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ نیک نیتی اور حقیقی آزادی کے ساتھ حقوق کے لئے جدوجہد کی جائے۔ مولوی مشتاق حسین صاحب نے قیام لیگ کے موقع پر جو تقریر کی تھی۔ اُس میں نوجوانوں کو پالٹیکس سے جُدا رہنے کی نصیحت فرمائی تھی۔ لیکن صاحب موصوف اُس وقت شاید یہ بات بالکل بھول گئے تھے۔ کہ خود لیگ نوجوانانِ قوم کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ اُس سے پیشتر بزرگان قوم نے محافظت حقوق کے متعلق کونسی سعی کی تھی کتنے تعجب کی بات ہے۔ کہ انگلستان کی عورتیں ووٹ دینے کی حقدار بننے کیواسطے جانیں لڑادیں۔ اور مسلمانوں میں مردوں کی یہ ہمت نہ پڑے۔ کہ گورنمنٹ سے جس کی منصف مزاجی و انصاف پسندی کا زمانہ قایل ہے۔ اُن حقوق کا مطالبہ کریں۔ جن کے لئے وہ متعدد دفعہ وعدہ فرما چکی ہے۔ اور جن کا حاصل کرنا کسی طرح عقل سلیم

کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ وہ بزرگ جو بالطبع سیاسی کاموں سے بچنا چاہتے ہیں۔ لیکن بظاہر شاید لیڈر بننے کے شوق میں وہ ہر طرح کی ذمہ واری قبول کر لیتے ہیں۔ لیگ کے کاموں کے نگران کار بنائے جانے سے معاف رکھے جائیں۔ یا کم از کم اِس بارہ میں محض اُنہیں کے مشوروں پر نہ قناعت کی جائے +

اِن کے علاوہ بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اسی ضمن میں بیان ہو سکتی ہیں لیکن ہم اُنہیں بخیال طوالت قلم انداز کرتے ہیں۔ سچ پوچھو تو یہی باتیں ہمارے مضمون کا لب لباب ہیں۔ اگر اِن پر عمل کرنے کی کوشش صدق نیت سے کی گئی تو خیر ورنہ موجودہ صورت میں لیگ کا قیام کسی طرح مستحسن نہیں۔ بلکہ ایک حیثیت سے ہندوستان کی قومیت کے لئے ضرر رساں ہے۔ اور مؤخر الذکر کوئی خیر خواہ ملک اُس کی ترقی و کامیابی کا متمنی نہیں ہو سکتا +

سیّد محمّد فاروق

رباعی

شاہا ملے لاجپت ہمارا ہم کو
شیدائے وطن ہے جاں سے پیارا ہم کو
فریاد ز دست جورِ ناانصافی
کس جرم پہ ماسلے نے مارا ہم کو

قطعہ

بچپن میں دیکھ مجھ کو کہتے تھے لوگ اکثر
چھوڑا اگر قضا نے کچھ ہونہار ہوگا
تقدیر سے کوئی بھی واقف نہ تھا جو کہتا
ہو کر بڑا جہاں میں کمبخت خوار ہوگا

محروم

تیرتھ جاترا

از پنڈت مادھو رام بی۔ اے وکیل

چوں بہ دُکان خانہ در گردی

ہرگز اے خام آدمی نشوی

سیر و سیاحت کی ضرورت کو اہل ہند قدیم زمانہ سے تسلیم کرتے آئے ہیں۔ اور چونکہ ان کا ہر ایک کام مذہبی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اِس لئے اُنھوں نے سیر کو تیرتھ جاترا کا نام دیکر مذہبی فرایض میں داخل کر دیا۔ خوش قسمتی سے اُنھوں نے تیرتھ جاترا کے لئے ایسے خوبصورت مقامات تجویز کئے۔ کہ جہاں جانے سے انسان قدرت کا نظارہ اچھی طرح دیکھ سکتا ہے۔ اور روحانی تفریح حاصل کر سکتا ہے۔ روحانی تفریح کے لئے پہاڑ اور دریا کا نظارہ بالکل لاثانی ہے۔ اس لئے ہندوؤں کے جس قدر تیرتھ ہیں۔ وہ سب دریاؤں کے کنارے پر یا پہاڑوں کے دامن یا چوٹی پر واقع ہیں۔ متبرک مقامات میں ہردوار پر گنگا۔ متھرا بندرابن میں جمنا۔ الہ آباد میں گنگا اور جمنا۔ بنارس میں گنگا۔ اجودھیا میں سُرجو۔ ناسک میں گوداوری کی لہریں آزردہ دلوں اور تھکے ہوئے دماغوں کو شانتی دیتی ہیں۔ اِسی طرح نربدا۔ تنگ بھدرا اور دیگر دریاؤں پر بھی کئی تیرتھ واقع ہیں۔ جہاں سال بسال ہزاروں لوگ جاتے ہیں۔ اپنے خیالات کے مطابق تھوڑی بہت خیرات کرتے ہیں اور کچھ عرصہ کے لئے دنیاوی جھگڑوں سے فرصت حاصل کرتے ہیں۔ بمبئی احاطہ میں دوارکا۔ مدراس احاطہ میں رامیشورم۔ بنگال احاطہ میں جگن ناتھ پوری سمندر کے کنارے پر واقع ہیں۔ اور سمندر کی وسعت کے

سامنے انسان کی بے وقعتی ثابت کرتے ہیں کشمیر میں امرناتھ۔ ضلع کانگڑہ میں دیوی کا بھون۔ ہردوار سے اوپر بدری ناتھ اور کدار ناتھ جی کا مندر پہاڑی نظارہ دکھانے کے لئے کافی ہیں۔ ہندوستان کے دیگر صوبوں میں بھی بہت سے متبرک پہاڑی مقامات موجود ہیں۔ یہ مقامات ایسے وقت میں متبرک قرار دیئے گئے تھے۔ جبکہ ہماری قوم زندہ تھی۔ اور لوگ سیر و سیاحت سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اگر کوئی شخص امرناتھ کو جاتا تھا۔ تو تمام کشمیر کی سیر کر لیتا تھا۔ اگر جگن ناتھ کو یا دوارکا یا سیت بندر امیشور کو جاتا تھا۔ تو تمام ملک کی حالت دیکھ لیتا تھا۔ مگر جوں جوں لوگوں کی زندگی میں سے گیان کا جزو جاتا رہا۔ تیرتھ جاترا کا مطلب خبط ہوتا گیا۔ اور بجائے اِس کے کہ لوگ تیرتھ جاترا سے اخلاقی فائدہ اُٹھاویں۔ اُن کی اب صرف یہ غرض رہ گئی ہے۔ کہ فرض ادا کرنے کے لئے وہاں جائیں۔ اور بزرگوں کے نام پر رسوم ادا کر کے واپس آ جائیں۔ تاہم اب بھی تیرتھ جاترا کرنے والوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ اور چند دن کے لئے گھر کے تفکرات سے رہائی نصیب ہوتی ہے۔ انگریزی خوان لوگ نہ گھر کے ہیں نہ گھاٹ کے۔ اُن میں پرانے فیشن کے لوگوں کا سا اعتقاد نہیں۔ اِس لئے اُن کو تیرتھ جاترا سے کچھ دلچسپی نہیں۔ اور نہ تکلیف اُٹھا کر کوئی کام کر سکتے ہیں پُرانے فیشن کے لوگ تیسرے درجہ کی ریل گاڑیوں میں اور گھوڑے گاڑیوں میں سوار ہو کر سینکڑوں کوس جاتے ہیں۔ اور اپنے خیال کے مطابق فرض مذہبی پورا کرتے ہیں۔ مگر ہمارے بابو صاحب نہ تیسرے درجہ میں سوار ہو سکتے ہیں۔ نہ کھانے پینے کی تکلیف برداشت کر سکتے ہیں۔ اِس لئے جب تک کہ کوئی شخص زیادہ امیر نہ ہو وہ ملک کی سیر سے اکثر محروم رہتا ہے۔ امیر آدمی بھی اپنی عادات سے مجبور ہیں۔ اور سیر کے لئے گھر سے باہر بہت کم جاتے ہیں تعجب ہے

کہ ایسے خوبصورت ملک میں رہیں۔ اور اُس کے دیکھنے کو جی نہ کرے۔ ساتھ ہی لطف کی یہ بات ہے۔ کہ اس ملک میں اب تک کرایہ۔ مزدوروں کی اُجرت۔ اور کھانے پینے کا سامان بمقابلہ اور ملکوں کے سستا ہے۔ اور بوجہ ریل کے آج کل ہم آسانی سے ہر ایک خوبصورت مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں ریل نہیں وہاں ٹانگہ اور گھوڑا پہنچ سکتا ہے ۔

ہندوستان کے ہر ایک صوبہ میں خوبصورت مقامات موجود ہیں۔ کشمیر کو ہی دیکھ لیجئے۔ راولپنڈی سے کشمیر کا دارالخلافہ سری نگر دو سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ایک شخص تیس یا پینتیس روپیہ دیکر ٹانگہ پر دو دن میں راولپنڈی سے سری نگر پہنچ سکتا ہے۔ مگر اس تیز سفر میں کچھ لطف نہیں آتا۔ بہتر یہ ہے۔ کہ کوہ مری سے یکہ پر اسباب رکھا جائے۔ اور جہانتک ہو سکے۔ آپ پیادہ سیر کریں۔ اگر تھک جائیں تو یکہ پر سوار ہوں۔ راستہ میں کوہالہ سے بارامولا تک سڑک اور دریا قریباً ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ہوا خوشبودار ہوتی ہے۔ اور بعض بعض جگہ ایسی خوبصورت آتی ہے۔ کہ وہاں سے اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ دو میل کے مقام پر سڑک دریائے جہلم کے پاس ہے۔ وہاں جہلم میں دریائے کشن گنگا شامل ہوتا ہے۔ یہ نہایت خوبصورت نظارہ ہے اور دونوں دریاؤں کے مقام اتصال پر نہا کر طبیعت کو بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے بارامولا سے سری نگر تک سڑک پر سفید کے شاندار درخت نصب ہیں۔ اُن میں سے گزرتے ہوئے بڑا لطف حاصل ہوتا ہے۔ شہر سری نگر دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ ایک طرف سے دوسری طرف جانیکے لئے پُل بنے ہوئے ہیں۔ جن کو کشمیری زبان میں کدل کہتے ہیں۔ مثلاً میراں کدل فتح دریا میں کشتیاں ہر طرح کا سباب لئے پھرتی ہیں۔ آپ جو چاہیں خرید لیں۔ آ

سرِشام کشتی میں سوار ہو کر دریا کی سیر کریں۔ دونوں طرف مکانات پر چراغ روشن ہوتے ہیں۔ بعض کا عکس دریا میں پڑتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کسی جادو بھری جگہ میں ہوا خوری کر رہے ہیں۔ دریا سے ایک نالے میں سے گذر کر کشتی ڈل نامی جھیل میں داخل ہوتی ہے۔ یہ پانی کا ایک وسیع قطعہ ہے۔ جس میں کچھ کاشت بھی ہوتی ہے۔ اُس کے چاروں طرف شاہی باغات مثلاً نسیم باغ۔ شالامار باغ اور نشاط باغ موجود ہیں۔ اور جہانگیر اور نور جہان کے زمانہ کی یاد دلاتے ہیں۔ سری نگر کے سر پر شنکراچارج کی پہاڑی ہے۔ جس کی چوٹی پر شوجی کا ایک مندر واقع ہے۔ یہاں سے شہر اور اُس کی قرب وجوار کا نظارہ خوب دکھائی پڑتا ہے۔ یہ مندر اتنی بلندی پر ہے۔ کہ دس پندرہ میل تک جدھر جاؤ شنکراچارج سامنے موجود ہے۔ سری نگر سے کشتی میں سوار ہو کر پام پور۔ اونتی پور۔ سنگم۔ بیج بھاڑہ (یہ مقام بودھ مت کے زمانہ میں ودیادھار کے نام سے مشہور تھا۔ اور غالباً وہاں بودھ مت کے فقیروں کا مٹ تھا) اور اسلام آباد عرف کھنہ بل کے راستہ سے ویری ناگ۔ اچھبل اور مٹن کی سیر ہوتی ہے۔ کشتی صرف اسلام آباد تک جاتی ہے۔ اُس سے پرے گھوڑے کی سواری پر فاصلہ طے ہو سکتا ہے۔ ویری ناگ کا چشمہ دریائے جہلم کا منبع ہے۔ اور پہاڑی کے عین نیچے واقع ہے۔ اِس چشمہ کے اردگرد پختہ عمارت ہے۔ یہاں سے نکلکر پانی باغ میں سے ہوتا ہوا باہر جاتا ہے۔ اور بڑے شور کے ساتھ زمین پر گرتا ہے اور رفتہ رفتہ دریائے جہلم کی شکل اختیار کر کے کشمیر اور پنجاب کو سیراب کرتا ہے۔ ویری ناگ واقعی ایک خوبصورت مقام ہے۔ اور چاندنی رات میں اِس کا لُطف دوبالا ہوتا ہے۔ ستمبر کے مہینہ میں اُس کے آس پاس سیب اور ناشپاتی کے درخت پھل سے بھرپور ملتے ہیں۔ ویری ناگ سے قریباً پندرہ کوس پر اچھبل

کا چشمہ ایک پختہ مکان کے احاطہ میں واقع ہے۔ وہاں سے پانچ کوس کے فاصلہ پر مٹن یا بھون واقع ہے۔ راستہ میں ایک عظیم الشان مندر کے کھنڈرات موجود ہیں۔ جن کو دیکھ کر انسان کی عقل چکر کھاتی ہے۔ مٹن میں ایک متبرک باولی ہے۔ جس میں بے شمار مچھلیاں موجود ہیں۔ اِس باولی سے نکلکر پانی باہر جاتا ہے۔ اُس کی سُریلی آواز چنار کے عظیم الشان درختوں کے سایہ میں نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ کشمیر میں چاروں طرف خوبصورت منظر موجود ہیں۔ اگر انسان کے پاس کافی فرصت اور روپیہ ہو۔ تو وہاں کی سیر ضرور کرنی چاہیئے۔

کشمیر کو چھوڑیئے۔ متھرا بندرابن میں آیئے۔ چاروں طرف کرشن ہی کرشن کا نام سنائی دیتا ہے۔ مگر سوائے جمنا کے کنارے کے قدرت کا نظارہ وہاں آجکل بالکل خوبصورت نہیں۔ چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں جنگل کو بدنما بنا رہی ہیں کشمیریوں کی خوبصورتی کے مقابلہ میں متھرا بندرابن میں خوبصورتی کا نام نہیں۔ نہ معلوم قدیم زمانہ میں وہاں کی گوپیاں خوبصورت تھیں یا نہیں۔ مگر بندرابن کے مندر واقعی لاثانی ہیں۔ سیٹھ جی کا مندر کیا ہے قلعہ ہے۔ اُس کی عظمت دیکھنے سے ہی معلوم ہوسکتی ہے۔ لالہ بابو کا مندر اور لال بہاری شاہ کا مندر بھی قابل دید ہے۔ لال بہاری شاہ کے مندر میں سنگ مرمر کے ستون ایسے خمدار ہیں۔ کہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ قدرتی خم ہے یا کسی کاریگر نے خم دیا ہے۔ مگر سب سے دلچسپ مندر راجہ مان سنگھ کا ہے۔ یہ سنگ سُرخ سے بنا ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے اس کی کئی منزلیں تھیں۔ مگر اب صرف دو منزلیں باقی ہیں۔ پتھر کے ساتھ پتھر ایسی صفائی سے ملایا ہے۔ کہ عقل دیکھکر حیران ہے۔ پتھر کے وزن دار ٹکڑے اِس عمارت کی بلندی پر پہنچائے گئے ہیں۔ اور کُل تعمیر زبان حال سے کہتی ہے۔ کہ اہل ہند کی لیاقت کے اظہار کے لیئے موقع کی ضرورت ہے۔ اگر موقع ملے۔ تو ان کی لیاقت اعلےٰ درجے کی

ثابت ہوسکتی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ خوبصورت مندر اب غیر آباد ہے۔ اور کوئی شخص اُس میں جھاڑو تک نہیں دیتا +

دہلی کا قلعہ اور قطب صاحب کی لاٹ۔ آگرہ کا قلعہ اور روضہ ممتاز محل کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ سیاحوں اور شاعروں نے اُن کی جو تعریف کی ہے بجا ہے۔ جس شخص نے آگرہ کا روضہ نہیں دیکھا۔ اُس کی تعلیم واقعی ادھوری ہے +

الہ آباد میں وہ مقام جہاں گنگا اور جمنا کا میل ہوتا ہے۔ ایک دلکش جگہ ہے یہ قلعہ کے پچھواڑے واقع ہے۔ بہت دور تک جمنا کا پانی گنگا کے پانی سے جدا جدا چلتا ہے۔ کشتی میں بیٹھکر وہاں سیر اچھی ہوتی ہے۔ قلعہ میں راجہ اشوک کے وقت کا ایک ستون کھڑا ہے۔ جس پر قدیم زمانہ کی زبان میں کچھ تحریر موجود ہے +

بنارس دریائے گنگا کے کنارہ پر آباد ہے۔ دریا پر بہت سے گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ جن میں سے منی کرنیکا گھاٹ بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ صبح کے وقت ہزاروں مرد اور عورت اِن گھاٹوں پر اشنان کرکے اپنی سمجھ میں بہت ثواب حاصل کرتے ہیں۔ صبح اور شام کشتی میں دریا کی خوب سیر ہوتی ہے۔ بنارس میں کوئی خوبصورت مندر نہیں۔ مگر قدیم مندر کئی ہیں۔ مثلاً بشوناتھ کا مندر۔ انّ پورنا کا مندر۔ مان مندر وغیرہ۔ بشوناتھ کے اصلی مندر کی جگہ اورنگ زیب کی مسجد موجود ہے۔ پرانے مندر کے نشانات باقی ہیں۔ مگر اب اس کے پاس دوسرا مندر بشوناتھ کا بنگیا ہے۔ جہاں بے شمار مرد اور عورت اپنی مرادیں لیکر جاتی ہیں۔ اِن کی کامیابی کا حال اِن کو ہی معلوم ہوگا۔ مان مندر میں چند پتھروں پر علم ہیئت کے نقشے کھچے ہوئے ہیں۔ مگر اِن کو چند عالموں کے سوا آج کل کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ بنارس سے کچھ فاصلہ پر صوبہ اودھ میں فیض آباد کے قریب اجودھیا

کا قدیم تیرتھ دریائے سرجو کے کنارے پر واقع ہے۔ اس جگہ راجہ رام چندر جی کی زندگی کے مختلف واقعات کی یاد میں کئی عالیشان مندر ہیں۔ اُن کے جنم استھان کی جگہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ اور ہندوؤں کی ذلت ثابت کرتی ہے۔ ہنومان کے نام ہنومان گڑھی موجود ہے۔ اجودھیا میں راجہ صاحب کے مکانات کے سوا رونق کم ہے۔ بہت سے مندر غیر آباد ہیں۔ مگر سرجو کے کنارہ پر دل لگی اچھی ہوتی ہے +

اودھ میں گومتی کے کنارہ پر لکھنؤ بھی قابلِ دید شہر ہے۔ انگریز لوگ بیلی گارد اور ریزیڈنسی کو دیکھکر غدر کے زمانہ کو یاد کرتے ہیں۔ ہندو مسلمان دونوں امام باڑوں کے مکانات کو دیکھتے ہیں۔ پاس ہی وہ مکان ہے جہاں اودھ کے نوابوں کی آدم قد تصویریں رکھی ہیں۔ ان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ عیش وعشرت نے کیا کام کیا ہے۔ اور سخت مزاج نوابوں کے سامنے واجد علیشاہ کی شکل کیسی بانکی ہے +

بنگال میں سب سے دلچسپ جگہ کلکتہ ہے۔ جہاں کا عظیم الشان عجائب گھر۔ چڑیا گھر۔ ایڈن گارڈن اور شب پور کالج کے پاس کا باغ۔ دریائے گنگا میں جہازوں اور کشتیوں کی رونق اور مختلف بھیڑوں کا لطف ہر ایک انسان کو کئی دن تک مشغول رکھ سکتا ہے۔ بمبئی میں کلکتہ کے مقابلہ کی کوئی چیز نہیں۔ مگر وہاں سمندر کا نظارہ ایسا ہے۔ جو کلکتہ کو نصیب نہیں۔ آپ شام کو اپالو بندر پر جایئے۔ وہاں سمندر کی فصیل کے پاس نیچے بیٹھکر پانی کی وسعت کا ملاحظہ فرمایئے۔ کشتیاں آتی ہیں۔ جہاز جاتے ہیں۔ چاروں طرف رونق ہو رہی ہے +

اپالو بندر کے قریب کئی عالیشان ہوٹل موجود ہیں۔ بمبئی سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ایک جزیرہ میں ایلیفنٹا کیوز Elephanta Caves

ہیں۔ جہاں قدیم زمانہ میں کسی سنگ تراش نے کورو پانڈو اور اُن کے متعلقین کی آدم قد خوبصورت مورتیں بڑی کاریگری سے پہاڑی پتھر کی بنائی ہیں۔ پہاڑ میں کئی بڑے کمرے بنائے ہوئے ہیں۔ اور اُن کے در و دیوار میں یہ مورتیں کھدی ہوئی ہیں۔ اِن کو دیکھکر ہندوؤں کی کاریگری اچھی طرح معلوم ہوتی ہے یہ مورتیں اب تک موجود ہیں +

بمبئی میں یورپ کے ساتھ تجارت کی وجہ سے بڑی رونق ہے کسی شخص کو آپ سے بات کرنے کی فرصت نہیں۔ کلکتہ میں لوگ بمقابلہ بمبئی والوں کے زیادہ خوش خلق ہیں +

بمبئی سے ایک رات اور ایک دن کے فاصلہ پر حیدرآباد دکن واقع ہے۔ یہاں حسین ساگر اور میر عالم نامی جھیلیں بڑی خوش نما ہیں۔ ریل کی سڑک دور تک حسین ساگر کے پاس پاس جاتی ہے۔ شہر سے باہر ایک بلندی پر حضور نظام کی کوٹھی موسومہ فلک نما لاثانی ساز و سامان سے آراستہ ہے۔ حیدرآباد میں بازار اور معمولی لوگوں کے مکانات دلچسپ نہیں۔ مگر امرا کے مکانات کی آرایش نہایت اعلےٰ درجہ کی ہے +

حیدرآباد سے ایک دن ایک رات کے سفر کے بعد شہر مدراس آتا ہے میں تین چار دن وہاں رہا۔ مگر بوجہ بارش بے لطفی رہی۔ اور شہر کے دیکھنے کا موقع نہ ملا +

میں نے ہندوستان کے چند مقامات کا حال جن کو میں نے خود دیکھا ہے۔ مختصراً بیان کر دیا ہے۔ مگر اُن کے سوا اور بھی بہت سے خوبصورت مقامات ہیں جن کو دیکھنے سے ہم ایک انسان کی تاریخی معلومات بڑھ سکتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ سیر و سیاحت کا شوق کم رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے اُن کی مالی —

جسمانی اور دماغی حالت اچھی نہیں - انگریزوں کی طرف دیکھئے - کوئی شمالی قطب کی تلاش میں جاتا ہے - کوئی قطب جنوبی کی تلاش میں روپیہ اور جان ضائع کرتا ہے کوئی پنجرے میں بند ہوکر وسط افریقہ کے بندروں کی بولی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے - کوئی مصر کے میناروں پر چڑھتا ہے - کوئی سمندر کی تہ میں جاتا ہے - کوئی قدیم ویران شہروں کی مٹی کھدواتا ہے اور تاریخی واقعات معلوم کرتا ہے - ان کے مقابلہ میں امیر اور ذی عقل ہندوستانی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں - کسی کا ہاضمہ اچھا نہیں - کسی کی چھاتی کمزور ہے - کسی کی بینائی میں فرق ہے - مگر ہمت والے ایسے کہ دن رات شطرنج اور تاش کھیلتے رہیں - کیا مجال کہ تھک جائیں +

اے اہل ہند جاگو اور اٹھو - اور اپنے ملک کی سیر کرو - باہر جاکر یورپ امریکہ اور جاپان کی سیر کرو - ہمت حاصل کرو - علم حاصل کرو - اپنے ملک کی تجارت اور لیاقت کو بڑھاؤ - موجودہ پستی میں کب تک پڑے رہوگے +

مادھو رام وکیل

کم نصیب اردو زبان - اگرچہ اب تک باوجود زمانہ کے سخت گیر انقلاب کے زندہ ہے - مگر تاجدارانِ اقلیم اردو اس کا ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں - حامیان اردو عموماً اور ناظرین آزاد خصوصاً یہ خبر نہایت افسوس سے سنیں گے کہ منشی بالمکند گپتا نے جو آزاد کے خاص معاونین میں سے تھے - ۱۸ ستمبر ۱۹۰۷ء کو بمقام دہلی قضا کی - افسوس صد افسوس وہ منشی بے بدل خاموش ہوگیا - اور اس کی خاموشی اب قیامت تک نہیں ٹوٹ سکتی - شو شمبھو کی پیاری تحریروں سے ہم ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے - منشی بالمکند کی وفات سے نہ صرف اردو کو صدمہ ہوا - بلکہ ہندی کو بھی سخت نقصان پہنچا ہے - پرماتما ان کی روح کو شانتی اور ان کے پس ماندگان کو صبر بخشیں +

چغلخور اور یاوہ گو

از پنڈت شونرائن شمیم پلیڈر

اِن دنوں جو پولیٹیکل حالت ہندوستان کی ہو رہی ہے۔ وہ آزاد کے ناظرین پر روشن ہے۔ انسان جب کسی عارضہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ بقول حکما نیچر آگاہی دیتی ہے۔ کہ فی الواقع عارضہ ایک دفعیہ اُس ہمیت کا ہے۔ جو مریض کے جسم میں اُس کی بدپرہیزی یا بے احتیاطی سے داخل ہو گئی ہے۔ اُس سے مقصود نہ صرف موجودہ اسباب عارضہ کا رفع کرنا ہوتا ہے۔ بلکہ آیندہ کے لئے بھی ہدایت ملتی ہے۔ اگر مریض سمجھ جائے۔ تو آیندہ وہ مرض سے بچا رہتا ہے۔ ورنہ ہدایت ثانی بطریق عارضہ پھر عاید ہوتی ہے۔ عارضہ سے قبل بھی لایق حکیم بتلا سکتے ہیں۔ کہ فلاں رویہ اور فلاں وطیرہ سے ایک بظاہر تندرست شخص میں عارضہ کے سامان جمع ہو رہے ہیں۔ لیکن عموماً لوگ اسی وقت غور کرتے ہیں۔ جب وہ فی الواقع مبتلائے عارضہ ہو جاتے ہیں +

بعض بعض اہل الرائے ہمارے پلیٹ فارم کے بہادروں اور اخباری دنیا کے رہنماؤں کو سمجھاتے رہے۔ کہ یاوہ گوئی ملکی خدمت سے مترادف نہیں۔ بلکہ اِس یاوہ گوئی سے کبھی نہ کبھی مشکل کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور بقول یکہ سو سنار کی اور ایک لوہار کی۔ رفتہ رفتہ کبھی نہ کبھی شامت آوے گی۔ لیکن وہ سنتے کب تھے۔ جتنا سمجھاؤ اتنا ہی اور زیادہ تیزی کرتے تھے۔ پلیٹ فارم کے بولنے والوں اور اخبار نویسوں کی بھلا کب تک اِس قدر بدلگامی گوارا کی جا سکتی ہے۔ حالانکہ یہ مراظہر من الشمس تھا۔ کہ گورنمنٹ کی مخالفت کا کبھی کا منشا اصلی نہ تھا۔ اور جو بھی

کیسے سکتا تھا۔ یہاں تو لاکھ لاکھ شکر الٰہی ہے۔ کہ انگریزی گورنمنٹ کی بدولت ہندوؤں نے ہر پہلو میں ترقی کی۔ اور کیا وہ ایسے نادان تھے۔ کہ ایسی حماقت خیال میں لاتے۔ ہاں جو غلطی ہوئی۔ وہ یہ تھی۔ کہ الفاظ کی پسندیدگی اور طرز گفتار کا انتخاب اچھا نہ تھا۔ یا یوں کہئے۔ کہ اگر دس باتیں معقول تھیں۔ تو بیس باتیں نامعقول یا وہ گوئی تھیں۔ ع

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ

کا معاملہ تھا۔ سمجھدار لوگوں کو جاننا چاہئیے۔ کہ جب آزادی گفتار گورنمنٹ کیطرف سے عطا ہوئی ہے۔ تو اُس کے یہ معنے نہیں۔ کہ بے تحاشا گورنمنٹ کو گالیاں دیئے جاؤ۔ ادھر یاوہ گوؤں کا تو یہ عالم تھا۔ اُدھر ہمارے رفیق چغلخور کیا جانے کیا طومار جھوٹی سچی باتوں کے بنایا کرتے تھے۔ یہ نہ سمجھئے۔ کہ وہ چغلخور کسی خاص قوم کے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کو اپنی خدمات جتلانے اور جھوٹی وفاداریوں کی نمائشوں سے اپنا کام سدھ کرنا تھا۔ اور بالخصوص آریہ سماج کے ذمہ دنیا بھر کی تہمتیں تھوپی گئیں۔ ہم نے مانا کہ آریہ سماج ایک چلتا پرزہ فرقہ ہے۔ لیکن یہ امر ہرگز راست نہ تھا۔ کہ جملہ یاوہ گو آریہ سماجی تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے۔ کہ آریہ سماجیوں کے اکثر اضلاع میں لوگ دشمن تھے۔ خود انہیں میں دو فرقے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے سخت ہجو گو ہیں۔ اسی حالت میں تعجب کی بات کیا تھی۔ کہ جدھر سے دریافت ہوا۔ سب لوگوں نے آریہ سماج کو ہی ہدف بنایا ✦

اب مرض دریافت ہو گیا۔ آیندہ ہنود صاحبان کو اپنی طرز بدلنے کی ضرورت ہے۔ ایسی میانہ روی اور سلیس طرز اختیار کرنی چاہئیے۔ کہ اپنے حقوق کے مطالبے متانت سے بیان کئے جاویں۔ جہاں کسی امر کی شکایت ہے۔ تو وہ امر فرداً فرداً معرض بحث میں لانا چاہئیے ✦

ایک عام شکایت جس کی بنیاد محض سخت الفاظ ہوں۔ کارگر نہیں ہوسکتی ہم یہ سفارش نہیں کرتے۔ کہ ہندوؤں کو مکاری آمیز نمائش وفاداری کرنی چاہیئے۔ یا رزیل خوشامد کرنی چاہیئے۔ بلکہ اُن کو چاہیئے۔ کہ راست بازی سے اپنے اعمال سے وفاداری کا ثبوت دیں۔ جو تجاویز گورنمنٹ رعایا کی بہبودی کے لیئے کرتی ہے۔ اُس کی تحسین اور آفرین گورنمنٹ کو دینی واجب ہے۔ اور نیز اُس کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہیئے۔ جو تجاویز مضر حقوق ہے۔ اُس کی نسبت آزادی سے۔ دلایل سے رائے دینا مناسب ہے +

آج کل کے اخبار نویس جو یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ بدلگامی اور یاوہ گوئی۔ دشنام دہی اور بیہودہ تحریروں سے اُن کی اخباروں کی اشاعت میں ترقی ہوتی ہے۔ سخت غلطی پر ہیں۔ گورنمنٹ تا کے صبر کرے گی۔ آخر برداشت کی طاقت کی بھی حد ہوا کرتی ہے۔ ایسے اخبار نویسوں کو اپنی حماقتوں کے خمیازے اُٹھانے پڑینگے اور جو ترقی ایک آہستہ طریق سے ہو رہی تھی۔ وہ سو سال نیچھے پڑ جاوے گی +

پلیٹ فارم کی بیہودہ گوئی یہ نوبت لائی۔ کہ بعض مقامات پر اب کوئی جلسہ ہی بدوں اجازت نہیں ہو سکتا۔ آریہ سماج والے اگر صرف اپنے دھرم کی ستایش میں مصروف رہیں۔ اور دوسروں کے مذہبوں کے نقائص سے سروکار نہ رکھیں۔ تو ہنود میں بہت سی اصلاح کر سکتے ہیں۔ جیسے کہ اُنہوں نے ہنود کی تعلیم میں سعی کی۔ اور ایک گونہ کامیابی بھی حاصل کی۔ اُسی طرح سے وہ سوشل اصلاح میں بھی کامیاب ہو سکتے ہیں +

چغلخور وہ کوتہ اندیش لوگ ہوتے ہیں جن کو یہ مقولہ بھول جاتا ہے ؎

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد وشمرد
بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد

انجام کار جب تحقیقات واقعات کی ہوتی ہے۔ تو اصلیت کھل جاتی ہے۔ تب اُن لوگوں کا مُنہ کالا ہوتا ہے۔ اور جو عارضی وقعت انہیں حاصل ہوتی ہے۔ وہ مبدل بہ ذلت ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنا سا مُنہ لیکر رہجاتے ہیں لیکن جبکہ واقعی ایک جماعت رعایا فی الواقع یاوہ گوہوجاوے۔ اور متانت ہاتھ سے چھوڑ دے تو چغلخوروں کا بول بالا ہوجاتا ہے +

خدائی انتظام بے عیب اور بے نقص ہو تو ہو۔ انسانی انتظام تو کسی حالت میں ایسا مکمل نہیں ہوسکتا۔ کہ کوئی گنجایش اصلاح کی نہ ہووے۔ پس انگریزوں کا انتظام بھی کہیں کہیں کسی نہ کسی پہلو میں ناقص ثابت ہوگا۔ اِس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہئے۔ کہ سارا انتظام خراب ہے۔ البتہ جہاں جہاں نقص ہے۔ اُس کو بیان کرنا چاہئے۔ اور طرز بیان معقول اور اِس نیت سے ہونا چاہئے۔ کہ فی الواقع اصلاح کی خواہش معلوم ہو +

یہ بھی ایک انسانی طبیعت کی کمزوری کا مشاہدہ ہے۔ کہ جہاں چند لوگ ایک مجمع میں تحسین کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ وہاں بولنے والے کی جرأت بڑھ جاتی ہے۔ اور اُس وقت جوش میں آکر وہ ایسی باتیں کہنے لگتا ہے۔ جو وہ تنہا دوسری صورت میں زبان پر نہ لاتا۔ یہ ہی صورت ہمارے آج کل کے نیم تعلیم یافتہ ناتجربہ کار بولنے والوں کی ہے۔ جب وہ پلیٹ فارم پر کھڑے ہوتے ہیں۔ انجام نیک و بد فراموش کر دیتے ہیں۔ اور آپ شتاب جو منہ پر آیا بولتے ہیں۔ لہذا یہ مناسب ہے۔ کہ جو صاحب پبلک میں بولنے کھڑے ہوں۔ وہ پہلے اُس مضمون کے ہر پہلو کو سوچیں۔ سامان اور دلایل اور اعداد وغیرہ وغیرہ جمع کریں۔ اور اُس مضمون کے متعلق دوسروں کی رائیوں پر غور کریں۔ چند کتب اُس کے متعلق پڑھیں۔ اور مضبوط دلائل اور موثر گفتگو سے سامعین پر مستقل اثر پیدا

کریں۔ تو ممکن نہیں۔ کہ اُن کی تقریر پر گورنمنٹ کی توجہ نہ ہو +

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ اب پبلک تحریر اور تقریر میں سنگینی۔ وزن۔ سلاست متانت آنی چاہئے۔ یاوہ گوئی۔ بدلگامی ترک کرنی چاہئے۔ گورنمنٹ کے خلاف جھوٹے اتہام لگانے سے نہ کچھ حاصل ہوا نہ ہوگا۔ آخر وہ ایک مضبوط اور مہذب گورنمنٹ ایسی خاص ساخت کی ہے۔ جس کی نظیر زمانہ ماضی میں کوئی نہیں ملتی۔ یعنی ایشیائی طریق حکومت پر مغربی طرز حکومت کا پیوند چڑھایا گیا ہے۔ کسی ایک فرقہ یا جماعت کا یہ سمجھنا غلطی ہے۔ کہ اُس کے حقوق پائمال ہونگے۔ یا اُس کے لئے خاص رعایت ہوگی۔ البتہ حکمران قوم کو ہمیشہ سے فوقیت چلی آئی ہے۔ اور بعض امور میں اُسے تاابد کچھ نہ کچھ کم وبیش فوقیت حاصل رہیگی۔ اور بعض کمزور یا کم تعداد قوموں کے لئے ترقی کی سہولتیں بھی ملیں گی۔ جس کی شکایت بیجا ہے۔ کیونکہ حکمران پر ہر ایک جماعت کے حقوق کی حفاظت کرنا فرض ہے۔ ملک کے خیرخواہوں کو مایوس نہ ہونا چاہئے۔ ہم البتہ چغلخوروں کو یہ شعر حسن کا یاد دلاتے ہیں۔ ؎

کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے
کہ سب کا خدا عالم الغیب ہے

شمیم

جو شخص جس قوم میں پیدا ہوا ہے۔ اگر اس کی خدمت اپنا فرض اول نہیں سمجھتا۔ تو اس سے کہدو۔ کہ اگرچہ جامۂ انسانیت اس نے پہنا ہے۔ مگر انسانیت کا درجہ ابھی اسے حاصل نہیں ہوا +

لاجپت رائے

حسرتِ چمن

عندلیب قفس کی زبانی

از منشی دوارکا پرشاد اُفق لکھنوی

چمن میں چھیڑ کوئی مطربا چمن کا راگ دکھائے دیس کی دھن میں وہ چمن کا راگ
سنا ترانہ محبت کا گا چمن کا راگ لبھائے دل کو وطن خیال چمن کا راگ

کہ دل یہ کنج قفس میں نہیں بہلتا ہے
وطن کی یاد میں آنسو نہیں نکلتا ہے

خوشا وہ دل ہو تمنا وطن کی جس دل میں خوشا وہ دل کہ ہوا ہو چمن کی جس دل میں
وہ دل کہ بہتری ہو انجمن کی جس دل میں کہ بو ہو نافۂ مشکِ ختن کی جس دل میں

وہی ہے دل جو وطن پر نثار ہو جائے
جو داغ دل پہ ہو باغ و بہار ہو جائے

وطن کی خاک کے ذروں کا نور دل میں ہے وطن کے جلوے سے شرمندہ حور دل میں ہے
وطن کے ذکر سے عیش و سرور دل میں ہے وطن کی یاد خوشی کا ظہور دل میں ہے

جھلک نشاط کی ہر ذرہ میں ہویدا ہے
خوشا وہ دل جو وطن پہ شیدا ہے

ہے دلفریب فزا عجب ادائے وطن ہے بھینی بھینی خوش آیند کیا ہوائے وطن
یہ گو بختی مہرے کانوں میں ہے صدائے وطن ہے خوش نصیب وہی جو کہ ہے فدائے وطن

خوشا وہ دل کہ جو حبِ وطن کا طالب ہے
کہ دل میں حبِ وطن ایک جان و قالب ہے

مجھے ہے جان سے بڑھکر میرا وطن پیارا　　وطن کی خاک وطن کا مجھے کفن پیارا
میں عندلیب چمن ہوں مجھے چمن پیارا　　چمن کا اپنے ہے نسرین و نسترن پیارا
گرے جو آنکھ سے آنسو چمن کی حسرت میں
کنول شگفتہ ہو دل کا وطن کی اُلفت میں

ریاض دہر میں جو ہے جلا وطن لوگو　　وطن کا درد ذرا اُس کے دل سے پوچھو تو
دکھا کے یاد وطن سبز باغ آنکھوں کو　　لہو رلاتی ہے کہہ کہہ کے پیارے ہموطنو
جدا کسی کا کسی سے کبھی حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

میں کیا بیاں کروں افسوس اپنی بربادی　　کہ آہ چھن گئی بے جرم میری آزادی
کہاں تھا قید قفس کا یہ میرا دل عادی　　غضب یہ طائر بے بال و پر پہ جلادی
تڑپنے دے مجھے صیاد اب خدا کے لیے
زباں نہ روک میری عرض مدعا کے لیے

وہ آہ بلبل بے برگ و بے نوا ہوں میں　　قفس نصیب ہوں گلزار سے جدا ہوں میں
وطن سے دور دل درد آشنا ہوں میں　　کہ آہ سرد ہوں مظلوم کی صدا ہوں میں
کہاں وطن سے جدا ہو کے بے خبر نکلے
کھلی تھیں دام میں آنکھیں قفس میں پر نکلے

نہ بند کر میری فریاد پر زباں صیاد　　سنانا جرم ہے کیا غم کی داستاں صیاد
سنی جو تو نے نہ مظلوم کی فغاں صیاد　　ہے ڈر نہ ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیاد
جو دانت طائر بے پر پہ کٹکٹائے گا
خدا کو حشر میں کیا جا کے منہ دکھائیگا

تڑپ تڑپ کے قفس میں جو ہائے گھٹتا جاتا　　لبوں تک آکے ہے دم خود بخود رکا جاتا

پروں کو کھولدے صیاد ہوں مُوا جاتا قفس کو لیکے میں ظالم نہیں اُڑا جاتا

کہاں ہے طاقتِ پرواز بیش و پس میں ہوں
رہا کر اب مجھے صیاد تیرے بس میں ہوں

چھڑائے غم سے قضا آہ یہ کہاں اُمید جو پہنچے آہ رسا آہ یہ کہاں اُمید
رہوں وطن سے جدا آہ یہ کہاں اُمید میں ہوں قفس سے رہا آہ یہ کہاں اُمید

غرض دوگونہ عذابست جان مجنوں را
بلائے دشت نوردی و فرقتِ لیلےٰ

رولا رہا ہے مجھے اشک خوں نفاقِ وطن دکھا رہا ہے زمانہ کا غم فراقِ وطن
کہاں وہ صحبتِ احباب خوش مذاقِ وطن نہ پوچھو دل سے میرے جوشِ اشتیاقِ وطن

وطن کے ہجر میں اُف دل کا داغ جلتا ہے
شبِ فراق قفس میں چراغ جلتا ہے

رہے گر یوں ہی کچھ دن چمن سے بیخبری تو شاخ نخلِ تمنّا کبھی نہ ہوگی ہری
قفس میں کہتی ہے رو رو کے بلبل سحری صبا بگلشن اہلِ وطن اگر گذری

سلام ما برساں ہر گلِ گلستاں را
پیام ما برساں سنبلِ پریشاں را

کہ ہیں چمن کے نظارے کو بیقرار آنکھیں دکھا رہی ہیں رہائی کا انتظار آنکھیں
ہوں کاش بلبل و گل کی چمن میں چار آنکھیں دکھائیں قوم کے گلزار کی بہار آنکھیں

ترقیات کی جا ہے نہیں زیب تن کیا کیا
رفیق حبِ وطن ہیں ہیں نغمہ زن کیا کیا

جو بلبلیں تھیں مرے چہچہوں کی دیوانی وہ اب بھی کرتی ہیں گلزار میں غزل خوانی
مری جدائی پہ کی کس نے اشک افشانی بہایا کس نے میرے بعد سیل طغیانی

ہوئے ہوں کاش میرے غم میں اشکبار درخت
جھکے ہوں باد مخالف سے ہونہار درخت

میں کیوں چمن سے اُڑایا گیا نہیں معلوم — وطن سے آہ چھوڑایا گیا نہیں معلوم
قفس میں رہنے کو لایا گیا نہیں معلوم — یہ سبز باغ دکھایا گیا نہیں معلوم

میں کس کے دل میں کھٹکنے کو نوک پیکاں تھا
مگر کبھی کسی حاسد کے دل کا ارماں تھا

چمن کا پھول تھا بلبل تھا میں بہار میں — نظر میں چبھنے کو گلچیں کے آہ خار تھا میں
وطن کا اپنے بھی خواہ جاں نثار تھا میں — میں باغبان کا ہمدم وفا شعار تھا میں

حریص تھا وہ جو کہتا مجھے دماغی تھا
غلط ہے جو کہے بلبل چمن سے باغی تھا

جو اپنے دل میں دے انصاف کو جگہ صیاد — دعا ہے اہل چمن کے ہو پھر چمن آباد
عجب نہیں کہ ہوں قیدِ قفس سے جلد آزاد — گلے سے بلبلیں مل مل کے دیں مبارکباد

عجب بہار عجب لطف او چمن پھر ہو
ہزار داستاں گلشن میں نغمہ زن پھر ہو

گہر لکھنوی

خدا آپکی ہمت میں برکت دے ۔ توسیع اشاعت کے متعلق میری التجاؤں پر اگرچہ خریداران آزاد نے کافی توجہ نہیں کی ۔ مگر مندرجہ ذیل احباب نے اپنا فرض ادا کرکے مثال ضرور قائم کی ہے ۔ کاش باقی احباب بھی اپنا فرض سمجھیں اور خدا ان کی ہمت میں برکت دے +

لالہ دینا ناتھ صاحب ۔ لالہ کرم چند بھلا ۔ سردار موہن سنگھ صاحب ۔ جناب ڈی ۔ آر ۔ نظامی ۔ لالہ رام چند صاحب ۔ پنڈت کشن پرشاد کول ۔ منشی دوارکا پرشاد نگر ۔ لالہ مول چند صاحب آفیسر ۔ منشی ۔ منشی عثمان محمد محمود +

مسرتِ آزادی

ترجمہ نظم انگریزی

از منشی پتمبر پرشاد اختر اجمیری

۱۔ وہی شاد آزاد ہے اِس جہاں میں — نہیں ہر کسی کا بھی جو زیرِ فرماں
خیالات نیک اُسکے حافظ ہیں ہر دم — صداقت کے جوہر ہیں جس میں نمایاں

۲۔ نہیں جس پہ کچھ خواہشِ نفس غالب — نہیں موت سے اپنی جو کچھ ہراساں
نہیں جو اسیرِ ہوا و ہوس کچھ — نہ شہرت کا طالب نہ شوکت کا خواہاں

۳۔ نہیں جس کو رشکِ ترقی کسی کا — نہیں جو کسی کے تنزل پہ خنداں
بہی خواہیِ قوم کی دھن ہیں جس کو — کبھی کچھ نہیں خوفِ اُفتادِ دوراں

۴۔ نہ مطلب کسی کی بھلی اور بُری سے — نہ آبِ معاصی سے تر جس کا داماں
نہ اہلِ خوشامد کو کچھ فیض جس سے — نہ غماز و بدگو سے کچھ جسکا نقصاں

۵۔ جو اپنے دل و جاں سے کرتا ہے دایم — کبھی حمدِ یزداں کبھی شکرِ یزداں
کبھی محو درسِ روایاتِ مذہب — کبھی وصلِ احباب سے ہے خنداں

۶۔ غلامی کی زنجیر سے وہ رہا ہے — نہ پستی سے محزوں نہ رفعت سے شاداں
نہیں گو وہ کچھ پھر غنیمت ہے اختر — کہ مختار ہے آپ اپنا وہ انساں

پتمبر پرشاد اختر

بہار آئی کھلے ہیں غنچے بہار پر ہے چمن ہمارا — غریب بلبل شکستہ پر ہوں ہے صدمہ ہم کو وطن ہمارا ۱
دیس نکالا ایک کیا لاکھ کوئی دکھ دے — جا کے من میں میل نہ وا کو کیا سندھے ۲

سچی قربانی اور آزادی

"جہانگیر"

دنیا میں کوئی کام بغیر قربانی کے نہیں ہو سکتا۔ جتنا بڑا کوئی کام ہوگا۔ اتنی تنی بڑی قربانی کی اس کے لیے ضرورت ہوگی۔ ایک شخص نے لکھا ہے۔ کہ تہذیب اور شائستگی حقیقت میں بہت چھوٹے چھوٹے کاموں میں اپنی غرض اور فائدوں کو دوسروں کی خاطر قربان کر دینا ہے +

خود غرضی قربانی کی ضد ہے۔ جہاں کچھ بھی اپنی غرض پنہاں ہوگی۔ وہاں سچی قربانی کا ہونا معلوم +

ہر قوم اور ہر ملک میں کم و بیش ایسی قربانیاں ہوتی رہی ہیں جن کے ذریعہ لوگوں کو کسی نہ کسی مصیبت سے نجات ملی ہے +

سچی قربانی کے لیے دل میں سچے جوش اور سچی بہادری کی بھی سخت ضرورت ہے۔ ورنہ خالی باتوں سے کچھ کام نہیں نکلتا۔ سچا جوش اور سچی بہادری دل میں جبھی پیدا ہو سکتی ہے۔ جب سچے پریم۔ سچی محبت کا دریا دل میں موج زن ہو۔ جب تک ایک انسان اپنے آپ کو محبت کی آگ پر کباب کی طرح سوخت نہ کر ڈالے کسی دوسرے کو لذت نہیں مل سکتی +

دنیا میں کوئی شے بغیر کسی صورت میں اس کی قیمت ادا کیے نہیں ملتی۔ تکلیفوں سے رہائی کی بھی ضرور کوئی قیمت ہونی چاہیے۔ اور وہ قیمت قربانی ہے۔ جتنی بڑی مصیبت ہے۔ اتنی ہی بڑی اس کے لیے قربانی ہو تو کام بنتا امریکہ والوں نے کیا کیا سختیاں اٹھائیں۔ کیا کیا آفتیں جھیلیں۔ جب تک سینکڑوں

کیا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں قربانیاں نہ ہولیں آزاد نہ ہوئے +

اورنگ زیب کے عہد میں ہندوؤں کے مذہب پر آن بنی۔ بیچارے غریب برہمن سب کچھ ہی دیوتاؤں کے سامنے آہ وزاری کر چکے۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ زبانی طوطے مینا بنانے سے کیا ہوتا ہے۔ مذہب کوئی کھلونا نہ تھا۔ جب تک گورو تیغ بہادر اور اِن کی اولاد نے سچی بہادری کے جوہر دکھا کر اپنے آپکو قربان نہ کر دیا۔ کچھ نہ ہوا +

جب کبھی کوئی نیا مذہب دنیا میں جاری ہوا۔ اُس سے پہلے رائج الوقت مذاہب کے ہاتھوں سے جب تک سختیاں نہ اُٹھائیں۔ بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے اپنی سچائی کو ظاہر نہ کیا۔ سرسبزی حاصل نہ ہوئی۔ سکہ نہ جما +

جاپانی اگر اپنے میں سچی بہادری۔ سچی قربانی اور سچی آزادی کا مادہ پیدا نہ کر چکے ہوتے۔ تو روس کے مقابلہ میں فتح بھی اِن کو ضرور نصیب ہو جاتی؟

جاپان سے شکست کھا کر چینیوں کو بھی افیون نوشی کی پینک سے ہوش آیا۔ اور بی چُنیا بیگم سے پیچھا چھڑانے کی سوجھی۔ حکومت کے لحاظ سے ایک آزاد قوم ہے۔ کیا عجب ہے۔ کہ کچھ کر دکھائے +

خدا کا خوف علم اور عقل کا آغاز ہے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے ہندستان کی سرحد پر روس اور انگریزوں کی کبھی لڑائی ہونے کا خیال پیش نظر رہتا تھا۔ امیر کابل نے سوچا۔ کہیں چنوں کے ساتھ گھن بھی نہ پس جائے۔ آہستہ آہستہ اپنی فکر تو کر لو۔ پھر جو ہوگا دیکھ لیں گے۔ دل کو جو لگی تھی۔ چپکے چپکے لگی رہی۔ آخر دولت خداداد بنا ہی لی۔ ہمت کا حامی خدا ہے۔ جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ خدا اِن کی مدد کرتا ہے +

اور سنو! ع

ینڈگی کو بھی رکام ہوا

شعر

دیکھا دیکھی جو شوق چرایا
شیخ صاحب بھی دل لگا بیٹھے

صدیوں کی غلامی نے تمام آزادی کے جوہر نیست و نابود کر دیئے۔ صحت نہیں۔ طاقت نہیں۔ مال نہیں۔ دولت نہیں۔ علم نہیں۔ عقل نہیں۔ زبان نہیں۔ دل نہیں۔ ہمت نہیں۔ شجاعت نہیں۔ نفع نقصان کی تمیز نہیں۔ اتفاق عزیز نہیں۔ غرض جو خوبیاں ضروری ہیں۔ ایک بھی نہیں۔ مگر بقول شخصے ع

ہم بھی تم پر مرتے ہیں

مرتے ہو تو مرو۔ جہنم میں پڑو۔ ایسی محبت کو آگ لگے +

وصل ممکن ہے تو کیونکر ہے

جہ کر جیہ پر ست سنیہو
سو تیہ ملت نہ کچھ سندیہو } (تلسی داس)[1]

مگر وہ سچا سنیہا وہ سچی محبت۔ وہ طلب صادق پہلے اپنے دل میں پیدا تو کرو۔ خالی باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ کچھ کر کے بھی تو دکھاؤ۔ ورنہ جاؤ۔ ناحق شور مت مچاؤ۔ رہی سہی سے بھی جاتے رہوگے +

الٰہی! یہ کوئی مضمون ہے یا کسی مجذوب کی بڑ! ہے

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

جہانگیر

[1] جس کو جس سے سچی محبت ہوتی ہے۔ وہ اُس کو ملتا ہے۔ اس میں بالکل شک
[illegible] ص ۱۲

نظامِ ملت

۱ اجتماعی نظام ملت

بعض وقت ملت سے مراد ایک خاص فرقہ مذہبی یا صرف مذہب ہی لیتے ہیں۔ یہ ایک محدود تعریف یا محدود معانی ہیں۔ ملت کا اطلاق دراصل ایک جماعت ہو سکتا ہے۔ عام اس سے کہ کوئی جماعت ہو اور کوئی سے مشن رکھتی ہو۔ ملت کے مرادی معانی یا سرزدی مفہوم +

"ایک ایسا گروہ ہے۔ جو باعتبار اپنے منتشر افراد کے بہ حیثیت مجموعی ایک جماعت متفقہ کا حکم رکھتا ہو۔ اور گو افراد بہ حیثیت افراد ہونے کے آپس میں منفرد ہوں۔ مگر بہ حیثیت ایک ملت کے اُس جماعت میں شامل ہوں۔ اور وہ جماعت ایسے ہی افراد سے ترتیب دی گئی ہو" +

قوم اور ملت میں فرق ہے +

"ایک قوم صرف اُن امور کی حامی ہوتی ہے جو قوام قومیت کی منضبط اور حائل ہوتی ہیں۔ اور جن سے شیرازہ قومیت باقی یا قایم رہ سکتا ہے۔ ملت قوم یا ایک مجموعہ اقوام سے ترتیب پاتی ہے۔ لیکن قومیت کے پایہ سے اُس کا پایہ اعلےٰ اور مضبوط ہوتا ہے +

قومیت صرف قوم کے افراد جمع کرتی اور اُن میں انفرادی قوتوں کے زور سے ایک ہی قوم کی روح پھونکتی ہے۔ یا ایک قوم کے سلسلہ میں اُن کا اظہار کرتی اور اُنہیں منضبط دکھاتی ہے۔ لیکن ملت قوم کے قومی افراد اور گروہوں کو ایک خاص سلسلہ سے ملاتی۔ اور اُن میں اغراض مشترکہ کی حیثیت سے محبت اور

خلوص کی بنیاد ڈالتی ہے۔ جب کبھی یہ کہا جاتا ہے۔ کہ

"نظام قومی"۔

"اور نظام ملتی"۔

در پیش ہو تو صرف نظام قومی کا وجود باقی رہتا ہے اور نظام ملت" پیش ہو۔ تو اِن دونوں کا مفہوم ہمیشہ جدا گانہ ہوتا ہے +

جب کبھی نظام قومی باقی نہیں رہتا۔ تو صرف اُس کے افراد منتشر ہوجاتے ہیں۔ اور اُن افراد کا ذاتی نظم ونسق یا عزاز واحترام فرداً فرداً باقی رہتا ہے۔ لیکن جب کبھی نظام ملت میں فتور واقعہ ہوتا اور ضعف آتا ہے۔ تو اُس وقت قومی اور افرادی نظام میں بھی گڑ بڑ مچ جاتی ہے۔ اور بالخصوص افراد قومی میں ایسی ابتری پیدا ہوتی ہے۔ کہ ہر فرد بجائے خود ایک قوم اور ایک ملت ہوتا ہے۔ اور شخصی شیرازہ قومی شیرازہ کے قائم مقام ہوکر ہر طرف سے ادبار لاتا۔ اور دن بدن نحوست کا موجب ثابت ہوتا ہے +

بعض وقت لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ

"قومیں محض کثرت افراد کی وجہ"۔

"یا ثروت افرادی کی جہت سے"۔

قوم بنتی ہے۔ یا نظام ملت کی بنیاد پڑتی ہے۔ یہ درست نہیں۔ کوئی قوم محض کثرت افراد اور کثرت ثروت سے قوم نہیں بنتی کسی قوم کی قومیت صرف افراد قوم کے اجتماع سے باقی رہ سکتی ہے۔ لیکن اُس کا زور یا احترام قائم نہیں سکتا تاوقتیکہ اُس کا پشت پناہ روحانی نظام ملت نہ ہو +

جب نظام ملت باقی رہتا ہے۔ اور اُس میں ضعف پیدا ہوتا ہے تو ایک قوم یا کئی قومیں قائم اور باقی رہ سکتی ہیں۔ کیونکہ نظام ملت میں نظام قومیت بھی

شامل ہے اور خلاف اسکے نظام قومیت میں نظام ملت شامل نہیں +

ایک فرد یا چند افراد ایک قوم میں بہ حیثیت اُس میں شامل ہونیکے بیشک داخل ہیں۔ لیکن اگر اُن میں خلوص اور یک جہتی نہیں۔ اور ایک فرد دوسرے کے واسطے ایک کشش نہیں رکھتا۔ تو ایسی حالت میں یہ کبھی نہیں کہا جاویگا۔ کہ ایسی حالت میں یا ایسے افراد میں نظام ملت بھی موجود ہے۔ قومیت ہمیشہ ایک قوم کی تابع ہوتی ہے اور اُس کی وسعت کسی حالت میں اُس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ جب کبھی وہ کوئی اور وسیع دائرہ اختیار کرتی ہے تو افراد قوم اُسی میں سے نکلنے شروع ہوتے ہیں +

لیکن ایک نظام ملت کا دائرہ قومیت کے دائرہ سے کہیں وسیع ہے۔ ایک نظام ملت میں کبھی کبھی چند قومیں جو ایک ہی خط یا ایک ہی ملک میں رہتی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ اور اُس میں بوجہ ملکی ضروریات کے بہ حیثیت اغراض مشترکہ اقوام مختلفہ کا شمول لازمی ہوتا ہے۔ اور اس دائرہ میں ہر ایک قوم کی قومیت بھی باقی یا قائم رہتی یا قائم رہ سکتی ہے +

بعض اوقات ملکی اغراض کے ماتحت قومیت توڑنی پڑتی ہے اور مختلف قومیں ایک قومیت میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس حالت میں بھی اُن کا ملتی دائرہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اور سب کی سب ایک ہی غرض مشترکہ کے ماتحت ہو جاتی ہیں تاریخ بتلا رہی ہے۔ کہ

"جب کبھی چند قوموں میں سے مذہب اور رسم و رواج کی پابندیاں اُٹھ جاتی ہیں۔ تو عموماً مختلف قوموں کی قومیت ایک ہی ہو جاتی ہے" +

"ملت کبھی بوجہ اشتراک مذہب ہوتی ہے" +

"کبھی بوجہ اشتراک ملک کے +

"کبھی بوجہ اغراض مشترکہ کے" +

جو ملت بوجہ اشتراک مذہب کے ہوتی ہے۔ وہ صرف مذہبی امور سے ہی متعلق ہوتی ہے۔ ملکی اغراض کا اُس میں براہ راست دخل نہیں ہوتا۔ لیکن باقی دو قسمیں مشترکہ کل اقوام کی ہوتی ہیں۔ جب کبھی ہم ملک یا خطہ مالوفہ سے باہر ہوتے ہیں۔ تو اُس حالت میں مذہبی پابندیاں اس قدر شدومد سے تعاقب نہیں کرتی ہیں۔ جس قدر اُن کا شور و غوغا اپنے ملک میں ہوتا ہے +

چین میں جب ایک ہندوستانی کوئی دوسرا ہندوستانی دیکھ پاتا ہے۔ تو وہ سب فروعی اختلاف بھول کر صدق دل اور خوشی سے اُس کا خیر مقدم کرتا ہے اور ایسی حالت میں تمام خطہ چین میں اُس کا دوست اور بازو صرف وہی ہوتا ہے۔ دونوں کا ایسا خلط ملط ہوجاتا ہے کہ گویا ماں جائے ہیں +

جب کبھی دو مختلف ملکوں یا قوموں کے باشندے کسی جنگلی درندے کے مقابلہ میں آتے ہیں۔ تو وہ دونوں مکر اُسی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسی حالت میں اُن کی ایک ہی غرض ہوتی ہے۔ اور اُس حالت میں ان دونوں کی ملت مشترکہ صرف انسانیت ہی ہوتی ہے +

ایسے وقت میں نہ تو ایک سے دوسرا مذہب اور دھرم کا سوال کرتا ہے اور نہ کوئی یہ سوچتا ہے۔ کہ تمہاری قومیت کیا ہے۔ اور کس فرقہ کے نام لیوا ہو +

یہ حالات ہمیں سکھلاتے ہیں کہ اغراض مشترکہ کا سوال یا ضرورت ہمیں کبھی نہ کبھی ایک بنا سکتی ہے۔ اگر ہم سب بالائی یا جزوی خیالات چھوڑ یہ تسلیم کرلیں۔ کہ

"کل انسان ایک ہیں" +

"اور بہ حیثیت سلسلہ انسانیت کے ایک دوسرے کے بھائی ہیں" +

تو دنیا میں ایک بھی اختلاف باقی نہیں رہ سکتا۔ اور آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ

اغراض مشترکہ کا وجود موجود ہے۔ اور تمام معاملات میں یہ سوال کیسا حل ہوتا ہے۔ اور کیا اس کے فائدے ظہور میں آتے ہیں جب سلسلہ نظام ملت پر غور کرتے ہوئے لوگ ہمیشہ قوم قوم کہتے۔ اور اس پر بحث کرتے ہیں۔ اور ایک قوم دوسری قوم سے جدا رہ کر منزل پر پہنچنا چاہتی ہے۔ لیکن نہیں پہنچا جاتا — دراصل انتہائی ضروریات کے لئے مقام کوئی شے نہیں ہے۔ انتہائی ضروریات کے واسطے ہمیشہ نظام ملت کام دیتا ہے۔ کیونکہ ایک قوم صرف اپنی قومیت کی ہی حمایت کرتی ہے۔ لیکن ایک نظام ملت قوموں۔ اور ملک دونوں کی حمایت کرتا ہے +

"بعضوں نے کہا ہے" کہ

"قومیں حکومت اور دولت سے ترقی پاتی ہیں" +

"یہ دونوں اسباب قوموں کے عروج اور اقبال یا شہرت کا باعث ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ دونوں اسباب بھی عارضی ہیں۔ جب تک ان کے ساتھ اسباب لازمیہ نظام ملت نہ ہوں۔ تب تک قومیں اصلی ترقی کی مالک یا وارث نہیں ہو سکتیں۔ اگر ایک قوم یا چند قومیں خوش قسمتی سے دولت اور حکومت رکھتی ہیں۔ اور اُن میں نظام ملت نہیں تو اُن کی ایسی حکومت یا دولت کوئی وقعت نہیں رکھ سکتی۔ کیونکہ ایسی حکومت یا دولت کے قیام کے اصلی اسباب مفقود ہیں۔ قوم بمنزلہ ایک وجود کے ہے۔ انسان بوجہ اپنے قد و قامت اور ڈھانچہ کے انسان نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ اس وجہ سے اُس کی کوئی قدر و منزلت ہو سکتی

ہے۔کیونکہ دنیا میں اِس کے مقابلہ میں اور بھی چند در چند صدہا وجود پائے جاتے ہیں۔ اور اُس سے زیادہ تر اُن کا قدوقامت ہے۔انسان صرف اُن صفات کی حیثیت سے انسان ہے۔جو اُسے اور خلقت سے جدا کرتے اور تمیز دیتے ہیں۔ایک قوم اور اُس قوم کے افراد مختلفہ بے شک ایک قوم ہیں لیکن جب تک اُس قوم میں نظام ملت کی سچی قوت نہ ہو۔تب تک یہ نہیں کہا جاسکتا۔

"اُس میں حقیقی قومیت کا جوش بھی موجود ہے"۔

"یا چند قوموں کو یہ حیثیت اسکے کہ وہ ایک ملک میں رہتی ہیں۔ یہ درجہ حاصل ہوچکا ہے"۔

تاریخ ہمیں اِس مرحلہ پر آسانی سے لے جاتی ہے۔کہ جن قوموں کو حکومت اور دولت حاصل تھی۔ اور اُن کا اقبال روز افزوں ترقی پر تھا۔ جب اُن میں نظام ملت کا زور نہ رہا۔ اور شیرازہ ٹوٹ گیا۔تو نہ حکومت نے اُن کی کوئی امداد کی۔ اور نہ دولت نے کوئی سہارا دیا۔ قوموں میں اُن کی عزت جاتی رہی۔اور خود اپنی حد میں بھی اُن کی کوئی وقعت نہ رہی۔

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔کہ نری حکومت اور دولت سے ہی قوموں کی عزت ہوتی ہے۔ اور حکومتوں کے ملنے سے ہی اُن کے حقوق کا تصفیہ ہوتا ہے۔وہ غلطی پر ہیں۔یہ سب اُس وقت تک محض خوش کن سہارے ہیں۔جبتک نظام ملت کا وجود نہ ہو۔

اگر ایک قوم یا چند قومیں مفلوک الحالت ہیں۔ اور اُن میں دولت اور حکومت نہیں۔لیکن نظام ملت موجود ہے۔ اور اُن سب کا سلسلہ اُس کے ماتحت چلا آتا ہے۔تو وہ ایک قوم یا قومیں ہیں اور انہیں دنیا میں ایک احترام اور ایک عزت

حاصل ہے۔ دوسری قومیں اُن کا اعتبار کرتی۔ اور اُن پر بھروسہ رکھتی ہیں۔ اور اُنہیں اُن کا سکہ بیٹھا ہُوا ہے۔ دنیا میں بعض قومیں ایسی بھی ہیں۔ جو علم و دولت میں اپنی ہمسایہ قوموں کا کسی صورت میں مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ مگر چونکہ اُن میں نظام ملت کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ اِس واسطے اُن کی بے قدری نہیں ہوتی +

جب تک کوئی قوم اپنا وقر آپ نہیں کرتی۔ اور اپنے اندرونی افراد میں وہ خود معتبر نہیں سمجھی جاتی۔ تب تک نہ تو دولت اور نہ حکومت اُس کے فخر کا موجب ہوتی ہیں۔ اور نہ دوسری قومیں اُسے قدر کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ اور خود بھی وہ اپنی نگاہوں میں حقیر ہوتی ہے۔ کسی قوم کا وقر اور احترام دوسری قوموں کی نگاہوں میں کب قایم ہوتا ہے۔ جب اُس میں نظام ملت کا سلسلہ موجود ہو +

نظام ملت کیا ہے +

"ایک ملک میں رہنے کی حیثیت سے چند قوموں یا ایک قوم کے مختلف افراد کا آپس میں خلوص اور محبت سے تعلقات قایم رکھنا" +

"جب کبھی ایسے تعلقات میں فتور آئے تو اُس کا خاص کوشش سے مکرر قایم کرنا" +

"اُن اغراض مشترکہ کا محفوظ رکھنا۔ جن پر ایسے نظام ملت کی بنیادیں قایم ہوتی ہیں" +

"قومی احترام کے لئے ملک اور اُس سرزمین کی عزت کرنا جس میں ایسی قوم یا قومیں رہتی ہیں" +

جس قوم یا جن قوموں میں یہ اعتبارات نہیں ہیں۔ اُس میں نظام ملت کی روح نہیں ہوگی۔ اور وہ کبھی اصلی ترقی کی وارث نہیں کہی جاسکتی۔ جو قومیں گری ہوئی ہیں۔ اور جن میں تنزل کا زور ہے۔ اُنہیں سب سے پہلے نظام ملت کے

قوانین کا اتباع لازمی ہے۔ جب تک نظام ملت کے ماتحت ہو کر وہ کام نہیں کریں گی۔ تب تک اُنہیں اور قوموں کے سامنے کوئی درجہ حاصل نہیں ہو سکتا +

یہ ملتی اعتبارات کب حاصل ہو سکتے ہیں۔ جب قوموں میں سے تفرقی اعتبارات کی نفی کی جاوے۔ اور اُن ابتدائی خرخشوں سے خلاصی ہو۔ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ جب قوموں کے اندر مذہبی اعتبارات متفرق اور ہر مرحلہ پر مذہب رخنہ اندازی کرتا ہو۔ تو نظام ملت دن بدن کمزور ہوتا جاتا ہے ایسی حالت میں +

"یا تو مذہب معاشرتی مرحلوں سے بالکل الگ رکھا جاوے" +

"اور یا مذاہب میں اشتراک کی حتے الامکان سبیل نکالی جاوے" +

اسی طرح رسم و رواج میں بھی ترمیم ہونی چاہیئے۔ کیونکہ بعض اوقات رسم رواج مذہب کی پابندیوں سے بھی زیادہ حارج ہوتے ہیں دنیا کی اکثر قومیں اس وقت کیوں دن بدن گرتی جاتی ہیں۔ صرف اس واسطے کہ اُن میں اسی قسم کے حارجات زور سے کام کر رہے ہیں +

بہت لوگ یہ کہنے کے عادی ہیں۔ کہ

ایسی پابندیاں صرف قومی اقبال سے ہی ٹوٹ سکتی ہیں۔ یہ غلط ہے۔ جب تک ایسی پابندیاں ہوتی ہیں۔ اقبال ہوتا ہی نہیں۔ یا صرف برائے نام اقبال کی بنیاد اسی صورت میں پڑتی ہے۔ جب نظام ملت کے ماتحت ایسی پابندیوں کی قربانی کی جاتی ہے +

کیا ہم یہ سوال کر سکتے ہیں۔ کہ

ایشیائی قوموں میں کوئی نظام ملت ہے +

جواب اس کا یہی ہو سکتا ہے۔ کہ نام کو بھی نہیں ہوتا۔ کیا نظام ملت کی

تعریف سے بھی اُنہیں خبر اور آگاہی نہیں۔ اگر کوئی کوئی قوم قومیت کے دائرہ سے واقف ہے۔ تو وہ بھی صرف رسمی طور پر نہ کہ حقیقتاً ایشیا کی کونسی قوم یہ کہنے کا حق رکھتی ہے۔ کہ وہ بہ حیثیت ایک قوم کے دنیا میں رہتی ہے۔ یا اُس میں قومیّت کا واقعی مادہ موجود ہے۔ ایک قوم بھی ایسا دعوےٰ کرنے کا حق نہیں رکھتی +

یورپین قوموں میں ایسی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ وہی اِس کے اہل بھی ہیں۔ اُن میں نظام ملت اِس خوش اسلوبی سے پایا جاتا ہے۔ اور وہ اُس کی حفاظت اسی خوش اسلوبی سے کر رہے ہیں۔ کہ دنیا بھر میں اُسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اِن قوموں نے پہلے قومیّت کا مسئلہ حل کیا۔ اور پھر قومیت کو نظام ملت کے ماتحت لاکر اُس کا استحکام قرار واقعی کر دکھایا۔ جو ایشیائی قوم اِس مرحلہ میں کسی یورپین قوم کا مقابلہ کرتی ہے۔ وہ اپنے تئیں ایک مغالطہ میں ڈالتی ہے۔ اور اُن راہوں سے ہٹتی جاتی ہے۔ جو اِس منزل پر پہنچنے کی ہیں +

کوئی ایشیائی قوم اِن راہوں میں یورپین قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اُن قوموں کے لئے مدت سے ایک شاہ راہ تیار ہے۔ اور اُس پر زور شور سے آمد و رفت ہو رہی ہے۔ اور ایشیائی قوموں نے شاہ راہ تو کیا اپنے لئے ایک پگ ڈنڈی بھی تیار نہیں کی۔ یورپ میں جب کوئی معاملہ زیر بحث ہوتا ہے۔ تو اُس پر سب قومیں بلا لحاظ مذہب و فرقہ کے غور اور بحث کرنیکی عادی ہیں۔ ایشیا کے کل ملکوں میں اِس کے خلاف عمل ہوتا ہے۔ ہر قوم مذہب کی لین ڈوری کے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔ اور رسم و رواج کو اپنا رہبر یا رہنما بناتی ہے ایک قوم دوسری قوم کی سد راہ ہے۔ اور دوسری قوم تیسری قوم کے لئے ایک

سخت ٹھوکر +

اِن حالات میں یہ کبھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ ایشیائی قوموں میں یورپین قوموں کے مقابلہ کی سکت ہے ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں

بجائے اِس کے کہ ایشیا کی قومیں اَور مشاغل میں مشغول اور مصروف ہوں اُن کا فرض ہے۔ کہ بہ طریقۂ اقوام یورپین نظام ملت کی بنیاد رکھیں اور یورپین قوموں سے سبق لیں +

اُن رسموں اور اُن رواجوں کا کھنڈن کریں جو ایک کو دوسرے سے ملنے نہیں دیتے ہیں۔ اور جو اِس راہ میں بُری طرح سے حارج ہیں۔ چونکہ مذاہب کا دلوں سے زیادہ تر تعلق ہے۔ اِس لئے دنیوی اور ملکی معاملات میں اُس درجہ تک اُن کا دخل رہنا چاہیئے۔ جہاں تک عاقبت سے واسطہ ہے +

جب ایشیائی قومیں اِس درجہ تک پہنچ جاویں گی۔ تو اُس وقت یہ کہا جاویگا کہ اُن میں بھی کوئی نظام ملت ہے۔ جب تک یہ درجہ نہ حاصل ہو۔ تب تک ہر ایک قسم کی ملکی و قومی کوشش بے سود ہی ثابت ہوگی +

اگر یہ رسم و رواج قومیت کے خاصے ہیں۔ تو اُنہیں قوم کی خاطر اور ملک کے واسطے اُس حد تک باقی رکھا جاوے۔ جہاں تک کہ وہ قوم کے موجودہ حالات کے موافق مناسب ہوں۔ لوگ یہ تو چاہتے ہیں۔ کہ ہم یہ ہوں اور وہ ہوں۔ لیکن اِس طرف جاتے ہی نہیں۔ کہ

"اُنہیں کون سے مواقعات اصلی ترقی سے روکتے ہیں" +

"اور دراصل اُنہیں کن باتوں کی ضرورت ہے" +

یہ کہنا کہ اور قومیں ہماری ترقی کی حارج ہیں۔ درست نہیں۔ ہم خود اپنی

ترقی کے حارج ہیں۔ہم خود اُس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں +

لوگ کہتے ہیں۔کہ

قوموں میں اتفاق کیسے ہو اور کس طرح مختلف مذاہب کی قومیں ایک ہی سٹیج پر آجاویں۔لیکن کبھی یہ بھی بحث کی گئی ہے۔کہ ایسی مختلف قومیں ایک ہی پلیٹ فارم پر کس طرح رہ سکتی ہیں۔موجودہ مذہبی مناقشے ہمیشہ ایک قوم کو دوسری قوم سے دور ہی دور رکھتے ہیں۔اور اُن میں آشتی کی روح چھنکتے چھنکتے رہ جاتی ہے۔سب سے اول یہ لازمی ہے۔کہ لوگ ایک دوسرے کے مذہب کا ادب کریں۔اور جو بحثیں ہوں۔وہ ایک سلیقہ سے کی جاویں۔اور اُنہیں ملکی اغراض سے دور رہنے دیا جاوے +

بے شک مذاہب نظام ملت کے مانع نہیں ہیں۔مگر اُس میں حارج ضرور ہیں۔ہماری بڑی کوشش یہی ہے۔کہ ہم اس وجہ سے محفوظ رہنے کی عملی تجویزیں سوچیں جب تک اُن راہوں سے منزل طے نہ ہو۔تب تک کسی فلاح کی اُمید نہیں کرنا چاہیئے +

بعض لوگوں کی یہ رائے بھی ہے کہ جب تک قومیں آپس میں ناطہ ونسبت نہ کریں۔اور اُن کا خورد ونوش کھلے طور پر نہ ہوجائے تب تک نظام ملت قائم ہی نہیں ہوسکتا۔یہ بھی کسی قدر درست ہے۔اور اُس سے زیادہ تر یہ کہ سب کا مذہب ہی ایک ہوجاوے۔لیکن اول اول یہ لازمی ہے۔کہ

اُن میں اغراض کا مشترکہ قانون پایا جاوے۔اور وہ باوجود ان سب اختلافات کے بھی اُن کے حامی ہوں۔یہی اصلی نظام ملت ہے +

حاجی نظام ملت

شریمان سوامی وویکانندجی

از مسٹر شانتی نارائن رائے زادہ

مبارک ہیں وہ انسان جو ہو انساں کہلاتے ہیں — جو بہبودی کا اپنے ملک کی بیڑا اٹھاتے ہیں
زباں پہ ہر کس و ناکس کی ان کا نام ہوتا ہے — ہر اک مجمع میں ان کے کارنامے گائے جاتے ہیں

گذشتہ صدی میں بد قسمت آریہ ورت کو اس کی گری ہوئی حالت سے اٹھانے خفتہ بخت آریہ جاتی کو خواب غفلت سے جگانے۔ بدنصیب رشی سپوتوں کو چاہِ ذلالت سے نکالنے اور اگیان وجہالت کے اندھیرے غار میں گرتی ہوئی ہندو جاتی کو سنبھالنے کا پاک مشن جن پوتر آتماؤں نے اپنے سر پر لیا ان میں سے شریمان سوامی وویکانندجی بھی ایک ہیں۔ آپ نے بھارت ادھار کے متعلق جو کام سرانجام دیا ہے۔ وہ تقریباً سب کا سب پنجاب سے باہر ہوا ہے۔ اس لئے پنجاب میں عوام آپ کے نیک نام اور پوتر کام سے بہت ہی کم واقف ہیں۔ اور اسی وجہ سے ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ اہل پنجاب کو آپ کی ملکی خدمات سے قدرے واقفیت دلائی جائے اور بتلایا جائے۔ کہ آپ کے پوتر ہردے میں دھرم بنی نوع انسان اور تمام کائنات عالم کا پریم ہوتے ہوئے بھی اپنی پوتر ماتری بھومی کا پریم کیسا زبردست تھا اور کس طرح پر آپ اپنی پیاری ویر جننی ماتری بھومی کی گری ہوئی حالت پر آنسو بہاتے تھے۔ کس طرح آپ نے خود اپنی پیاری بھارت ماتا کی سیوا کی۔ اور کس طرح ہمیشہ جب تک جیئے آپ اپنے متروں اور دوستوں کو اس پوتر کام کے لئے اکساتے رہے۔

رسالہ آزاد میں اتنی گنجایش تو کہاں۔ کہ آپ کی زندگی کے پورے واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔ اور ان سے کارآمد نتائج نکالے جائیں۔ لیکن ہاں اس قدر

ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ جب تک آپ کی کوئی سوانحعمری طیار ہو۔ جو کہ اس کمی کو پورا کر سکے آپ کی زندگانی کا ایک آدھ واقعہ لے کر اس سے کچھ نتیجہ اخذ کر کے ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور کسی دوسری کتاب کی عدم موجودگی میں یہ بھی جو کچھ ہو گا غنیمت ہو گا +

آپ کا جنم ۹ رجنوری ۱۸۶۲ء میں ایک نہایت ذی حیثیت کائستھ خاندان میں ہوا۔ جو کہ سمونیا کادت خاندان کہلاتا تھا۔ اور آپ کا نام نریندر ناتھ دت رکھا گیا۔ آپ اپنے دادا جی کے بہت ہمشکل تھے۔ یہ مہاتما بھی زندگی کے آخیر حصہ میں سنیاسی ہو گئے تھے۔ آپ کے پتا جی کا نام وشوناتھ دت تھا۔ اور وہ کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک مشہور اٹارنی تھے +

آپکی والدہ ماجدہ نہایت عاقلہ اور دور اندیش تھیں۔ اِن کا حافظہ بلا کا تیز تھا۔ جس بھجن کو ایک مرتبہ سُن لیتی تھیں۔ وہ اِن کی نوک زبان ہو جاتا تھا۔ یہ دیوی ابتک حیات ہیں۔ اِن میں پرماتما بھگتی کے ساتھ ساتھ دیش بھگتی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے حال ہی میں جبکہ اِس دیوی کے چھوٹے سپوت کو جن کا نام نامی شری بت بھوپندر ناتھ دت ہے۔ اخبار یگانتر کی ایڈیٹری کرتے ہوئے اپنے پیارے وطن کی خدمت ادا کرنے کے جرم میں دو سال کی قید سخت کی سزا ہوئی۔ اور یہ خبر اِس دیوی کو پہنچائی گئی۔ تو اُنھوں نے رنج و غم ظاہر کرنے کی بجائے اپنی سپوت کی عزت افزائی پر نہایت خوشی کا اظہار کیا اور نہایت دلی مسرت کے ساتھ کہا۔ کہ پرماتما کا ہزار ہزار شکر ہے جو میری اولاد اِس طرح اپنی ماتری بھومی کی خدمت میں اذیت اُٹھا رہی ہے لیکن اپنے پاک فرض کی ادائیگی سے نہیں ٹلتی۔ یہ دراصل اِسی ویر جننی ماتا کی تعلیم کا اثر ہے جس سے اثر پذیر ہو کر شری بت نریندر ناتھ المعروف سوامی وویکانند جی اور شری بت بھوپندر ناتھ اِس طرح پر اپنی قوم کی بہتری اور بہبودی کے لئے قربان

ہوئے۔ مبارک ہیں وہ پوتر ماتائیں جو اپنی اولاد کو اس طرح ملکی اور قومی مفاد پر قربان کرنے کے لئے ہردم طیار رہیں۔ جب تک ہندوستان کے اندر ایسی ایسی ماتائیں موجود ہیں۔ تب تک دنیا کی کوئی انسانی یا شیطانی طاقت بھارت کو نیست و نابود نہیں کرسکتی +

کہنے کی ضرورت نہیں کہ سوامی جی مہاراج بچپن ہی سے نہایت ہونہار اور راستی پسند تھے۔ کیونکہ ایسی پاک دیوی کے بطن میں کب کوئی ایسی روح قیام کرسکتی ہے جو کہ ایسی نہ ہو۔ جوانی میں آپ کی غور و خوض اور نکتہ چینی کی یہ حالت تھی۔ کہ آپ نے اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں دنیا کے مایہ ناز ہربرٹ سپنسر جیسے استاد زمانہ فلاسفر کے فلسفہ پر بھی نکتہ چینی شروع کردی۔ فقط یہی نہیں۔ کہ اپنے ہم جماعت طلبا یا احباب میں ہی اس فلاطون وقت کے اصولوں پر آپنے رائے زنی کی ہو۔ بلکہ آپنے نہایت جرأت اور دلیری سے خود ہربرٹ سپنسر صاحب کے پاس بھی اس کے فلسفہ کی نسبت اپنی رائے لکھ بھیجی۔ رشی سپنسر اس نوجوان کی جولانی طبع اور فہم رسا کے کمال کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اس تحریر کا نہایت حوصلہ افزا جواب دیا۔ اور آخر میں نصیحت کی کہ ہمیشہ راستی اور سچائی کی تحقیقات میں اسی طرح لگے رہو۔ کیونکہ

راستی موجب رضائے خداست
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

ایام طالب علمی میں مغربی فلسفہ کا مطالعہ یہ رنگ لایا۔ کہ آپ دہریئے اور ناستک بن گئے بعد ازاں کالج سے نکلکر آپ برہم سماجیوں میں شامل ہوئے اور انکے فیض صحبت کی بدولت دہریہ پن سے چھوٹے۔ مگر بعد میں برہم سماج کی تعلیم بھی آپ کے دلی اطمینان کے لئے ناکافی ثابت ہوئی۔ اور اس لئے آپ نے جلد ہی اسے بھی خیرباد کہا۔ اور کسی بہتر راستہ کی تلاش میں مصروف ہوئے +

مثل مشہور ہے۔ جوئیندہ یابندہ۔ آخرکار بعد سرگردانئے بسیار آپ کو اپنے ایک رشتہ دار کی بدولت پرم ہنس مہرشی رام کرشن جی کا دیدار نصیب ہُوا۔ اُس وقت آپ اپنے دلی بیقراری سے بہت تنگ آئے ہوئے تھے۔ اور ہر طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔ مہرشی کے درشنوں نے ہی آپ پر وہ اثر کیا کہ گورو نانک دیو جی کا بچن ع

بسر گیا میرے من کا سنشی جب تیرو درشن پایو رام

آپ پر بالکل صادق آیا۔ رشی بھی آپ کو دیکھتے ہی جان گئے۔ کہ آ گئے جن کی انتظاری تھی +

رشی نے پوچھا کہو بچہ کچھ گانا جانتے ہو۔ آپنے جواب دیا۔ "ہاں مہاراج اپنا چت پرسن کر لیتا ہوں"۔ رشی نے کہا "تو اچھا ہمارا چت بھی پرسن کرو"۔

یہ سن کر نوجوان نریندر نے اپنی سریلی اور دلکش آواز سے بھگتی اور پریم رس میں بھرے ہوئے دو تین بھجن گائے۔ پرم ہنس جی پر انکے سنتے ہی حالت راقبہ طاری ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد جب سمادھی ٹوٹی۔ نریندر ان سے رخصت ہُوا۔ رخصت ہوتے ہوئے پرم ہنس جی نے کہا کبھی اکیلے آنا +

نریندر کا پرم ہنس جی کے پاس آنا جانا شروع ہُوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ چند ہی روز کے بعد وہ اِن کا چیلا ہو گیا۔ اِس کے سارے شکوک دور ہو گئے مرشد کامل نے طالب حقیقت کو وہ راز معرفت بتائے کہ اس کا مقصد دلی حاصل ہُوا +

کچھ عرصہ بعد پرم ہنس جی کا چولا چھوٹا۔ نریندر ناتھ جو کہ مدت سے ودیک (غور و خوض) میں آنند (خوشی) پانے والا ودیکانند ہو تے تھے۔ کنج تنہائی میں ریاضت کے مزے لوٹنے کے لئے ہمالہ کی چوٹیوں پر جا چڑھے۔ اور کچھ عرصہ تک عبادت اور ریاضت میں مصروف رہے۔ اور خلق خدا کی خدمت کے لئے اپنے اندر طاقت پیدا کرتے رہے۔ بعد ازاں اپنی کُٹی سے نکلے۔ اور اپنے متبرک مشن

میں لگ گئے +

آپ مدراس میں اپنے پوتر مشن میں مصروف تھے۔ کہ چکاگو کی مذہبی کانفرنس کی دھوم مچی۔ اہل مدراس نے آپ کو ہندو دھرم کا وکیل بنا کر امریکہ بھیجنا چاہا۔ آپ کو کب انکار تھا۔ فوراً طیار ہو گئے۔ وہاں پہنچکر آپ نے وہ دھواں دھار لیکچر دیئے۔ کہ ہر شخص کی زبان سے بے تحاشہ تحسین و آفرین کے کلمے نکل پڑے اخبارات میں آپ کی لیاقت اور قابلیت کا ڈنکا بجنے لگا۔ سارے امریکہ میں آپکی دھوم مچ گئی۔ نیویارک ہیرلڈ نے لکھا۔ کہ "اس میں بالکل شک وشبہ کی کسی گنجایش نہیں۔ کہ ہماری کانفرنس میں سوامی ویویکا نند جی سب سے زیادہ قابل تعظیم شخص ہیں۔ آپ کی عالمانہ تقریریں سن کر ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس عالم قوم کی اصلاح کے لئے جس میں ایسے ایسے عالم و فاضل آدمی موجود ہیں۔ عیسائی مشنری بھیجنا کیسا فضول ہے" +

شہر شہر کے باشندوں نے آپ سے تشریف آوری کی درخواست کی۔ اور آپ نے اپنے امرت اپدیشوں سے اُن کی صداقت کی پیاس کو بجھایا۔ کئی ایک آدمیوں نے نہایت دلی عقیدت سے آپ کی شاگردی اختیار کی۔ امریکہ سے آپ انگلستان تشریف لے گئے۔ انگلستان میں آپ سے پہلے ہی آپ کی شہرت پہنچ چکی تھی۔ وہاں بھی آپنے اپنے اصولوں کا خوب پرچار کیا۔ وہاں سے آپ فرانس ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔ ہندوستان میں آکر آپ نے اپنے تجربہ سے لوگوں کو فیض یاب کرنا شروع کیا۔ اور کئی سال تک جنوبی ہندستان میں لگاتار کام کیا۔ جس کا اثر آپ کی صحت پر بہت خراب ہوا۔ اور آپ کو ڈاکٹروں نے بھی امریکہ وغیرہ جانے کا مشورہ دیا۔ اور آپ دوبارہ امریکہ تشریف لے گئے۔ سمندر کے سفر نے آپ کی صحت پر حیرت انگیز اثر کیا۔ اور جلد ہی آپ پھر تندرست

ہوگئے۔ اور آپ نے اپنا کام شروع کیا +

اِس اثنا میں پیرس میں مذہبی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ آپ کو نوید آیا۔ یہاں کسے انکار تھا۔ بقول لیکہ ع

کوئی آتا ہے پیروں سے ہم آئیں اپنی آنکھوں سے

فوراً وہاں پہنچے۔ اور وہ نام پایا۔ کہ باید و شاید۔ فرانس میں آپ کو بہت محنت سے کام لینا پڑا۔ پھر صحت خراب ہوگئی۔ اور آپ ہندوستان سے جیسے گئے تھے اِس سے بھی خراب صحت لیکر واپس آئے +

مگر اس بیماری نے آپ کے کام کرنے کے شوق کو اور بھی تیز کیا۔ اور آپنے غالباً اِس خیال سے کہ زندگی کے جو کچھ تھوڑے سے دن باقی ہیں۔ ان میں جتنا کچھ بھی ہوسکے اپنے پیارے ملک کی خدمت کرلی جائے۔ بیماری کی طرف سے بفکر ہوکر کام کرنا شروع کیا۔ اِس عرصہ میں آپ کی خدمت میں جاپانیوں کا ایک ڈیپوٹیشن حاضر ہوا۔ جس نے آپ سے جاپان تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ مگر آپنے اپنی مجبوری ظاہر کرکے ان سے معافی مانگی۔ اِس طرح آخر وقت تک اپنا پوتر کام کرتے ہوئے اور اپنے امرت اپدیشوں سے طالبانِ حقیقی کی پیاس بجھاتے ہوئے آپ ۴ جولائی ۱۹۰۲ء کو پرلوک سدھارے +

آپ قومی بیماریوں کی شناخت میں حکیم حاذق کا رتبہ رکھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ آپ نے یورپ اور امریکہ کے مادہ پرستوں کو جو تعلیم دی۔ جھوٹے ویراگ میں پھنسے ہوئے ہندوستانیوں کے لئے وہ تعلیم غیر ضروری سمجھ کر انہیں اور تعلیم دی۔ آپ نے یورپ کو بتلایا۔ کہ دنیا میں صرف مادہ ہی مادہ نہیں۔ بلکہ اِس سے بھی لطیف تر طاقت ایک اور بھی ہے جس کی دریافت اور تسخیر کی طرف رجوع ہونا چاہئے۔ وہ طاقت "روح" ہے اور اب مادی دنیا کی تسخیر کرکے روحانی

دنیا کی تسخیر کی فکر کرنا چاہیئے +

مگر ہندوستانیوں کو آپ کی تلقین یہ تھی - کہ تم ابھی جیو اور برہم کی خصوصیت کے لیئے ہاتھ پر مت مارو - تمہاری یہ کوشش فضول ہے - مادہ جیو اور برہم یہ تین سیڑھیاں ہیں - برہم سب سے اونچی سیڑھی ہے - جب تک مادہ اور ازاں بعد جیو کی طاقتوں کا پورا پورا علم نہ ہو جائیگا - برہم گیان اگرنا ممکن نہیں - تو سب سے زیادہ مشکل تو ضرور ہی ہے - تمہارے لیئے یہی ضروری ہے کہ تم برہم پراپتی کے لیئے اول مادے کی سیڑھی طے کرو - از اں بعد جیو کی ازاں بعد کہیں - برہم کی پہچان نصیب ہوگی - برہم کی پہچان اور اس کی قربت تمہارا معراج ہے - اِسے ہرگز نظر انداز نہ کرو - مگر مادے اور جیو کی طاقتوں پر حکومت حاصل کرنا برہم پراپتی کے سہل سادھن ہیں - اِن کے ذریعہ سے تم بہت آسانی سے برہم تک پہنچ سکتے ہو +

آپ ہندوستانیوں کے لیئے سب سے پہلا کام روٹی کا پیدا کرنا خیال کرتے تھے - کیونکہ آپ کا یہ خیال تھا - کہ بھوکا انسان اور کوئی کام نہیں کر سکتا - اسلیئے آپ نے اپنے ایک خط میں یہ تحریر کیا تھا :-

"ہم مادی شائستگی کے برخلاف بیہودہ تقریریں کرتے ہیں - اگر اس بیہودگی کو صحیح تسلیم بھی کریں - تو بتاؤ تمہارے ملک میں کتنے ہزار مرد و عورات ہیں جو روحانی کہے جا سکتے ہیں - اب کہو - کیا ان کے روحانی بنانے کے لیئے ضروری ہو کہ تیں کروڑ آدمی وحشی جاہل اور فاقہ کش بنائے جاویں - آخر وہ کیوں کتوں کی موت مریں - اگر یہ روحانی ڈھکوسلہ نہ ہوتا - تو کیا مسلمان ہندوؤں کو فتح کر سکتے - دوستو یہ صرف مادی تہذیب کی ناواقفیت تھی - جس نے تمہاری گردنوں میں غلامی کا طوق پہنایا مادی ترقی کی ضرورت اور بھی ہے - تاکہ غریب محتاج - مفلس - قلاش اور محتاجوں کیلیئے عمدہ روزگار پیدا کیے جائے +

روٹی۔ روٹی۔ روٹی۔ میں اس ایشور پر کبھی ایمان نہیں لاؤں گا۔ جو مجھے اِس دنیا میں روٹی نہیں دیتا۔ اور عقبےٰ میں جاودانی راحت عطا کرنے کی امید دلاتا ہے۔ واہ۔ کیا کہنا ہے۔ میرے بچو۔ تمہیں ہندوستان کو اٹھانا۔ اِس کے محتاج بچوں کو روٹی دینا۔ تعلیم پھیلانا۔ اور پجاریوں کے ناپاک اور غلیظ مکر کو پاؤں سے کچل ڈالنا ہے۔ پوجاری پن کی ضرورت نہیں۔ سوشیل غلامی کی ضرورت نہیں۔ ضرورت ہے صرف روٹیوں کی۔ ہر شخص کو ترقی کا موقعہ ملنا چاہیئے۔ وہ مرد کبھی آزادی کا مستحق نہیں۔ جو اوروں کو آزادی دینے کے لئے طیار نہیں ہے" +

پیارے ناظرین۔ گنجایش نہیں۔ کہ سوامی جی مہاراج کی تعلیم و تلقین مفصل آپ کے سامنے پیش کی جائے۔ اِن چند سطور پر غور کیجئے۔ اور ایک ایک نقطہ میں دیکھئے کہ کتنے سبق ہیں۔ مہاتماؤں کی زندگیاں ہمیں کامیابی کا راستہ دکھلاتی ہیں۔ پرماتما ہمیں بل دیں۔ کہ ہم سوامی جی کی تعلیم سے موثر ہو کر ہندوستان کے اُٹھانے کے متبرک کام کو اپنے سروں پر لیں۔ اور اِس کے محتاج بچوں کے لئے روٹی بہم پہنچانا اپنا فرض سمجھیں۔ پرماتما ہمیں طاقت دیں۔ کہ ہم گورنمنٹ کی وفادار رعایا بنکر غلامی سے اپنے بھائیوں کو آزادی دلانے میں کامیاب ہوں۔ کسی شخص کی آزادی کے راستہ میں سدراہ نہ بنیں۔ تاکہ ہم بھی ایک دن غلامی سے آزادی پاسکیں +

شانتی نارائن

زندہ جاوید رام

از مسٹر ہرگوبند پرشاد نگم ایم۔ اے دہلوی

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

ہمارا محسن شفیق۔ ہمارا محب رفیق پیارا رام جس کی ایک الفت بھری نگاہ دلوں کو موہ لیتی تھی۔ اور جس کا ایک نعرۂ "اوم" ہزارہا مردہ دلوں میں راستی اور نیکی کا بیج بو دیتا تھا۔ جس کے درشن سے انسان نیک بنتے تھے اور جس کی صحبت آدمی کے چال چلن کو ٹکسالی اور مثالی بنا دیتی تھی۔ ہم سے قریب ایک سال کے ہوا ہے روپوش ہو گیا۔ دس مہینے سے زیادہ ہو گئے۔ کہ اُس بلبل ہزار داستان کی میٹھی میٹھی آواز مشتاق کانوں میں نہیں پڑی اور نرگس وار دارہ کو بھی منتظر آنکھوں نے اُس بدر کامل کے نورانی چہرہ کا جلوہ نہیں دیکھا۔ جس کی شعاعیں گذشتہ ماتمی دس ماہ کے قبل ہزاروں آنکھوں کو نورانی بناتی تھیں اُس گل رعنا کی خوشبو خوش گوار نے اس عالم اسفل کو مدت ہوئی معطر کرنا چھوڑ دیا +

اِس بلبل خوش گو نے ابھی اِس چمن سے پرواز کیا ہی تھا۔ کہ تمام "نیچر" نے ماتمی لباس خزاں زیب تن کیا اور کوہ و دامن اشجار و انہار سے یہ وحشت انگیز صدائیں آنے لگیں۔ ہمارا عاشق زار ہمارا دلدادہ و شیفتہ ہم پر مرنے والا آج ہم سے جدا ہو گیا۔ مدت سے جس کے وصل کے واسطے تڑپتے تھے۔ آیا اور دو روزہ خوشی بخشکر پھر چلتا پھرتا نظر آیا۔ تیری جدائی نے ہمارے سنگین دلوں پر وہ چوٹ لگائی ہے۔ کہ ناگفتہ بہ۔ اِس سے تو بہتر تھا کہ وصل کے انتظار ہی میں رہتے تاکہ جدائی کے صدمے سے تو محفوظ ہوتے ابھی وصل کے مزہ کو بھی اچھی طرح سے محسوس نہ کیا تھا۔ کہ ہجر کا صدمہ جانکاہ ہماری جان

کے واسطے موجود ہوگیا۔ خیر معشوقوں کا ماتم بین و بکا تو عارضی ہوتا ہی ہے۔ سنگین دل نیچرنے تو چار ماہ ہی کے بعد اپنی ماتمی پوشاک کو پھاڑ کر پھر اپنا لباس بہار زیب تن کیا۔ وہی سُرخ سُرخ پھول ہرے ہرے پتے اور لہلہاتی ہوئی سبزی کے پردوں میں چھپ چھپ کر اپنی چھب دکھانے لگی اور عاشقوں کے دلوں میں جوش جنوں پیدا کرنے لگی۔ مگر رام پیارے رام تو ہی تو بتا۔ کہ اُن دلوں کی خزاں کو کونسی بہار دور کرسکتی ہے۔ جو جانتے ہیں۔ کہ تیرا وجود تیرے ملک کی ملکی و دینی خزاں کیواسطے بہار تھا۔ کاش کہ موجودہ وحشت انگیز ملکی واقعات پر تیری دوربین اور وسیع نظر پڑتی تو ہمارے محزون اور مردہ دلوں کو اپنی ذاتی خوش نفسی سے مسیحاوار تازہ روح بخشتا۔ اور ہم کو اپنی خرزدہ پیشانی سے اوم گا کر بتلاتا۔ کہ ع

چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

کچھ امیدیں پیدا ہوتیں۔ کچھ طبیعتیں شگفتہ ہوتیں۔ ادھر تیری زندہ مثال خود ایثاری نفس کشی اور محبت عالم کا سبق ہر روز تازہ پڑھا کر پابوسی سے بچاتی اور کہتی۔ ؎

نگہ صفت جو سر تراشیں گے عدو

نام اپنا بھی مثال شمع روشن ہوگا

رام کی جدائی کا صدمہ اُس کی صحبت پاک اور تلقین ابھی سے جو دنیا کو فیض پہنچ رہا تھا۔ اُس کا رنج ۔ اپنے ملک کی ملکی حالت اور موجودہ تکالیف اور بدبختی جس نے بڑے بڑے لایق مدبروں کے دلوں کو سیاہ اور بڑے بڑے انصاف پسندوں کو ۔ عاقلوں کو بیوقوف اور غیر انصاف پسند بنادیا۔ اور غرض ایسے ہی بہت سے آلام کے خیالات پریشان کنی میں سوچ رہا تھا۔ کہ عالم خواب میں گذر ہوگیا۔ تو کچھ نئے عقدے کھلنے شروع ہوئے۔ اور دیکھا۔ کہ ایک چمن وسیع میں سیر کر رہا ہوں۔ اِس پھول کو دیکھتا ہوں۔ اُس پھول کو دیکھتا ہوں۔ مگر طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ کہ یکایک سامنے

نظر اُٹھا کر دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہی مسکراتا ہوا چہرہ۔ وہی اوم گاتے ہوئے لب۔ وہی محبت بھری نگاہیں۔ وہی ملے ہوئے ہاتھ جو ہر کس وناکس کو اتحاد اور یکجہتی اور وحدہٗ لاشریک کا سبق پڑھاتے ہیں۔ کثرت میں وحدت دکھاتے ہیں۔ وہی سنہری چشمہ صاف رنگ جس میں سے رام سب کے وجود اصلی کو دیکھتا تھا۔ تخت نور پر جلوہ کناں سامنے موجود ہے۔ سر تسلیم خم ہوگیا۔ پاک قدموں کو بوسہ دیکر اپنی زندگی کو پاک کیا۔ اور چشم زدن میں اپنے آپ کو پیارے رام کے آغوش میں پایا۔ ایک حس۔ ایک مسکراہٹ۔ ایک لب کے اشارہ سے تمام کلفتیں دور ہوگئیں اور تمام آرام خیرباد کہہ گئے۔ امید کا خوش روپ سامنے نظر آنے لگا۔ کیونکہ رام نے اپنے دہن مبارک سے فرمایا +

"کیوں جی موت کی چاہت کو اتنی جلدی بھول گئے۔ رام کو کون مار سکتا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ نہیں تم میں موجود ہوں۔ پورن ونارائن و ہری وغیرہ سب میرے ہی تو وجود ہیں۔ مایوسی کو ہرگز جگہ نہ دو۔ تکالیف کو مردانہ وار برداشت کرنا انسان کو بزرگ بناتا ہے۔ اور جس قوم میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے لئے وہ باعث افتخار ہوتا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد سوامی رام فارسی کی مفصلہ ذیل غزل کے اشعار مست ہو ہو کر پڑھنے لگے +

تا شانہ صفت سر نہ نہی در تہ آرہ ہرگز بہ سر زلف نگارے نرسی
تا ہمچو در سُفتہ نگردی با تار ہرگز بہ بنا گوش نگارے نرسی
تا خاک نرا کوزہ نسازند کلالاں ہرگز بہ لب لعل نگارے نرسی
تا ہمچو قلم سر نہ نہی در تہ کارد ہرگز بہ سر انگشت نگارے نرسی
تا ہمچو حنا سودہ نگردی تہ سنگ ہرگز بہ کف پائے نگارے نرسی
ع خاک در چشمے کہ او نشناخت حسن خویش را مردہ آں دل کو بنا گرداں نشد درویش را

اور میں بھی کچھ ایسا بیخود ہوگیا - کہ دنیا و ما فیہا کی مطلق خبر نہ رہی - طبیعت کو شانتی نصیب ہوئی - دل کی تمام وحشت دور ہوگئی - آنکھ کھلی تو خیر وہ دل خوش کن منظر تو پیش نظر نہ تھا - نہ وہ موہنی صورت سامنے تھی - مگر دل بیقرار کو قرار تھا - کہ رام میرے پاس میری ہر وقت رہنمائی کرنے کو موجود ہے - اور یہ کہ ہم میں ہی پاک اخلاقی یقین خود داری و خود ایثاری کی کمی ہے - جس روز یہ باتیں ہم میں ہوئیں تو ہم بھی مثال دیگر اقوام کے دنیا کی افضل قوموں میں تصور کئے جانے لگینگے اور آزادی ہاتھ باندھ کر زر خرید لونڈی کی طرح ہمارے روبرو کھڑی ہوگی +

رام کا مبارک ذکر احباب سے آیا - معلوم ہوا - کہ زندہ جاوید سوامی کا خاص گاؤں جس میں اس بزرگ منش کی ولادت ہوئی تھی - اور ان کے والد ماجد جو ابھی حیات ہیں - یہاں سے بالکل قریب ہیں - جنم اشٹمی کا یوم سعید بالکل قریب تھا مصمم ارادہ کیا - کہ اس پاکیزہ روح کی جنم بھومی اور اس پاک نفس کے دنیاوی جنم داتا کے درشن کرنا سعادت ہے - چلو جنم اشٹمی جو سری کرشن چندر مہاراج کی ولادت کا یوم ہمایوں ہے - اس سے بہتر اور کونسا دن ہوگا - جو رام کی جنم بھومی کو دیکھیں اور جنم اشٹمی کے واسطے اور اس سے بہتر کیا مشغلہ ہوگا - کہ موجودہ صدی کے سب سے بڑے آدمی کی جنم بھومی کے درشن کریں میرے دوست مجھ کو مبارکباد دیتے ہیں - کہ میں نے اس پاک استھان کے درشن کئے - اور اس امر کا افسوس کرتے ہیں - کہ وہ اس سعادت سے بوجہ دوری کے معذور رہے +

جنم اشٹمی کا روز ہے - آخری شب میں چاندنی کھل رہی ہے - مشتاقان کو بے چینی ہے - کہ الٰہی کب صبح ہو - اور کب کوئے جاناں کی طرف "آنند" کی ٹھہرے بار بار کروٹیں لیجا رہی ہیں - اور ہر کروٹ پر آنکھ کھلجاتی ہے - اور چاندنی کے پھیکے پن سے صبح کا گمان ہوتا ہے تکیہ کے نیچے سے گھڑی کو اٹھا کر دیکھا - دو

بجکر ۵ ۲ منٹ "خیر قہور دیش بر جان و ردیش" پھر آنکھیں بند کیں۔ سونے کا ارادہ کیا۔ مگر نیند کہاں۔ پھر کروٹ لی۔ گھڑی کو ملاحظہ کیا۔ ابھی دو بجکر ۳۲ ہی منٹ ہوئے۔ گھڑی کو کان سے لگایا۔ کہ شاید بند ہو گئی ہو۔ غرض کشاں کشاں ساڑھے تین پر ظالم سوئی پہنچی۔ پھر تاب کجا۔ چادر پھینک نت نیم کا بندوبست کیا۔ چار بجے ساڑھے چار بجے اخبار صادق دل کی آمد کا انتظار رہے۔ ادھر کوچے یار کا خیال بار بار ہے۔ زندہ جاوید سوامی کی انگریزی کتاب Balanced Retirement سامنے ہے۔ چند اخبار آگئے ہیں۔ مضامین لفیسہ کا بیان ہے۔ بحث ہے۔ تفہیم و تحصیل کا خیال ہے۔ غرض خدا خدا کر کے تمام مجمع جمع ہؤا۔ اور سفر کی ٹھن گئی ؎

علی الصباح چو مردم بکار روند
بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند

صبح کا سہانا سماں رام کا ذکر ۵ میل کا راستہ چشم زدن میں طے ہؤا۔ اور "مراری والا" (کیونکہ یہی سوامی رام کے گانوں کا نام ہے) پہنچ گئے۔ نمازت آفتاب نے بولا دیا تھا۔ لالہ سکھدیال سنگھ صاحب وکیل کے باغ میں استراحت کی ٹھہری۔ کنواں چل رہا تھا۔ جل بھی ٹھنڈا تھا۔ اشنانوں کا تانگا لگ گیا۔ لالہ صاحب موصوف کے گانوں اور آدمی کیسے ہؤا کرتے ہیں۔ ایک بزرگ عمر رسیدہ اہل اسلام صاحب کہ کنوئیں پر نہانے کے واسطے تشریف لائے تھے یوں ہم کلام ہوئے +

عمر رسیدہ۔ آپ سب صاحب سیاح معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے جب آپ کے مجمع کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو خیال کیا۔ کہ آپ سیاح ضرور ہیں۔ مگر کسی کے توسل سے آئے ہونگے۔ مگر آپ کے یہاں مقیم ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ

کسی کے مہمان نہیں ہیں۔ لہذا اگر قصور معاف ہو۔ اور دعوت کو رد نہ کیا جائے تو خادم کو اپنی میزبانی کا فخر بخشیں۔ اللہ اللہ یہ اخلاق۔ یہ حلم اور عجز شان ایزدی نظر آتی ہے۔ کہ کیسے کیسے بندے تو نے پیدا کئے ہیں۔ پشت دست ورد ہاں ششدر و حیران تھے۔ اور قدرے عذر کر رہے تھے۔ کہ نہیں جناب آپ کے تکلیف فرمانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم پندرہ بیس آدمی ہیں۔ آپ کو بیجا تکلیف ہوگی +

عمر رسیدہ۔ جناب یہ کیا فرمایا۔ اگر دو سو ہوں۔ تو کیا پرواہ ہے ۔ ایک روز کے واسطے آپ آئیں۔ اور اتنی بڑی بستی ہیں آپ کو خرید کر کھانا کھانا پڑے۔ یہ ممکن نہیں +

خیر۔ میں آپ سے صرف یہ دریافت کرتا ہوں۔ کہ آپ کے اُس ملازم کا کیا نام ہے جو سامان لینے گیا ہے +

ہم نے اور زیادہ عذر کیا۔ کہ صاحب معاف ہی فرمایئے۔ اور نام ملازم بتانے میں ذرا تامل کیا۔ تو آپ نے ہنسکر فرمایا۔ جناب میں اس سے سامان چھین لونگا۔ نہیں نام بتائیے حرج ہی کیا ہے۔ خیر نام بتا یا گیا۔ اور صاحب موصوف نے اپنے دو ہندو دوستوں کو ہر اک طرح کا بندوبست کرنے کے واسطے فرما دیا۔ کہ اتنے ہی میں ہمارے ہمراہیوں میں سے ایک صاحب کے ایک ہم جماعت اِن کو مل گئے۔ اور تشریف لائے تو نہایت خفا۔ نوجوان آدمی شریف طبع۔ شریف صورت آتے ہی آپ نے شور مچایا۔ "کیا مجھ کو مردہ یا محتاج تصور کر لیا تھا۔ کہ میں آپ کو ایک روز ٹکڑ نہیں کھلا سکتا۔ چلئے مکان ہی پر آرام فرمایئے۔ اور دال روٹی روکھی سوکھی کھا پی کر سوامی جی کے والد کے درشن ٹھنڈے وقت کیجئے گا۔ اتنے ہی میں آپ کی سلام علیک اہل اسلام

صاحب سے ہوئی۔ تو ہم تو سب چُپ۔ مگر آپس میں ہونے لگی۔ اہل اسلام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ واللہ یہ لوگ میری دعوت قبول کر چکے ہیں۔ تمہارے مہمان کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اور وہ غریب کہتا ہے۔ کہ جناب جب میں تمام انتظام بہت آسانی سے کر سکتا ہوں۔ تو آپ کے تکلیف فرمانے کی کیا ضرورت ہے۔ غرض بہت کش مکش کے بعد ہمارے تیز طبع دوست صاحب سن و سال پر سبقت لے گئے۔ اِن سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ یہ مسلمان صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھے۔ اب پنشن پاتے ہیں۔ اور ایک لطیفہ یہ ہوا۔ کہ ہمارے نوجوان دوست عنقریب محکمہ پولیس کے مدرسہ تعلیم قواعد میں جانے والے تھے۔ اور سب انسپکٹری کے اُمیدوار۔ اب فرمائیے آپ کیونکر یہ کلیہ نتیجہ نتیج کر سکتے ہیں۔ کہ تمام پولیس والے بدذات ہوتے ہیں۔ درحالیکہ ایسے ایسے شریف اُس محکمہ میں ہو چکے ہیں۔ اور ایسے ایسے شریف اور شریک ہونے کو ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ چند بدنام کنندگان نیکوں کو بھی اپنے ساتھ بدنام کر دیتے ہیں ✦

غرض کہاں تک وہاں کے آدمیوں کی تعریف کی جائے۔ ایک سے ایک بڑھکر وجہ یہ کہ کوئی سوامی جاوید کے ساتھ کا کھیلا ہوا۔ کسی کی گودوں میں سوامی کھیلا ہوا۔ اور کوئی اِن کی گودوں میں کھیلا ہوا۔ اگر یہ سب لوگ اچھے نہ ہوں۔ تو سوامی کی عظمت کا سکہ کیونکر ہمارے دل میں بیٹھے۔ خیر دس بجے سے لیکر چار بجے تک خوب لطف صحبت گرم رہا۔ اور سوامی جی کے قصص جوانی و بچپن لوگوں کی زبانی سنتے رہے۔ شام کے پانچ بجے کے قریب سوامی جی کے والد بزرگوار کے درشنوں کو گئے۔ خاص اُس مکان کو بھی دیکھا۔ جس میں سوامی جی کی ملاقات ہوئی تھی۔ اِن کے دیوتا سوبت

والد کی نورانی صورت کے درشن کیے۔ اِس عالم پیری میں ایسے صدمات عظیم کے بعد بھی چہرہ پر مسکراہٹ دائمی اور بات بات پر خندہ۔ سوامی کے بھائیوں اور بھتیجوں نے شربت وغیرہ کی تواضع کی۔ اور سچ تو یوں ہے۔ کہ ہر ایک شخص کے ہر ایک فعل و قول سے محبت ٹپکتی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہم کسی ایسی سرزمین میں ہیں۔ جہاں محبت اور مودت قانون ہے۔ اور خود غرضی اور نفس پرستی جرائم کبیرہ جس کو دیکھو عجز اور انکساری کے زیور سے آراستہ جس پر نظر ڈالو۔ محبت اور صدق دلی کا پُتلا۔ سوامی جی کے ہر دو اطفال باہر تھے۔ بڑے صاحب جن کا نام مدن موہن گوسوامی ہے پورن جی کے پاس ڈیرہ دون میں مقیم تھے۔ اور عنقریب راجہ ٹیڑھی کے اخراجات سے ولایت تکمیل تعلیم کے واسطے جانے والے ہیں۔ چھوٹے صاحب جن کا نام برہمانند گوسوامی ہے۔ ایبٹ آباد کے گروکل میں تعلیم کی غرض سے تھے۔ سوامی جی کے والد ماجد کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ عزیز برہمانند کے افعال اور طریقے ابھی سے باپ کے سے ہیں۔ اور نیز یہ کہ یہ اُس زمانہ کی پیدائش ہیں۔ جبکہ سوامی پر ویدانت کا پورا پورا رنگ چڑھ چکا تھا۔ بلکہ اس بچہ کی عمر چند ہی ماہ کی تھی۔ کہ دستار پروفیسری کو پھینک جامۂ درویشی زیب تن کیا۔ گوسوامی ہیرانند جی (سوامی جی کے والد صاحب کا نام ہے) کی زبانی یہ معلوم کر کے قلق ہوا۔ کہ اِن ہر دو اطفال کی والدہ ماجدہ نے بھی اِس عالم فانی سے اپنی پتی کے انتقال کے بعد سفر کیا۔ مگر ساتھ ہی اُن کے پتی ورت دھرم کا سکہ دل پر اور بھی زبردست جم گیا۔ گوسوامی جی مذکور کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ سوامی رام میں بچپن ہی سے خاص آثار نمودار تھے اِن کو ۱۰ ماہ کا چھوڑ کر اِن کی حقیقی والدہ فوت ہوگئیں۔ مگر اِن کی دودھیر کی ماں

اِن کو سب بچوں سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ اور یہ بھی اِن سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ اور اِن کی بہت زیادہ عزت +

واں کی جو عمدہ عمدہ چیزیں بھی آتی تھیں تو نہ کھاتے تھے۔ بلکہ زمانہ ہوش میں والد صاحب کو بھی منع کرتے تھے۔ کہ وان دہان مت کھاؤ۔ شادی آٹھ برس کی عمر میں ہو گئی۔ دو سال بعد بہت معترض ہوئے۔ اور والد سے عرض کیا۔ کہ مجھے کیوں آپ نے جال میں پھنسایا۔ سوامی جی کو بچپن ہی سے دودھ پینے اور پلانے کا شوق تھا۔ اور اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر کئی میل تک دوڑتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ قدرتی منظروں کو دیکھ کر محو ہو جاتے تھے۔ اور اِس کم عمری کے زمانے میں بھی شان ایزدی کو خود بھی یاد کرتے تھے۔ اور اوروں کو بھی یاد دلایا کرتے تھے۔ اُن کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہم عمر اِس امر کے شاہد ہیں۔ اور زمانۂ تعلیم کالج اور زمانۂ پروفیسری میں تو خاص تلقین ہی کی غرض سے تمام گانوں کے لڑکوں اور نوجوانوں کو ہمراہ لے جاتے تھے۔ اور موقعہ اور وقت اور طبیعت کا رجحان دیکھ کر ہر طرح کی اخلاقی۔ دینی و دنیوی تعلیم و تلقین کیا کرتے تھے۔ اِس گانوں کے قریب سب بچے تیرنا جانتے ہیں۔ اور سوامی جی کو بھی تیرنا بہت اچھا آتا تھا۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۰۵ء میں بھی آپ پوری چڑھی ہوئی گنگا کو تیر کر ہردوار کے مقام پر پار کر گئے تھے۔ مگر یہ کس کو معلوم تھا۔ کہ ۱۷۔ نومبر ۱۹۰۶ء کو وہ نحس روز آئے گا۔ کہ یہ غواص کامل اور پیراک عاقل ایک ہونی دریا کے جھکولے برداشت نہ کر سکے گا۔ اور اپنے مدح سرایوں اور معتقدوں سے یک لخت جدا ہو جائے گا۔ اِن کی موت کا جتنا رنج ہم لوگوں کو ہے۔ اتنا ہی اِسکے

امریکن وجاپانی ومصری معتقدوں کو ہے۔چنانچہ ایک لیڈی صاحبہ امریکہ سے فقط اِس غرض سے تشریف لائیں۔کہ اِس عجیب مرد کامل کی خاص ولادت کی جگہ کو دیکھیں۔چنانچہ آپ نے خاص اُس دالان میں ایک شب قیام کیا۔جہاں سوامی جی پیدا ہوئے تھے۔اور جب کہا گیا۔کہ یہ ایک غلیظ سا مکان ہے۔ آپ اِس قسم کے مکانات میں رہنے کی عادی نہیں ہیں۔آپ کے واسطے لالہ سکھدیال سنگھ صاحب کی کوٹھی آراستہ موجود ہے وہاں آرام کیجیے۔فرمایا جو تمنا مجھ کو امریکہ سے یہاں لائی ہے۔اُس کو پورا کرنے دو۔کوٹھیاں تو ہزاروں ہیں۔مگر اتنی چھتیں نہیں ہیں۔جن کے نیچے رام جیسے بادشاہ کی ولادت ہوئی ہو +

ہمارا خیال ہے۔اور اس میں شک نہیں کہ یہ درست خیال ہے کہ آفتاب کے قریب ہونے سے ہم چوندھیا جاتے ہیں اور اس میں جس قدر روشنی ہو اُس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔رام بیشک دنیا کے اُن چند مہان پرشوں میں سے ہے جنکے ذمہ دنیا کی بہبودی اور بہتری کا اہم کام لگایا جاتا ہے عظمت کا اندازہ لگانے والے بہت کم اور اِس کے ملک والے کسی قدر اور غیر ممالک والے بہت کچھ زیادہ کر سکتے ہیں۔مگر رام کی پوری پوری عظمت کئی صدیوں کے بعد معلوم ہوگی۔ جس وقت آیندگان کو معلوم ہوگا۔کہ اِس کی مثال صدیوں سے پیدا نہیں ہوئی۔اور اُس کی تعلیم و تلقین جو موجودہ زمانہ سے کئی صدی آگے ہے۔ سب سے افضل اور بہتر ہے۔اور حصول انسانات دنیا کی وہ حالت ہے۔ جس سے بہتر وہم و خیال میں نہ آسکے +

آئیڈیل سوسائٹی کا سچا اور اکیلا ذریعہ +

ہرگوبند نگم

المعذور مجبور

آزاد کی اشاعت میں ایک عرصہ سے بیقاعدگی ہو رہی ہے اور اس سے معزز معاونین کی خفگی ہر طرح بجا ہے۔ مگر میری مجبوریوں کا صحیح اندازہ کرنا ذرا دشوار ہے اگر آپ میری مجبوریوں کو اصلیت سے نصف بھی سمجھ سکتے تو مجھے یقین ہے کہ آپکی خفگی ہمدردی میں تبدیل ہو جاتی۔ اِن تکالیف کے علاوہ جن کا روز اشاعت کو باقاعدہ بنانے کے لئے مجھے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ مجھے معزز احباب کی شکایات سے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ جو لوگ مطبع کی تکالیف سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ دنیا کی کاروباری مصیبتوں میں بادرعہ پریس کے انتظام کا ہے اس مصیبت کے علاوہ آزاد کیلئے تصاویر کی مصیبت ہے جو پونا میں تیار کرائی جاتی ہیں۔ اور ان کی تیاری کے لئے بہت سا وقت ضروری ہے۔ لاجپت نمبر کے لئے تصاویر حاصل کرنے کی کوشش میں تصاویر کی تیاری میں بھی ایک گونہ بیقاعدگی ہو گئی تھی۔ اور یہ کام چونکہ اپنے بس کا نہیں۔ اِس لئے اِس کی وجہ سے اشاعت میں زیادہ بے قاعدگی ہو گئی۔ بصد مشکل یہ منزل طے ہوئی ہے۔ اور اب اُمید کی جاتی ہے۔ کہ آیندہ اس قسم کی تاخیر نہ ہو گی۔ اگست نمبر حاضر ہوتا ہے۔ ستمبر اور اکتوبر کے پرچے ۱۵ ماہ نومبر تک حاضر ہو جائیں گے اور آیندہ ہر مہینہ کے پہلے ہفتہ میں آزاد شایع ہو جایا کریگا۔ آزاد کی اشاعت میں میں اپنی سی کوشش کر رہا ہوں مگر آپکی امداد بغیر یہ بالکل بے سود ہے۔ تعداد اشاعت بڑھا کر میرا ہاتھ بٹایئے۔ تاکہ مالی فکروں سے آزاد ہو کر آزاد کی خدمت زیادہ مستعدی سے کی جا سکے ۔

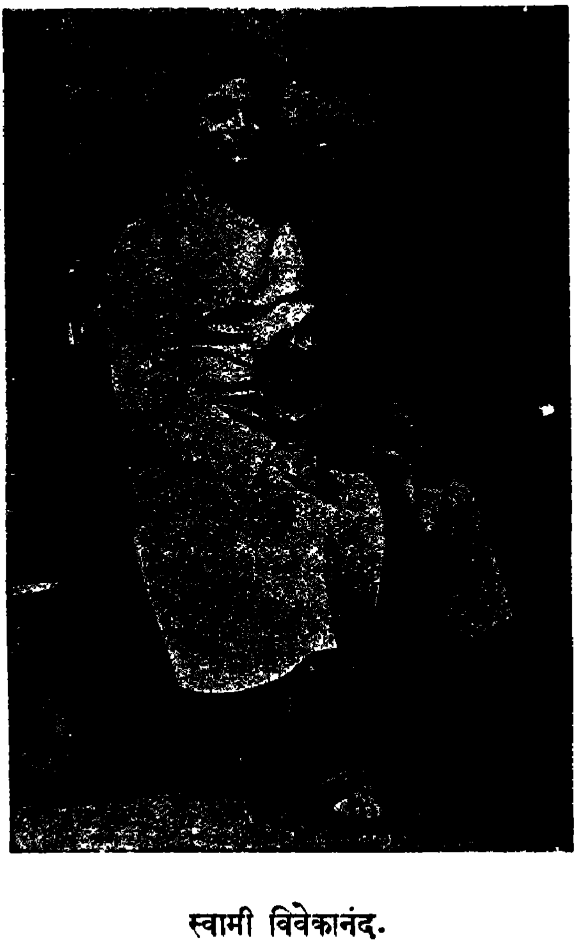
دُعاگو

بشن سہائے آزاد مالک و ایڈیٹر



Swami Ramatirtha.

C. S. P.



स्वामी विवेकानंद.

शि. शा. प्रेस, पुणें

آزاد

ہندوستان کا معدنی خزانہ

از حکیم برہم

قدیم تاریخ کا ذکر کرنا - کہ کس طرح یہاں فن کان کنی کو عروج تھا - تحصیل حاصل ہے - اِس لئے کہ وہ پرانی دنیا کا زمانہ تھا - اور حال کی ترقیات کے وسائل اُس وقت موجود نہ تھے - لیکن صرف اِسی باعث سے اِس کام کو یہاں زوال نہیں ہوا - بلکہ اور وجوہ بھی ہیں +

بطور مثال کے تانبے کے بیان سے اچھی وضاحت ہو سکتی ہے - سنہ ۱۹۰۱ء میں غیر ممالک سے یہاں ایک کروڑ روپے کا تانبا آیا - مگر سنہ ۱۹۰۲ء سے محض اس باعث کہ تار برقی کے لئے تانبے کے تار کی ضرورت بڑھتی گئی - اس کی درآمد دو کروڑ کے قریب ہونے لگی - بکثرت تانبا آنے کی وجہ سے قدرتاً ہماری توجہ اِس حالت پر رجوع ہوتی ہے - جب کسی زمانے میں یہ خود یہاں افراط سے نکالا جاتا تھا - یہاں بھی تانبے کے خام مادے ہیں - اور ممالک کی طرح تانبا اور گندھک مخلوط برآمد ہوتے ہیں - اور جہاں کہیں یہ

کام ہوتا ہے۔ دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ نکالی جاتی ہیں۔ اِس لئے محض یہ واقفیت کہ ہمارے ملک میں بھی تانبے کی کانیں ہیں کافی نہیں ہے۔ جبتک کہ تانبے کے ساتھ ساتھ گندھک کا کام بھی نہ کیا جائے۔ گندھک کو کام میں لانے کے لئے گندھک کے تیزاب کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اتنی مقدار میں ہونا چاہیئے۔ کہ تانبے کو پگھلا کر علیحدہ کرسکے۔ اسکے علاوہ گندھک کے تیزاب کے استعمال اور فروخت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اِسی کے متعلق اور طرح کے کیمیائی کام بھی شروع کر دیئے جائیں۔ ایسی صورت میں البتہ اُمید ہوسکتی ہے۔ کہ باہر کی [illegible] رد کی جاسکے۔ اور اس سے معتدبہ فائدہ حاصل ہو +

اِس طرح کے مختلف کاموں کا انحصار ایک دوسرے پر ہے ہندستان میں باقاعدہ نہیں کئے جاتے۔ مگر یورپ میں معدنیات کے خاندان مشترکہ کی ترقی بہت وسعت کے ساتھ ہو رہی ہے۔ بہت سے خام فلزوٹ ایسے ہیں کہ تانبے کی طرح اور اجزا بھی ان میں مخلوط اور مرکب ہیں۔ اور دوسرے اجزا بھی اِسی کے ساتھ نکالے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کے دستکاروں اور معدنیات کا کام کرنیوالوں نے ہندوستان کے معدنی کاروبار کو نیست و نابود کر دیا۔ معدنی پیداوار کا کوئی جزو وہاں بیکار نہیں جاتا۔ بلکہ اجزا الگ الگ کرکے سیدھے بازار میں بھیجدیئے جاتے ہیں۔ اور یہاں یہ حالت ہے کہ کان سے جو دھات نکالنا مقصود ہے۔ اُسے تو الگ کر لیتے ہیں۔ اور اُس کے متعلق جو قیمتی اور کارآمد اشیا رہتی ہیں۔ برباد ہو جاتی ہیں مثلاً یہ ہے کہ اگر انگلستان میں یہ عمل طرز نہ ہوتا۔ تو آج بارہ ۲۷ ٹن پر فروخت ہونیوالی چیز فی ٹن ۲۳ ملتی کو نہ بک سکتی۔ اور اُس کا کیمیائی ماحصل

سوڈا ایش ۱۴۰ لنڈ سے گھٹ کر ۳۵ قیمت کا نہ ہو سکتا۔ یہی حال اُس کے اور اجزا کا ہے۔ ایسی چیزوں کی رسد مہندوستان کا یہ حال ہے۔ کہ جب سے نہر سویز جاری ہوئی ہے۔ شرح کرایہ گھٹ کر پانچواں حصہ رہگئی۔ یورپ کے کیمسٹ اپنی اشیا کو کیمیائی طریق اور اصول سے علٰحدہ کر کے ہندوستان روانہ کرتے ہیں۔ اور جو چیزیں یہاں ردی سمجھی جاتی ہیں۔ اُن سے لاکھوں روپیہ پیدا کرتے ہیں +

ہندوستان میں ریل نے باربرداری کا ارزاں ذریعہ مہیا کر دیا ہے برقی قوت اور اسٹیم نے پیداوار کی لاگت کو بھی خفیف کر دیا ہے۔ روئی سَن اور کاغذ وغیرہ کے کاموں نے معدنی اور کیمیائی اشیا کی مانگ پیدا کر دی ہے۔ پس اگر یہ کام شروع کئے جائیں۔ معدنیات کا ماحصل۔ اور دوسری کیمیائی اشیا جب یہاں خرچ ہونے لگیں گی۔ تو غیر ممالک سے اِس طرح کی چیزوں کی درآمد بند ہو جائے گی۔ جن پر غیر ممالک کی محنت۔ دیگر منافع۔ کرایہ جہاز اور محصول پرمٹ کا بہت بڑا بار رہتا ہے +

حال میں اِس جانب جو کچھ توجہ ہوئی ہے۔ اُس کا باعث یوروپین سرمایہ اور یوروپین اولوالعزمی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ منافع کی تمام رقم غیر ملک کو چلی گئی۔ اور اس ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا +

معدنیات کا کام جو اِس ملک میں یوروپین کے سرمائے سے ہو رہا ہے۔ یا آیندہ ہو۔ اُس کے یہ معنے ہیں۔ کہ یہاں کے باشندے کانوں کی کھدائی پر قلیوں کا کام کر کے قلیل اُجرت اور مزدوری پر قناعت کریں لیکن سیم و زر نکلے۔ وہ بغیر کسی معاوضہ یا بدل کے بجنسہٖ غیر ملک کو چلا جائے۔ ایک ایک چھٹانک سونا جو اِس ملک سے باہر جاتا ہے۔ اپنے بسنے کچھ

نہیں چھوڑ جاتا ہے۔ پیداوارِ غلہ میں تو خیر اُس کے بدلے کچھ روپیہ آ رہتا ہے۔ یہ کیسا عظیم نقصان ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اہل ملک کی ادھر توجہ ہی نہیں +

چین و جاپان میں ایسا قاعدہ ہے۔ کہ یوروپین سرمایہ دار بغیر چینیوں جاپانیوں کی شرکت کے اِس طرح کا کام نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر یہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے۔ کہ یوروپین سرمایہ دار تنہا بغیر شرکت ہندوستانیوں کے معدنیات کا کام کرنے سے روکے جاسکیں۔ چین میں یہ ضابطہ ہے۔ کہ نصف حصہ دار ملکی اور نصف غیر ملکی ہوں۔ اِس پر بھی غیر ممالک والے مجبور ہیں۔ کہ اپنی آمدنی کا ۳۰ فی صدی اُسی ملک میں رکھیں۔ لیکن ہندوستان میں اس قسم کی اُمید کرنی ایسی ہی ہے۔ جیسے طلوعِ آفتاب کی مغرب سے +

یہ ٹھیک ہے۔ کہ جب تک خود اِس ملک سے کام جاری کرنے کے لئے روپیہ نہ بہم پہنچ سکے۔ غیر ممالک سے قرضہ لیا جائے۔ اور گورنمنٹ اُس کی ادائی کی ضمانت کرے۔ نیز گورنمنٹ وسیع مراعات کے ساتھ ہندوستانی کمپنیوں کو کان کھودنے کے لائیسنس عطا کرے +

ان امورات کے متعلق معلومات کا ذخیرہ سررشتہ پیمایش طبقات الارض ہند کو دفتر میں موجود ہے۔ صرف اُس تعلیم کی ضرورت ہے۔ جس سے کام کی اُمید ہو سکے۔ حال میں ایک "مائنگ اینڈ جیالوجیکل انسٹیٹیوٹ" (انجمن کان کنی و طبقات الارض) کی بنیاد پڑی ہے۔ ممکن ہے کہ آیندہ اِس سے مفید نتائج پیدا ہوں۔ اور سب پور کے انجنیرنگ کالج میں معدنیات کا جو ایک کلاس کھولا گیا ہے۔ اس سے بھی کافی استعداد حاصل ہو سکتی ہے۔ غیر ممالک کی

اشیا کے خلاف صرف اظہار جوش سے کام نہیں چل سکتا۔ جب تک اُس کی پیداوار میں مقابلہ کر کے ارزاں چیز نہ پیش کی جائے +

اس کام کے لئے حب الوطنی کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ایسے شخص مطلوب ہیں۔ جو لٹریچر۔ فلسفہ اور قانون کی باریکیوں کو چھوڑ کر اوزار ہاتھ میں لیں۔ اور معدنیات کے ساتھ اُن کے مخلوط اجزا کو کارآمد بنا سکیں۔ نیز ملک کے صاحب سرمایہ لوگ ایسے منفعت خیز کاموں میں اپنا روپیہ لگا کر خود فائدہ اُٹھائیں۔ اور ملک کی خوشحالی بڑھائیں +

ہندوستان اب اِس حالت کو پہنچ گیا ہے۔ کہ اس کی ضرورتیں یہاں سے پوری کی جائیں۔ جس کے ذرایع موجود ہیں۔ اور باہر سے معدنی چیزیں نہ منگوانی پڑیں +

اگر کوئلہ کی حرفت کو اسی رفتار سے ترقی ہوتی گئی۔ تو وہ زمانہ قریب ہے کہ جس قدر اب جاپان و انگلستان سے آتا ہے۔ اُس کی آمد بھی بند ہو جائے۔ یہاں کوئلہ کی پیداوار ۱۸۹۵ء میں ۳۵ لاکھ ۴۰ ہزار ٹن تھی۔ جو بڑھ کر ۱۹۰۲ء میں ۷۴ لاکھ ۴۰ ہزار ۵۰۰ ٹن ہو گئی۔ اور اِس وقت قریباً ایک کروڑ ٹن ہے وسایل آمدورفت اور باربرداری کی سہولت اگر بڑھتی گئی۔ تو ہندوستان کا کوئلہ جو فی الحال بنگال۔ آسام۔ ممالکِ متوسط۔ حیدرآباد اور وسط ہند میں بہ نسبت اِس وقت کے بہت وسیع ترقی کے ساتھ استعمال ہو گا +

سونا زیادہ تر کولار (لیور) کے کانوں سے نکلتا ہے۔ سال گذشتہ میں اس کی تعداد ۵ لاکھ ۷۱ ہزار ۹۳۶ اونس تھی۔ جس کی مالیت ۲۰ لاکھ پونڈ ہوئی +

برہما اور آسام سے ۱۹۰۳ء میں ۸ کروڑ ۷۰ لاکھ گیلن مٹی کا تیل برامد

کیا گیا۔ یہ بہت ترقی خیز حرفت ہے۔ مگر اس ملک کو جس قدر تیل کی ضرورت ہے عرصہ دراز تک اِن مقامات کی برآورد سے پوری نہ ہو سکے گی۔ یہ بات یوں ثابت ہوتی ہے۔ کہ سنہ ۱۹۰۲ء میں ۸ کروڑ ۱۰ لاکھ گیلن مٹی کا تیل امریکہ اور روس سے یہاں آیا تھا ◆

لوہا مختلف حصص ہند میں بمقدار کثیر پایا جاتا ہے۔ لیکن سوائے رانی گنج اور جہاں کہیں ہے۔ کوئلے کے کانوں سے دور ہے یہ ظاہر ہے کہ معدنیات آہنی کا کام بغیر کوئلے کے نہیں ہو سکتا۔ اور زیادہ فاصلے سے لانے میں خرچ زیادہ پڑ جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں صرف ۸۰ ہزار ۶۶۹ ٹن لوہا نکالا گیا ◆

گریفائیٹ میگنیسی خام حالت میں ہے۔ ٹین بھی یہاں ہے۔ مگر مالی امور کے لحاظ سے چنداں ضروری نہیں ہے۔ دنیا کے جن ملکوں میں میگنیسی پیدا ہوتی ہے۔ اُس کے اعتبار سے ہندوستان کا نمبر دوسرا بلکہ تیسرا ہے صوبہ متوسط میں یہ ظاہر چیز اعلےٰ درجہ کی نکلتی ہے۔ اور یورپ اور امریکہ کے بازاروں میں معقول قیمت کو فروخت ہوتی ہے ◆

مسٹر ہولینڈ نے طبقات الارض کی پیمایش سنہ ۱۸۹۸ء سے سنہ ۱۹۰۲ء تک بڑی جانفشانی اور قابلیت سے کی ہے۔ سنہ ۱۸۹۰ء کی رپورٹ میں معدنی پیداوار کی ترقی بقدر ۳۵ لاکھ درج ہے۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء میں پچاس لاکھ کا اضافہ ہوا ◆

معدنی پیداوار میں کوئلہ۔ سونا۔ مٹی کا تیل۔ قیمتی پتھر اور نمک داخل ہیں۔ سوہاگہ۔ شورہ وغیرہ دوسری معدنی چیزیں بھی برآمد ہوتی ہیں۔ یہ شیا کیمیائی کاموں میں زیادہ صرف ہوتی ہیں۔ لیکن کس قدر افسوسناک

امر ہے۔ کہ صرف ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جہاں معدنی اشیاء کی درآمد اور برآمد دونوں پر محصول مقرر ہے +

یہاں کوئلہ کی بہت بڑی تعداد زیر زمین موجود ہے۔ مگر اس کے حالات سے صرف انگریزوں نے واقفیت پیدا کی۔ اِس کے قبل نہ کسی کو اس کا حال معلوم تھا۔ نہ اِس کے استعمال و حقیقت سے آگاہ تھا۔ ہندوستان کا کوئلہ بہ نسبت اسٹریلیا اور کینیڈا کے بہتر قسم کا ہے۔ جب تک یہاں کوئلہ نہیں برآمد ہؤا تھا۔ اسٹریلیا اور کینیڈا سے گران قیمت پر آکر ریلوے اور دوسرے انجنوں پر خرچ ہوتا تھا۔ مگر جب سے یہاں نکلنے لگا۔ اِس کا خرچ بڑھ گیا ہے +

بنگال کی معدنیات آہنی سے بہت کم لوہا نکلتا ہے۔ مقام براکر میں اِس کا بہت بڑا کارخانہ یورپین سرمایہ و اہتمام سے چلتا ہے +

'میگنیسی' (جو سخت بایل سفید رنگ کی ایک چیز ہے) ۱۵ سال قبل سوائے روس اور ہندوستان کے کہیں نہیں پیدا ہوتی تھی۔ مگر اب اسٹریلیا اور کینیڈا میں بھی نکلنے لگی ہے۔ لیکن وسط ہند میں زیادہ نکلتی ہے کچھ دنوں سے بمبئی سے بھی دستیاب ہونے لگی ہے +

اِن معدنیات کے بعد سب سے زیادہ مٹی کے تیل کی تجارت ہندوستان میں بڑھتی جاتی ہے۔ اور اِس کی تجارت اور آمدنی دونوں میں اضافہ ہو رہا ہے +

۱۹۰۰ء میں ایک کروڑ ۹۰ لاکھ گیلن نکالا گیا۔ اور ۱۹۰۳ء میں ۸ کروڑ ۸۰ لاکھ گیلن برآمد ہؤا۔ اِس کے علاوہ بہت بڑی تعداد موم کی بھی باہر گئی تھی۔ لیکن برہما اور آسام کا تیل اِس قدر صاف نہیں ہوتا جس قدر

غیر ممالک کا۔ اس لیئے ہندی تاجروں کو چاہیئے۔ کہ یہاں کے تیل کو خوب صاف کریں۔ تاکہ زیادہ قیمت ملے +

دنیا کی چیزوں میں لوہے سے زیادہ اور کوئی چیز کارآمد نہیں ہے۔ اور اس میں اس قدر گنجایش ہے۔ کہ اس کی ساختہ اشیا سونے سے کئی گونہ زیادہ قیمت حاصل کر سکتی ہیں۔ کسی ملک کی صنعتی پیداوار اس کے آہنی وسایل کی ترقی پر موقوف ہے۔ صلح یا جنگ۔ تری یا خشکی ہر جگہ اور ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔ ایک سوئی سے لیکر جہازی لنگر تک انسان اس کا محتاج ہے۔ اور روز بروز اس کی ضرورت ہر ایک شاخ زندگی میں اس طرح بڑھتی جاتی ہے۔ کہ اس سے بے نیازی نہیں ہو سکتی +

یہاں قدرتی طور پر لوہے سے کانیں بھری ہیں۔ لیکن تجارتی اعتبار سے یہ ملک لوہے کی صنعت سے معرا ہے۔ ماہرین علم معدنیات کا بیان ہے کہ چند معلوم کانوں کے علاوہ دریا کی گذرگاہوں۔ چٹانوں اور دکن کے کچھ پہاڑوں میں خام لوہا نہایت کثرت سے موجود ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے ہندوستان کا کوئی ضلع ایسا نہیں ہے۔ جہاں کسی نہ کسی صورت میں خام لوہا موجود نہ ہو +

گذشتہ ایام میں ہندی ساخت کی آہنی اشیا باعتبار پائداری اور نفاست کے تمام دنیا میں مشہور تھیں۔ دہلی کی مشہور لوہے کی لاٹھ (جس میں شاید کچھ اور دھات بھی شامل ہے) جو پندرہ سو برس سے قایم ہے۔ کہ ڈھلے ہوئے لوہے کی حیرت انگیز نشانی ہے۔ اہل الرائے تسلیم کرتے ہیں۔ کہ کوئی آہنی کارخانہ بمشکل ایسی لاٹھ ڈھال سکتا ہے۔ آسام میں توپیں ڈھالی جاتی تھیں۔ جن کے منہ کا قطر اور نالی بہت بڑی ہوا کرتی تھی۔ تلوار مشہور تھی

دمشق کی۔ کہ بنائی جاتی تھی ہندی لوہے سے۔ ایرانی سوداگر ہندوستان کی برآمد آہن سے بہت بڑا فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور یہاں سے ایشیا کوچک میں لے جاتے تھے۔ عرصہ گزرا کہ خود انگلستان میں فولاد کی بہت بڑی ثروت چلا کرتی تھی۔ دو ہزار برس ہوئے کہ ہندوستان میں فولاد کاٹے ہوئے لوہے کی تجارت وصنعت بہت ترقی پر تھی۔ لیکن اب حالت دگرگون ہے۔ رفتہ رفتہ اس کام کو زوال ہوتا گیا۔ اور ہندوستان کا [illegible] تقریباً بند ہو گئے۔ اگر یہی حالت رہی۔ تو کچھ دنوں میں یہ صنعت نابود ہو جائے گی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہندی لوہے کی تجارت کے تنزل کے ساتھ کچھ عرصے سے اس کی مانگ بڑھ گئی ہے اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ ۱۹۰۳-۰۴ء میں ۱۰ لاکھ ہنڈرڈ ویٹ (ہنڈرڈ ویٹ = ایک من ۱۴ سیر) لوہے کی چیزیں یہاں آئی تھیں۔ جن کی قیمت ۳½ کروڑ تھی۔ اسی سال ۵ لاکھ ہنڈرڈ ویٹ فولاد آیا جس کی قیمت ۵۰ لاکھ روپیہ تھی۔ چاقو اور چھریاں ایک کروڑ روپے کی آئیں۔ لوہے کے شہتیر اور ریلوے کا سامان ۳½ کروڑ کا آیا۔ کلیں اور آلات بھی ساتھ ہی تین کروڑ کے تھے۔ صرف گورنمنٹ نے اپنی ضروری اشیا ساختہ آہن ۱½ کروڑ کی خریدیں۔ اس سے تین چار برس پیشتر صرف ۲½ کروڑ کی آہنی اشیا آئی تھی۔ بمقابلہ اس کے دونوں رقموں کے فرق عظیم سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ہندی اشیا آہن کی تجارت کیسی برباد ہوئی ہے +

یہاں کی صنعت آہن کو بمقابلہ ممالک غیر سے کے علاوہ ایندھن کی قلت سے بھی سخت نقصان پہنچا۔ ایک ٹن لوہے کی تیاری میں ۱۴ ٹن کوئلہ صرف ہوتا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرانے طریق پر لوہا تیار کرنا محال ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ لکڑی کا کوئلہ بہت مہنگا ہو گیا ہے۔ کچھ

لوہے کی کانیں تمام ملک میں ہیں۔ مگر کوئلے کی کانیں محدود ہیں۔ [illegible] وجہ سے لوہے کے تیار کرنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ واردھا۔ گوداوری سون اور اس کے مددگار دریا۔ ورمود اور اس کی معاون ندیوں کی وادیوں میں کوئلہ کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ سلسلہ کوہ ہمالہ اور بندھیاچل کے دامن میں بھی کوئلہ کی کانیں ہیں۔ سستے ایندھن کے علاوہ لائم اسٹون یعنی پتھر کے چونہ کی بھی صنعت آہن میں ضرورت ہوتی ہے۔ جس سے لوہا صاف کیا اور پگھلایا جاتا ہے۔ بہرحال لوہے کا کام کرنے میں سمندر کا قرب۔ کوئلہ اور پتھر کا چونہ نہایت ضروری چیزیں ہیں +

کہا جاتا ہے کہ اگر لوہا بنانے کے مغربی طریقوں پر عمل کیا جائے۔ تو رانی گنج میں اعلیٰ درجہ کا فولاد تیار ہو سکیگا۔ اور خرچ بھی کم ہوگا۔ اور ولایتی فولاد سے سستا پڑیگا۔ پالامئو ضلع ہزاری باغ [illegible] حالت میں چاندہ میں [illegible] طریق پر لوہا تیار کیا [illegible] ضرورت [illegible] پوری ہو سکتی ہے۔ [illegible] نسبت [illegible] کیا جا سکتا ہے۔ [illegible] کوئلہ [illegible] اور رانی گنج کا [illegible] کر سکتا۔ ہندوستان میں [illegible] کی کانیں [illegible] واقع [illegible] مگر اس کے قریب [illegible] کوئلہ [illegible] اس لئے لوہے کے کام کو وہاں [illegible] +

لوہے کی کانوں کے قریب [illegible] ہوں۔ تو صرف کوئلہ کی محتاجی نہ ہوگی۔ [illegible] مقامات کے قریب [illegible] جیسے [illegible] ریلوں [illegible]

اس طرح چند برسوں میں اس کام میں بہت بڑی ترقی ہوگی +

مسٹر جی۔ مولسورتھ کی رائے ہے۔ کہ لکڑی کے کوئلے سے تیار کیا ہوا لوہا ولایتی فولاد کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ کسی قدر صحیح ہو +

انگلستان میں ایک میل ریلوے پٹڑی کی قیمت دو ہزار پونڈ (۳۰ ہزار روپیہ) دینی پڑتی ہے۔ مگر یہاں اس کی قیمت ۱۲ سو پونڈ ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک سو پونڈ محصول جنگی اور جہازوں کا کرایہ ہے۔ اگر یہاں لوہے کی صنعت ہوتی تو کم از کم فی میل ایک سو پونڈ کا بچت اور تیاری کا خرچ نہیں رہتا۔ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ گذشتہ ۲۵ برس میں ڈیڑھ ارب کا لوہا اس ملک میں داخل ہوا۔ اس کے لئے قریباً پچاس کروڑ روپیہ کرایہ اور محصول جنگی پر خرچ کیا گیا +

جس وقت ابتداً ریلوے جاری ہوئی ہے۔ اس وقت اگر گورنمنٹ اپنی ریلوے جاری کرنے میں حق بجانب ہوتی۔ تو لوہے کا کارخانہ جاری کرنے میں بھی حق بجانب ہوتی۔ اور اس سے بے انتہا فائدہ ہوتا۔ اس لئے کہ نمک، اور افیون کے اجاروں کی نسبت حق بجانب سمجھی جاتی ہے۔ اگر گورنمنٹ اپنے کارخانہ آہن کو بھی دیتی۔ تو ملک کا بھی سارا روپیہ ملک ہی میں رہتا۔ اور لاکھوں آدمیوں کے معاش کی صورت نکل آتی +

تاہم اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ گورنمنٹ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے تمام تر بےخبر نہیں رہی۔ اس نے محکمہ طبقات الارض کے ذریعہ سے ان علاقوں کی تحقیقات کرائی۔ جہاں خام لوہا بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ نے وقتاً فوقتاً تجربات کے لئے بھی معقول رقمیں صرف کی ہیں۔ اور جو کمپنیاں لوہا صاف کرنے کا کام کرتی ہیں۔ انہیں معقول رعایتیں عطا کر رکھی ہیں۔ اور مختلف محکموں کو ہدایت کی ہے۔ کہ مقامی ضرورت کے لئے ہندوستانی

لوہا اور اس کی چیزیں خرید کر کارخانوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں۔ البتہ گورنمنٹ کی پالیسی ایک امر میں قابل شکایت و اعتراض ہے کہ جو امداد وہ دیتی ہے۔ اُس میں کافی توجہ نہیں پائی جاتی ہے۔ یعنی کبھی بہت زیادہ مدد دیتی ہے اور کبھی بالکل نہیں۔ اس کا یہ انجام ہوگا۔ کہ کئی کمپنیوں کے دیوالے نکل گئے +

مسٹر ہیتھ نے ۱۸۳۰ء میں گورنمنٹ سے اجارہ حاصل کیا۔ اور ۱۸۳۳ء میں انڈین اسٹیل اینڈ آئرن کمپنی قایم کی۔ کمپنی کو چار اضلاع یعنی جنوبی ارکاٹ کوئمباتور۔ مالابار اور جنوبی ساحل کا لایسنس دیا گیا تھا۔ اُس نے تین کارخانے پورٹو نووو (جنوبی ارکاٹ) بے پور (مالابار) اور پالمپتی (ضلع سلیم) میں قائم کئے جو فولاد ان کارخانوں میں تیار ہوتا تھا۔ اُس کی بہت تعریف کی جاتی تھی۔ لیکن کمپنی کو ایک مشکل کا مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ یہ کہ ۱۰۵ میل سے لکڑی کا کوئلہ لانا پڑتا تھا۔ ایک اور مجبوری ہوئی۔ کہ لائم اسٹون کے عوض سمندر کے گھونگوں کو جلا کر چونہ بنانا پڑا۔ اور یہ دونوں لازمی چیزیں دور فاصلے سے لانی پڑتی ہیں۔ باوجود ان دقتوں کے جو لوہا یہاں تیار ہوتا تھا۔ جب اس کا شیفلڈ میں امتحان کیا گیا تو انگلستان اور سویڈن کے لوہے سے اعلےٰ قرار دیا گیا۔ اُس وقت ہندی لوہا ساڑھے چھ پونڈ فی ٹن کے حساب سے وہاں فروخت ہوتا تھا۔ مقام مینائی اور بریٹانیہ کے پل اسی لوہے سے تیار کئے گئے تھے +

دوسری مشکل اُس وقت یہ تھی کہ جہازوں کی آمد و رفت کا کافی انتظام نہ تھا۔ جس سے یہاں کا لوہا ولایت بھیجا جاتا۔ بہت سختی کے ساتھ بھی چار مہینے میں جس قدر کام ہوتا تھا۔ اُس سے لوہے کا عظیم ذخیرہ جمع ہو جاتا۔ اس طرح نکاسی کی بے قاعدگی کے باعث انگلستان کی منڈیوں پر مستقل قبضہ رکھنا محال ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انتظام کا خرچ بڑھ گیا۔ اور حصہ داروں کو منافع نہ تقسیم

ہو سکا۔ اور یہ پیشگوئی کہ

"ہندوستان شیلڈ کے لئے لوہا بہم پہنچائیگا" +

اب تک تو پوری نہ ہوئی۔ آیندہ خدا جانے اِس نوبت پر کارخانہ پور ڈلوڈم بند ہوگیا۔ اِس کمپنی کا کارخانہ جو ۱۸۳۳ء میں بمقام جے پور قائم ہوا تھا۔ اِس کے لوہے کی نسبت سرکاری گن کیرج ڈپارٹمنٹ نے رائے دی تھی۔ کہ بہت اچھا ہے۔ اِس لئے کہ توپوں کی پہیوں کے لئے بہت موزوں تھا مگر ایندھن کی قلت اور سڑکوں کی خرابی کے باعث سیلون سے ایندھن لانا پڑتا تھا۔ جرمنی کاریگروں نے ۱۸۵۹ء میں علحدگی اختیار کی اور ۱۸۶۱ء میں اگرچہ لوہا تیار کرنے کے نئے طریقے اختیار کئے گئے۔ پھر بھی آخرکار کام بند ہوگیا +

مگر اب بہت سی ریلوے لائنیں تیار ہوگئی ہیں جس سے وسایل آمدورفت میں بہت سہولت ہوگئی ہے۔ اِس لئے ضرورت ہے۔ کہ لوہا صاف کرنے کا کارخانہ بہت وسیع پیمانے پر ہر ایک مناسب مقام پر قایم کیا جائے۔ اور اِس تجویز میں مسٹر جے۔ سی۔ ٹاٹا آنجہانی کی اسکیم سے مدد لی جائے گورنمنٹ سرمایہ کی خاص طور پر حوصلہ افزائی کرے۔ اور جس اصول پہ گورنمنٹ نے ریلوے کمپنیوں کی امداد کی ہے۔ اسی طرح لوہے کے کارخانہ داروں کی دستگیری کرے +

بنگال کے اضلاع بیربھوم۔ ہزاری باغ اور رانی گنج میں عمدہ قسم کے لوہے کی کانیں کوئلہ کی کانوں کے قریب ہیں ۱۸۵۵ء میں ایک ہندوستانی سرمایہ دار نے ضلع بیربھوم کے لوہے کی کانوں کا اجارہ حاصل کرنا چاہا۔ وہ پانچ ہزار محصول ادا کرنے پر راضی تھا۔ مگر نہیں معلوم کیوں لائسنس نہیں حاصل کیا گیا +

۱۸۵۵ء میں میسرز میکاے اینڈ کمپنی نے بردوان کے مغربی حصہ میں اجارہ حاصل کیا۔ اور ضلع بیربھوم کا بھی ٹھیکہ لیا۔ گورنمنٹ کے لئے گولوں کے ڈھالنے کا بھی کمپنی نے ٹھیکہ لیا۔ جس کے لئے ولایتی ساخت کے گولے سے ۱/۴ تخفیف قیمت پر فروخت کرنے کا معاہدہ ہوا۔ گورنمنٹ نے بھی ۱۵ ہزار پیشگی دیدیا تاکہ ضروری کلیں منگا کر کام جاری کیا جائے۔ یہ کارخانہ ۱۸۵۹ء سے ۱۸۶۹ء تک باقاعدہ کام کرتا رہا۔ یہاں فوجی ضرورت کی بہم رسانی سے انکار کیا گیا۔ آخر کار ۱۸۹۵ء میں اجارہ کی میعاد ختم ہوگئی۔ یہ کمپنی تیار لوہا ۵ روپیہ فی من بیچتی تھی۔ حالانکہ اسی طرح کا ولایتی لوہا کلکتہ میں دس روپیہ فی من فروخت ہوتا تھا۔

۱۸۵۵ء میں سلطنت برطانیہ نے ڈاکٹر اولڈہم کو بیربھوم کی کانہاء آہن کی تحقیقات پر مقرر کیا۔ انہوں نے خلاف رائے دی۔ اور کہا۔ کہ سستی لکڑی حاصل کرنے میں بڑی دقت ہے۔ باوجود اس کے مسٹر میکے نے ایک کمپنی ۱۸۷۵ء میں قائم کردی۔ اس کا نام بیربھوم آیرن ورکس کمپنی رکھا گیا۔ اس کارخانہ میں روزانہ لوہا تیار ہوتا تھا۔ اور ۳۲ روپیہ فی ٹن کے حساب سے بکتا تھا۔ مگر کارخانہ میں نقصان ہوتا رہا۔

۱۸۷۷ء میں رپورٹ کی گئی۔ کہ کمپنی نے نقصان اٹھا کر کارخانہ جاری رکھا ہے۔ لیکن اگر سرمایہ بڑھا دیا جائے۔ تو معقول منافع ہوسکتا ہے۔ باوجود کئی سہولتوں کے بھی آخر کار کمپنی نے اپنا کام بند کر دیا۔ اور اس کی جگہ مسٹر برن نے کمپنی قائم کر دی۔ جس نے ۱۸۸۱ء میں اپنا کام شروع کیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد معلوم ہوا۔ کہ کام بڑھانا مشکل ہے۔ لہذا کمپنی شکست کر دی گئی۔ بیربھوم میں ناکامی کی وجہ صرف ایندھن کی دقت ہے

جو روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ حالانکہ وہاں رانی گنج سے بھی اعلیٰ قسم کا لوہا موجود ہے +

رانی گنج کی بنگال آیرن کمپنی ۱۸۸۹ء میں قایم کی گئی تھی۔ لیکن غلطی یہ ہوئی۔ کہ دس لاکھ کے سرمایے سے کام شروع کیا گیا۔ اور اسی میں سے ایک رقم قیمت و معاوضہ اراضی کی دی گئی۔ سرمایہ کی قلت سے کمپنی نے گورنمنٹ سے درخواست کی۔ کہ لوگوں کو خریداری حصص پر آمادہ کرے۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی اس لئے سخت شرح سود پر قرضہ لینا پڑا۔ گورنمنٹ نے بھی فرمایش بھیجیں۔ مگر مالی مشکلات کے باعث دیوالہ نکل گیا۔ اس کمپنی نے ۷۳۰۰۰ ٹن لوہا تیار کیا تھا +

راجہ صاحب [illegible] نے [illegible] میں اپنی ریاست کے اندر [illegible] قایم کیا۔ جس میں [illegible] یہاں کے [illegible] +

[illegible] +

(۱) [illegible] +

(۲) [illegible] تھا +

(۳) [illegible] کے مقدار [illegible] اور [illegible] +

(۴) گورنمنٹ کی غیر مستقل پالیسی فوری نتائج کے حق میں مایوس کن ثابت ہوئی +

(۵) [illegible] کا باعث کمپنیوں کی قلت اور [illegible]

تھی +

مگر اب بہت سی دقتیں دور ہوگئی ہیں۔ ریلوے لائنوں کے جاری ہو جانے سے اس تک پہنچنا بہت قریب ہوگیا ہے +

ضلع پانڈہ میں لوہے کی نہایت عمدہ اور وسیع کانیں ہیں۔ یہاں کے خام لوہے میں گندھک کی آمیزش بھی نہیں ہے +

والیٔ [illegible] نے گورنمنٹ کی اجازت سے ایک لوہے کا کارخانہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اور سویڈن کا لوہا تیار کرنے کی ترکیب سیکھنے گئے۔ اور اس وقت سویڈن کے ایک انجنیئر کو بھی ساتھ لیتے آئے۔ لوہا تیار کرنے میں لکڑی کا کوئلہ استعمال ہوتا تھا۔ قریب ہی جنگل بکثرت تھا۔ اٹھائی لاکھ روپیہ صرف کر کے ضروری آلات منگائے گئے۔ بھٹیاں تیار ہوئیں۔ لیکن اس کے بعد گورنمنٹ نے زیادہ روپیہ صرف کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ کارخانہ کو کوئی شخص دو ہزار پر بھی خریدنے والا نہ نکلا +

سنہ ۱۸۷۴ء میں بمقام براکر گورنمنٹ نے ایک جرمن ماہر کی نگرانی میں کارخانہ قائم کیا۔ سنہ ۱۸۷۹ء تک ۳۰ ہزار ٹن لوہا تیار رہا۔ اور یہ انتظام کیا گیا۔ کہ ۱۵-۲۰ ہزار ٹن سالانہ لوہا تیار کیا جائے۔ نل۔ سلیپر۔ پل۔ آرائشی سامان۔ ریلوے گاڑیوں کا سامان اور آلات کشاورزی یہاں بکثرت تیار کئے جاتے ہیں۔ اس کارخانہ کی کامیابی سے ثابت ہوگیا۔ کہ یہاں یوروپین اصول پر بکثرت لوہا تیار ہو سکتا ہے۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں یہ کارخانہ ایک کمپنی کے حوالے کر دیا گیا +

تھوڑے عرصہ کے ایک محدود رقبہ کے جو اجارے دیئے جاتے ہیں۔ مفید نہیں ثابت ہوئے۔ ٹھیکہ میعاد کم از کم پچاس سال ہونی چاہیئے۔

اور کافی سرمایہ دیکھ کر انتظام سے اطمینان کر کے گورنمنٹ کو منافع کی ضمانت کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ ریلوے کمپنیوں کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے۔ جبتک مستقل و معقول منافع نہ شروع ہو۔ کمپنی پر کسی ٹکس کا بار نہ ڈالنا چاہیئے۔ حتے الامکان زمین مفت دلانی چاہیئے۔ انتظام فروخت میں بھی گورنمنٹ کا ہاتھ ہونا چاہیئے۔ سرکاری صیغہ تجارت وصنعت کو اس کی سرپرستی کرنی چاہیئے۔ تب اُمید ہے۔ کہ کسی لوہے کی کمپنی کو ناکامی نہ ہو گی۔ گورنمنٹ نے جو جدید صیغہ تجارت و حرفت قایم کیا ہے۔ اس سے کافی اعانت مل سکتی ہے +

ایلومینیم کی صنعت کو بھی کچھ دنوں سے خوب فروغ ہو رہا ہے۔ مدراس کے اسکول آف آرٹس کی نگرانی میں اِس صنعت کو گورنمنٹ نے جاری کیا تھا۔ سرکاری کارخانہ کی دیکھا دیکھی ایک لاکھ کے سرمایہ سے مدراس میں ایک اور کارخانہ قائم ہوُا۔ اِس لیئے کہ سالانہ سوا لاکھ روپیہ کی فروخت ہونے لگی تھی۔ جب گورنمنٹ نے دیکھا۔ کہ نج کے کارخانے کام کرنے کو تیار ہیں۔ اور جدید کارخانے کو کامیابی ہوئی۔ تو گورنمنٹ نے اِس تجارت سے ہاتھ اُٹھالیا۔ یہ بہت ہلکی دھات ہے۔ اور جرمن سلور کے عوض ملک میں اس کے ظروف کا رواج بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ آب و تاب جرمن سلور کی طرح نہیں ہے۔ مگر پایداری اور سبکی کے باعث عوام بہت پسند کرتے ہیں۔ اِس مرکب دھات کا استعمال اِس وجہ سے اور زیادہ بڑھ گیا۔ کہ گورنمنٹ نے فوج میں اِس کے برتن رائج کرنے کا حکم دیا ہے۔ بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ اِس کے برتن بہ آسانی نہیں بگڑتیں +

جب ایلومینیم کی چیزوں کی ساخت ابتداءً شروع کی گئی تھی۔ تو خیال تھا۔ کہ آیندہ خود یہ دھات اِسی ملک میں تیار کی جائے گی۔ اگرچہ اِس وقت

اِس کا خرچ اِس قدر نہیں بڑھ گیا ہے۔ کہ دھات بھی یہیں بنائی جائے۔ مگر بہت جلد ایسا کارخانہ جاری ہونے کی امید ہے +

۱۹۰۸ء میں دو لاکھ سے زیادہ کی ایلومینیم کی چیزیں فروخت ہوئیں۔ جو اِس سے پہلے ۹ مہینے کی نسبت ساڑھے پانچ گونہ زیادہ تھی۔ آخر زمانہ میں آرٹ اسکول اور ایلومینیم کمپنی نے تین نہار رما ہوا نکا کام کیا۔ اور اشیا کی عمدگی میں برابر ترقی ہوتی گئی۔ اب یہ کارخانہ خوب فروغ پر ہے۔ بہت سی زاید کلیں منگائی گئی ہیں۔ اضافہ فروخت کی یہ وجہ تھی۔ کہ تیار شدہ مال کی قیمت ارزاں تھی۔ اور بہت سے کاریگر بڑھائے گئے تھے۔ جن بازاروں میں اِس کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں۔ اُن میں ترقی ہے۔ دیسی فوج کے علاوہ گورہ فوجوں میں بھی اس کے برتن زیادہ خرچ ہوتے ہیں۔ اِس کارخانے نے ایک اور نئی صورت میں بھی ترقی کی ہے۔ یعنی صفائی میونسپل میں جن چیزوں کا استعمال ہوتا ہے۔ وہ بھی یہاں بنائی جاتی ہیں۔ علاوہ مضبوطی کے اسکے برتن آسانی سے صاف ہو جاتے ہیں۔ ایلومینیم کے ڈول لوہے کے ڈول سے زیادہ چلتے ہیں۔ اِس لئے زیادتی قیمت بیجا نہیں ہے۔ اب یہ ضرورت ہے۔ کہ ملک کے مختلف حصص میں اِس کے کارخانے قایم کئے جائیں +

شیشہ گری ایک ایسا مفید کام ہے۔ کہ آرایشی چیزوں کے علاوہ روزانہ خرچ کی ہزاروں چیزوں میں اس کی کھپت ہوتی ہے۔ اِس لئے ضرورت ہے کہ مناسب مقامات پر مشترکہ سرمایوں سے ایسے بھٹے جس میں ایک وقت میں چار ٹن شیشہ گلایا جا سکے۔ ابتداءً قریب ایک سو آدمی کام پر لگائے جائیں اور رفتہ رفتہ اُنسے ترقی دی جائے۔ تا انکہ لوگ اِس میں واقفیت حاصل کر کے ہوشیار ہو جائیں۔ سوڈا واٹر کی بوتلیں۔ ادویات کی شیشیاں۔ پانی پینے کے

گلاس۔ متفرق طور کے ظروف۔ لیمپوں کی چمنی اور گلوب۔ متفرق کام کے بوتل اور آرایشی چیزوں کا سانچہ بنانا چنداں وقت طلب نہیں ہے۔ نہ اِسکے لیئے اُستادی چاہیئے۔ آدمیوں کے بہم پہنچانے میں بھی زیادہ مشکل نہ ہوگی۔ اِس لیئے کہ احمد آباد اور انبالہ کے جو کارخانے شکست ہو گئے ہیں۔ اُن کے کچھ پُرانے ملازم دستیاب ہو سکتے ہیں۔ خود بہت سے ہندوستانی بالخصوص چوڑیاں بنانے والے شیشے گری کے کام سے واقف ہیں۔ اور یوروپین طرز کے بھٹوں پر جلد کام کرنا سیکھ لینگے ✢

گر سب سے ضروری یہ ہے۔ کہ پہلے اول درجہ کا بھٹہ بہم پہنچایا جائے۔ جس میں ۲۵ فیصدی ایندھن کی بچت ہوتی ہے۔ لیکن اگر بھٹہ اچھا نہ ہُوا۔ اور شق ہو گیا۔ تو کارخانے کے تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ہندوستانی کوئلہ ایسا نہیں ہے۔ کہ جس سے بہت بڑی حرارت پیدا ہو سکے۔ اس لیئے ایسا بھٹہ بنانا چاہیئے۔ کہ جس میں ادنےٰ درجہ کے کوئلے سے گیس پیدا کر کے جلائی جا سکے۔ اِس صنعت کے لیئے کسی بڑے سرمائے کی ضرورت نہیں ہے۔ قریباً ایک لاکھ روپیہ کافی ہوگا۔ مغرب میں کسی کام کے شروع کرنے کے لیئے جس سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس کے اعتبار سے یہ بہت کم ہے۔ چند ہندوستانی اگر علیحدہ علیحدہ نہیں تو شریک ہو کر ایسے کئی سرمائے بہم پہنچا سکتے ہیں۔ یہ مناسب ہوگا۔ کہ ابتداءً کوئی یوروپین ماہر بھی رکھ لیا جائے ✢

چار سال کے قریب ہوئے ہیں۔ کہ مغربی پریسیڈنسی کے صاحب جو صدہ سٹروا گئے نہایت مشکل اور سخت محنت سے یہ کام سیکھ کر ولایت سے واپس آئے ہیں۔ اُن سے مفید مشورے حاصل ہو سکتے ہیں۔ یا اُن کی نگرانی

میں کام جاری کیا جاسکتا ہے۔ اِس ملک میں جس قدر شیشہ کی اشیا کا خرچ ہے
اُسی قدر اُس کی ساخت کے قدرتی وسایل بھی موجود ہیں۔ یہاں کی زمین میں
شیشہ بنانے کی ریت ہے۔ اور یہ بافراط ہے +

مسٹر واگلے نے گذشتہ ایام میں اسی غرض سے ہندوستان کے
بعض حصوں کا دورہ کیا تھا۔ اور پنجاب میں کئی جگہ کی ریت اُنہیں اِس کام
کے لئے مناسب معلوم ہوئی +

اگر ہندوستانی اہل سرمایہ مشترکہ کاروبار کرنے کے فواید سے آگاہ
ہو جائیں۔ تو بہت جلد ایسے ہزاروں کارخانے قائم ہو سکتے ہیں۔ جس میں
اِسی ملک کی اشیا سے چیزیں تیار ہوں۔ اِس طرح ملک کا بہت کچھ روپیہ
باہر جانے سے بچایا جاسکتا ہے +

حکیم برہم

قطعہ

ہر کوئی یاں رہا ہے جوئندہ ۔۔۔ نامزد کس کو کیجے یابندہ
چرخ عالم سدا سے چلتا ہے ۔۔۔ اور ہیں مہر و ماہ تابندہ
فکر حد زمان گر کیجے ۔۔۔ رہے قاصر رسائیِ بندہ
رات دن پر ہے وقت کی تقسیم ۔۔۔ مدۃ لایعنی حال و آیندہ
سوچتے سوچتے تھکے سب اپنے ۔۔۔ نہ کھلا راز آفرینندہ
کیوں رہیں مبتلائے رنج و الم ۔۔۔ سمجھیں ہر انقلاب فرخندہ

زندگی مختصر ہے کیوں نہ شمیم
رہے مصروف بازی و خندہ

کنار گنگا

از منشی تلوک چند محروم

کنار گنگا پہ ہم نے ساون میں خوب لوٹی بہار جا کر
ملا اگر لطف زندگانی جہاں میں تو ہر دوار جا کر
وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے وہ دل کر دل سر پہ بادلوں کے
دکھانا وہ بجلیوں کا عشوے یہ پہلوئے کوہسار جا کر
چہکتے پھرتے ہیں بن کے پنکھی نہیں ہے پروا انہیں کسی کی
نہ کوئی ظالم نہ کوئی موذی جو کرے ان کو شکار جا کر
وہ اونچے اونچے شوالے مندر اچھلتے پھرتے ہیں جن پہ بندر
ابھی تھے باہر ابھی ہیں اندر وہاں بھی ہیں بیقرار جا کر
ہیں اپنی ہی دھن میں مست سادھو کئی ہیں مست الست سادھو
کہ چھوڑ بیٹھے ہیں گرہست سادھو حضور پروردگار جا کر
انہی میں ہیں کچھ شکم کے بندے بچھائے بیٹھے ہیں لاکھوں پھندے
تمام دن پیٹ کے ہیں دھندے بنایا دوزخ کو غار جا کر
وہ گھاٹ اور وہ ہجوم خلقت وہ حسن بے پردہ شان عصمت
کہ یاد آئے خدا کی قدرت جو دیکھے وہ جلوہ زار جا کر
وہ آب شیریں خنک مقطر کرامات ہو جس سے آب کوثر
اگر ہو قرباں نبات اُس پر تو برف بھی ہو نثار جا کر
پہاڑیوں کے وہ سبزہ لہد سے وہ خوش گلو خوش نوا پرندے

جو شاخساروں پہ ہیں چمکتے قطار اندر قطار جاکر
جو دیکھ چکتی ہے یہ کنارا تو دیکھنے پار کا نظارا
عبور کرتی ہے پاٹ سارا امنگ ٹھہرتی ہے پار جاکر
جسے ہو فردوس کی تمنا رہے وہ جاکر کنار گنگا
بُرا کیا تو جو واپس آیا وہاں سے محروم زار جاکر

تلوک چند محروم

میرا وطن

مشہور ہند ہے جو دنیا کا ہے خلاصہ — جاری ہیں جس میں چشمے بہتے ہیں جس میں دریا
الماس لعل و گوہر ہوتے تھے جس میں پیدا — دنیا پکارتی تھی سونے کی جس کو چڑیا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

دنیا کے وحشیوں کو جس نے ادب سکھایا — تہذیب کا جہاں کو جس نے سبق پڑھایا
جاپانیوں نے جس کو اپنا حرم بنایا — جس جا سے اُٹھ کے ابر وحدت جہاں پہ چھایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ارجن نے جس زمیں پہ تیر افگنی دکھائی — کی بھیم نے جہاں پر تھی جنگ آزمائی
جس جا پہ کرشن جی نے نَے بنسی کی بجائی — بھیشم نے جس جگہ پر ایشور سے لو لگائی

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

اڑتا رہا جہاں پہ اکبر کا شاہی پرچم — تھی خوں فشاں جہاں پر بھی جنگ آزمائی
پرتاپ نے دکھایا جس جا پہ اپنا دم خم — سیوا نے جس سے پایا القاب شیر عالم

ملک — میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے — ہندوستان

کانگرس

(از مسٹر رازمی)

بعض کم فہم لوگ کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کانگرس کے اغراض و مقاصد سے ہمدردی نہیں۔ مگر یہ ایک ایسی غلطی ہے جیسا دن کو رات کہدیا جائے۔ مسلمان ایسے بیوقوف نہیں ہو سکتے کہ وہ اپنے حقوق کی محافظت فرمانبرداری سے کرنا ناپسند کرتے ہوں کیا وہ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ انکے اور ہندوؤں کے قومی اور ملکی اغراض ایک ہیں؟ یہ ممکن ہے کہ چند مسلمان کسی ذاتی غرض یا مصلحت وقت سے ظاہراً خود کو کانگرس سے علیحدہ رکھیں مگر ایسی مثالیں ہندوؤں میں بھی تو ہیں ہمارا یقین ہے کہ ہر ایک مسلمان کانگرس کے مقاصد سے دلی ہمدردی رکھتا ہے اور وہ اپنے پولیٹیکل حقوق سمجھ نہیں ہمارے دوست حضرت شروانی نے ان غلط فہمیوں کو دور کرنیکی کوشش کی ہے جو گورنمنٹ کے دل میں صاحب موصوف کے خیال کے مطابق اینگلو انڈین فتنہ پرداز اخباروں کی عنایت سے پیدا ہوئی ہیں مضمون ایک عرضداشت کی صورت میں لکھا گیا ہے اور چونکہ مولوی صاحب کی طرف سے جواب کے معاملے میں ... ایڈیٹر ہفتم نے لالہ لاجپت رائے جی کو منائی ... کا ثبوت دینے کے لئے انہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ایڈیٹر

اعلیٰ حضرت!! ہندوستان کی جو حالت اس وقت ہے۔ اور جو بے چینی کے آثار اس میں پائے جاتے ہیں۔ وہ ملک اور سلطنت کے ہر حقیقی بہی خواہ کے لئے موجب تشویش ہیں۔ عموماً تمام اشخاص اور خصوصاً ارکین سلطنت اس بے چینی کے اسباب دریافت کرنے کی طرف مایل نظر آتے ہیں۔ ہر ایک شخص اپنی اپنی سمجھ کے موافق اس کے وجوہات بیان کرتا ہے اور اس طرح بہت سے وجوہات بیان کئے جاتے ہیں۔ جن کی تفصیل بیان کرنا بالکل غیر ضروری اور تحصیل لاحاصل ہے۔ اُن کے متعلق صرف اتنا بیان کر دینا کافی

معلوم ہوتے ہیں اُن میں سے اکثر صحیح نہیں ہیں ۔ اسی ضمن میں کانگرس بھی ہے ۔
حضور والا ۔ بعض کوتاہ اندیش مشیران سلطنت کانگرس کو اس کی علت غائی قرار دیتے ہیں ۔ وہ لوگ اپنے دعوے میں یہاں تک غلو کرتے ہیں ۔ کہ اُن کی رائے میں تمام وہ اشخاص جو کانگرس کی ہمدردی کا اظہار کریں ۔ قتل یا جلاوطن کر دیئے جائیں ۔ اور جو ان سزاؤں سے باقی بچیں وہ جیلخانوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح بھر دیئے جائیں ۔ اور اگر ممکن ہو تو دنیا سے اُن کا نام و نشان مٹا دیا جائے ۔ لیکن میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ مقاصد کانگرس میں قطعاً کوئی بات ایسی نہیں ہے ۔ جس سے اس لغو خیال کی تائید ہو سکے ۔ بلکہ اس دعوے کا ثبوت اُس کے لٹریچر سے جو کافی مقدار میں موجود ہے اور ملک میں دن بدن بڑھتا جاتا ہے ہو سکتا ہے +

میں اس امر سے ناواقف نہیں ہوں ۔ کہ ہمارے حقوق کو تلف کرنے اور ہمارے (Cause) کاز کو تا بقدر امکان ناگوار طور سے دکھانے کے لئے کس طرح ان لوگوں نے جناب کے کان و دل کو ہماری طرف سے مذموم باتوں اور خیالات سے بھر دیا ہے ۔ لیکن اگر یور میجسٹی ازراہ نوازش و الطاف خسروانہ اس امر پر خیال فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے ۔ تو آپ کو معلوم ہوگا ۔ کہ اگر تہمت اور الزام کا لگایا جانا کسی امر کی واجبیت و ناراستی ثابت کرنے کے لئے کافی ہو ۔ یا یہ کہ اُسے افعال کی جانچ کا معیار قرار دیا جائے ۔ تو کوئی فعل یا بات جائز اور برحق نہیں ہو سکتی ۔ جب کوئی شخص نقصان پہنچانے اور کانگرس کی جانب سے خراب خیالات پھیلانے کی غرض سے یہ کہے کہ ایک فرقہ اور حکام نے اسے ہمیشہ مضر خیال کیا ۔ اور مشتبہ نظروں سے دیکھا ہے ۔ اور یہ کہ کانگریسی خیالات کے اشخاص روزانہ

عدالتوں سے (جن کا فیصلہ منصفانہ اور غیر طرفدارانہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔) سزایاب ہوتے رہتے ہیں۔ تو وہ یقیناً اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا۔ کہ اُس پر اُس کے مخالفوں نے نہایت زیادتی کے ساتھ اپنی قوت اور مفسدانہ خیالات کو کام میں لاکر جبر وظلم کیا ہے۔ اور بعض اوقات نہایت کثرت سے اُسکے متعلق جھوٹ اور غلط باتیں بیان کی گئی ہیں۔ جائز نکتہ چینی پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ نکتہ چینی اگر وہ جائز بھی نہ ہو۔ مگر نیک نیتی کے ساتھ ہو کسی کو شکایت کا موقعہ نہیں ہے۔ لیکن کانگرس کے متعلق ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ بلکہ اُس پر نہایت فریب وعیاری سے حرف گیری کی گئی اور تہمت لگائی گئی ہے۔ جان کینون کا قول ہے۔ کہ جب تک کسی دعوے کے متعلق پوری واقفیت بہم نہ پہنچالی جائے۔ اُس کے خلاف رائے قایم کر کے اُس پر فیصلہ صادر کر دینا۔ اور اُس کے اصول کے خلاف اُس پر سڈیشن اور اذیت رسانی کا الزام قایم کرنا بے انصافی ہے۔ کانگرس کے متعلق اس سچے مقولہ کا ایک ایک حرف صادق آتا ہے۔

عالی جاہا!! بعض لوگ خیال کریں گے۔ کہ ہم اس طرح حضور والا کے گوش مبارک تک خود جناب کی گورنمنٹ کی شکایت کرنے میں غلطی پر ہیں لیکن اُن لوگوں کو یہ تو دیکھنا چاہیئے۔ کہ ہم پر تہمت لگانے میں کس قدر دروغ گوئی اور دریدہ دہنی سے کام لیا جاتا ہے۔ کیا روزمرہ ہم لوگوں کو جناب کے سامنے یہ لکھکر بدنام نہیں کیا جاتا۔ کہ ہم لوگ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینے ملک وسوسائٹی میں خلل انداز ہونے۔ قانون کی پابندی تباہ کر دینے۔ جائداد و خاندانی تفریق کے اُڑا دینے میں کوشاں رہتے ہیں؟ لیکن جناب والا الزامات کا حصہ جو آپ کے کان تک پہنچا ہے۔ وہ اُس کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔

جو عام طور سے اِن لوگوں نے پھیلا رکھے ہیں۔ یہ الزامات اگر صحیح ہوں۔ تو ایسے اصولوں کے اختیار کرنے والوں پر جو سختیاں لی جائیں۔ وہ بالکل حق بجانب ہونگی۔ جو نفرت عام طور ہماری طرف سے دلوں میں جاگزین ہو گئی ہے اُس پر ایسی صورت میں جبکہ بے بنیاد الزامات کو صحیح و درست خیال کیا جاتا ہے۔ کون شخص ہے جو متعجب ہو؟ حضور!! یہ اصل وجہ ہے۔ کہ اینگلو انڈین اور بعض مسلمان کیوں ہماری طرف سے بدظن اور ہمیں الزام دینے میں یک زبان و ہم آہنگ ہیں +

اِسی طرح وہ لوگ بھی جو عدالتوں میں اختیارات کو کام میں لاتے ہیں۔ محض اِسی قسم کے خیالات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور اپنے فیصلوں میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ جن سے بچپن سے اُن کے دل و دماغ آشنا ہوتے ہیں — ہندوستان کے اکثر جج سمجھتے ہیں۔ کہ وہ اگر کسی شخص کو جس پر جرم قانونی شہادت (جس کا ہندوستان میں مہیا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے — اور وہ بھی پولیس کو) کی رو سے ثابت ہو چکا ہو سزا دے دیں۔ تو وہ اپنے فرائض سے بخوبی سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ وہ کیا جرم ہے جس کے اثبات پر سزا دی جاتی ہے؟ وہ جرم یقیناً سوائے اِس کے دوسرا نہیں ہے۔ کہ کانگرس ہندوستان کی پولیٹکل ترقی کی خواہاں اور ہندوستانیوں کو ہندوستان کی گورنمنٹ میں معقول واجبی اور حصہ رسدی حصہ دلانے کی کوشاں رہی ہے۔ جو لوگ اِس نیک مقصد کو جرم قرار دیں۔ اُنہیں خود غرض اور کوتاہ اندیش کے سوائے اور کیا کہا جا سکتا ہے +

گرامی قدر!! انصاف مجھے مجبور کرتا ہے۔ کہ میں حضور والا سے اِس معاملہ کی پوری اور مکمل تحقیقات کی جانے کے صدور حکم کی درخواست کروں۔

جناب والا! یہ عرض کر دینا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ کانگرس کے متعلق اِس وقت تک طرح طرح کی غلط افواہیں پھیلائی گئیں۔ اور اُس پر نہایت بیجا اور نامناسب الزامات و اتہامات لگائے گئے ہیں۔ اُس کے حامیوں اور چلانیوالوں کے متعلق کارروائی کرنے میں بہ نسبت سنجیدگی کے جو ایک مہذب گورنمنٹ اور عدالت کی شان ہے۔ زیادہ تر تعصب اور معمہ الغضب سے کام لیا گیا ہے۔ اور اِس کا انسداد سوائے اِس کے کہ جناب شاہی اختیارات کو کام میں لاکر تحقیقات کا حکم صادر فرمائیں۔ دوسری طرح ہوتا معلوم نہیں ہوتا۔

جس مسئلہ کی طرف میں خدامات والا کی توجہ سامی منعطف کرانا چاہتا ہوں اُس سے نہ صرف تیس کروڑ رعایائے ہندوستان ہی کا تعلق ہے۔ بلکہ تمام سلطنت برطانیہ کی دوسری رعایا کا بھی ویسا ہی گہرا ہے۔ جیسا کہ خود اُن بدنصیبوں کا جو اُس سے فائدہ اُٹھانے کے مستحق ہیں۔ اِس میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اِسی مسئلہ کے طے ہونے پر ہندوستان کی آیندہ قسمت کا فیصلہ منحصر ہے۔ اور ہندوستان کے ساتھ تمام برٹش امپائر کی قسمت وابستہ ہے۔ اگر خدانخواستہ اِس کے بخیر و خوبی انتظام نہ پانے کی وجہ سے برٹش گورنمنٹ کو ہندوستان میں کوئی صدمہ پہنچا تو سلطنت برطانیہ وہ سلطنت برطانیہ نہ رہیگی۔ جو اب تک تھی۔ اور دنیا کی باگ جو گذشتہ صدی سے انگریزوں کے ہاتھ میں رہی ہے۔ وہ اُن سے نکلکر کسی دوسرے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ لہذا ضرورت ہے۔ کہ قبل اِس کے کہ کوئی اِس قسم کا خوفناک نتیجہ نکلے۔ اُس کا انتظام کر لیا جاوے۔ ورنہ جب اُس کا ظہور شروع ہوجائیگا۔ تو پھر کوئی تدبیر و علاج کارآمد و سودمند نہ ہوگا۔

یورمیجسٹی!! جن حقوق کا کانگرس دعوےٰ کرتی ہے۔ اُن کی بابت بہت سی غلط فہمیوں کو پھیلایا گیا ہے۔ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ لیکن اِس پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ تمام ملک کے کونے کونے اور چپہ چپہ میں اُنہیں تمام معلوم طریقوں سے پامال کیا گیا۔ اور اُنہیں قطعاً دبا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ حضور کی رعایا میں سے ہرایک فرد کو یہ یقین واثق ہے کہ ایسا جناب کی اجازت یا مشورہ سے نہیں ہؤا۔ بلکہ یہ بعض خود مختار مطلق العنان اور جابر حکام کی اپنیانہ کارروائی ہے۔ جو خود اعلےٰ حضرت کے اصول سلطنت۔ برٹش کانسٹیٹیوشن اور ملکہ معظمہ مرحومہ کے ۱۸۵۸ء کے شاہی اعلان کے بالکل منافی ہے۔ یہ دریافت کرنا کہ ایسا کس طرح کیا گیا بیفایدہ ہے۔ لیکن اِس امر کا کہ ایسا ہؤا ہے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جناب والا! آپ کے بعض شریر ناعاقبت اندیش یہاں تک غالب آگئے ہیں۔ کہ اگر "حق" بالکل جڑ سے اُکھاڑ کر نہیں پھینکدیا گیا۔ تو دبا تو ضرور دیا گیا ہے۔ اور اِس خطرہ کے زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا گویا کوئی وجود بھی نہیں۔ اُس کے حامی بعض جلاوطن کر دیئے گئے ہیں بعض جیلخانوں میں ہیں۔ اور بہت سے ظلم کے خوف سے دم مارتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اِس پر بھی اُس کے دشمنوں کو صبر نہیں۔ اور وہ اُسی غیر معمولی جوش اور جنون کے ساتھ اُس کی تباہی پر کمر بستہ ہیں۔ اور جو تباہی کہ اُنہوں نے پھیلا رکھی ہے۔ اُسے اور مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس دیوار پر حملہ کر رہے ہیں جس میں پہلے ہی شگاف پڑ گیا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا رحم دل منصف اور حق پسند نہیں۔ جو اِن زیادتیوں سے مظلوموں کو پناہ دے۔ جو شخص کہ بہت بڑا حق پسند خیال کیا جاتا ہے۔ وہ بھی صرف اتنا کہتا ہے۔ کہ "نادان آدمیوں کی غلطی اور خیرہ چشمی کو نظرانداز کرنا چاہیئے"۔ یہ نیک بخت اُس بات کو جسے وہ

حق الیقین کے درجہ پر جایز اور درست سمجھتے ہیں۔ "غلطی اور خیرہ چشمی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کو جنہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں۔ " نادان آدمی " بتاتے ہیں "۔ اس طرح تمام لوگ حق بات کہتے ہوئے شرماتے اور خوف کھاتے ہیں " +

عالی جاہا!! بحیثیت دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ ہونے اور خداوند تعالٰے کی ایک چوتھائی مخلوق کے گلہ بان ہونے کے آپ کا یہ فرض ہے۔ کہ آپ اپنے کان اور دماغ و دل ایسی باتوں کی طرف سے جن کے نتائج ایسے اہم نکلنے والے ہوں بند نہ کرلیں۔ ہندوستانیوں کے حقوق کا مسئلہ ضرور حضور کی توجہ تامہ کا مستحق ہے۔ " ایک حقیقی اور سچے حکمران کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے۔ کہ وہ یہ تسلیم کرے۔ کہ وہ خدا کی طرف سے اُس کی مخلوق اور اپنی رعایا کا محافظ اور خدمت گذار مقرر کیا گیا ہے۔ جو حکمران کہ اپنی حکومت کو خداوند تعالٰے کی مرضی اور مخلوق کی بہبودی کا مطیع نہیں کردیتا۔ وہ بادشاہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے +

اِس کے علاوہ وہ آپ کو بھی اِس خیال سے دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ کہ اُس کی سلطنت ہمیشہ قایم رہیگی۔ جس پر وہ خدا اور اُس کی مخلوق اور خوف بازپرس کو بھول جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی سلطنت جس میں احکام خداوندی کی پابندی نہ ہو۔ بہت عرصہ تک قایم نہیں رہ سکتی +

حضور والا!! ہماری ناچیزی اور بیقدری کے خیال کو اپنے دل پر اِس قدر اثر نہ ڈالنے دیجیئے۔ کہ وہ آپ کو اِس معاملہ کی تحقیقات سے باز رکھنے پر قادر ہو جائے۔ ہم اپنی غربت۔ لاچاری اور خستہ حالی سے پورے طور پر واقف ہیں۔ تمام مغربی دنیا ہمیں حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

خود سلطنت برطانیہ کی دوسری رعایا جو ہم سے زیادہ خوش قسمت ہے۔ ہم سے بچتی ہے۔ لیکن کیا اس امر سے کہ اُن کا اس درجہ پر ہونا ہندوستان ہی کا طفیل ہے۔ انکار کیا جا سکتا ہے؟ کوئی ایسی شے جس پر وہ فخر کر سکیں ہندوستانیوں کے پاس نہیں رہی۔ سلطنت۔ دولت۔ علم۔ صنعت و حرفت اور تجارت۔ غرضیکہ سب کچھ وہ اپنے حکمرانوں کی نذر کر چکے ہیں۔ البتہ جو کچھ اُن کے پاس باقی ہے۔ وہ صرف "راستی اور حق پرستی" ہے۔ بدقسمتی سے ہماری قوم کے بعض افراد انہیں اس سے بھی معرا ظاہر کرتے۔ اور تاکہ وہ اپنے شور میں جھوٹے نہ پڑیں۔ اُسے بھی اُن سے زایل کرنے کے درپے اور کوشاں رہتے ہیں ٭

جس شخص کو انڈین نیشنل کانگرس سے کچھ بھی واقفیت ہے۔ وہ جان سکتا ہے کہ اس کے اصول کبھی ہندی گورنمنٹ کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ ہمارے مخالف نہایت زور شور سے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ ہماری حق پرستی۔ حب الوطنی اور قومی بہبودی کا خیال محض ادعا ہی ادعا ہے۔ ورنہ ہم اُنکے بدترین دشمن ہیں۔ یہ نہ صرف بہتان عظیم ہی ہے۔ بلکہ ایسا کہنا انتہا درجہ کی بیحیائی اور بےشرمی بھی ہے۔ آپ اگر کانگرس کی بائیس سالہ روئداد ملاحظہ فرمائیں گے۔ تو خود جناب بھی اسی فیصلہ پر پہنچیں گے۔ ہم جناب سے سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتے۔ کہ آپ ہمارے دعاوی کے تمام پہلوؤں پر ہمدردی طور سے نظر ڈالئے۔ اور اگر اس کے بعد جناب اس نتیجہ پر پہنچیں۔ کہ ہم لوگوں کو محض ناروا ستایا جاتا۔ اور یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہم اپنے جایز حقوق طلب کرتے ہیں۔ تو آپ جو فیصلہ ہم لوگوں کے متعلق صادر فرمائینگے اُس کے منظور کرنے میں یقیناً کسی کو کسی قسم کا عذر نہ ہوگا۔ چونکہ ہماری یہ

خواہش ہے۔ کہ ہندوستانی ترقی کریں اور ایک معقول حد تک اپنے ملک کا انتظام خود کریں۔ اِس لیئے ہم میں سے اکثر حوالاتوں میں بہت سے جیلخانوں میں اور بعض جلاوطنی کی حالت میں اپنی قیمتی زندگی کے اوقات بسر کر رہے ہیں۔ اور بہت سے خاموش کر دیئے گئے ہیں۔ ہم سب ایک طرف سے مصائب میں گرفتار رہیں۔ کیا کسی پر لعن طعن کرنا اور اُس کی بدنامی کرنا بہت بڑی مصیبتیں نہیں ہیں؟ اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ہم لوگوں سے نہایت سخت برتاؤ کیا جاتا ہے ✤

اب ہمارے مخالفین (میرا مطلب مسلمانوں کے ایک خاص فرقہ اور انگلو انڈین فرقہ سے ہے جو مسلمانوں کی آڑ میں اپنا مطلب نکالتا ہے۔) کو لیجئے۔ اور غور فرمایئے۔ کہ اُن کے دل و دماغ کن خیالات اور جذبات سے بھرے ہوئے ہیں۔ حق اور راستی کا ہر ایک شخص کو طرفدار ہونا چاہیئے۔ وہ لوگ اِس کے برخلاف حق کو چھپاتے۔ اُس کے متعلق غلط بیانات شایع کرتے۔ اور اُن باتوں کو اُس سے منسوب کرتے ہیں۔ جو اصل میں اُس سے بالکل متعلق نہیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے۔ کہ اُن کا مذہب اور اُن کا خدا۔ اُن کا پیٹ ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اگر اُنہوں نے اُس سے انحراف کیا۔ تو وہ حیطۂ انسانیت سے خارج ہو جائیں گے۔ غرضیکہ اُن کا مقصد اِن تمام باتوں سے اپنے دوزخ کا بھرا رکھنا ہے۔ ملک اور اہل ملک کی تباہی و سرسبزی کی اُنہیں مطلق پروا نہیں۔ اُنہیں اِس سے کیا غرض کہ مردہ بہشت میں جاتے یا دوزخ میں اُنہیں اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔ فی الحقیقت سچے جوش اور راستی کا اُن میں پتہ تک نہیں ✤

یہ لوگ ہمارے اصولوں پر حملہ کرنے کا کوئی موقعہ اور وقت خالی نہیں جانے دیتے۔ وہ اُسے مختلف طریقوں سے متہم اور بدنام کرنے میں دوسروں کی نظروں میں اُسے مشتبہ یا اُس سے اُن کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے لئے یہ اصول نئے ہیں۔ وہ عیب جوئی کرتے اور کہتے ہیں۔ کہ ہم لوگوں کی نیتیں مشتبہ اور غیر معلوم ہیں۔ وہ (انگلو انڈین) کہتے ہیں۔ کہ چھ کروڑ مسلمان باشندوں کی رضامندی کے خلاف اُن پر عمل درآمد کیا جانا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ بیان ہے۔ کیونکہ مسلمان کلیتاً من حیث المجموع کانگریس کے خلاف نہیں ہیں۔ اِس کے علاوہ وہ ایک عجیب منطق سے کام لیتے۔ اور ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کہ یا تو ہمارے اصول غلط ہیں۔ یا یہ کہ گذشتہ غیر معلوم صدیوں سے گورنمنٹ بیجان تھی۔ جبکہ اِس قسم کی کوئی بات سننے میں نہیں آئی۔ اخیر میں وہ کہتے ہیں۔ کہ بحث کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اُن کی اصلیت۔ اُن کے نتائج مثلاً (ملک میں بےچینی۔ شورشیں اور آزاد خیالی) سے ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اِس قسم کی باتیں جاہل سیدھے سادھے اور سریع الاعتقاد لوگوں کو بھی باور کرائی جا سکتی ہیں۔ اور اُنہیں کو اِن سے ان کو ڈرایا جا سکتا ہے۔ واقف حال اور زمانہ شناس لوگوں کے منافع اِس قسم کی لغویات ایک ہی نہیں چل سکتی +

یورپجبتی اُن غلط باتوں سے جو مخالفین ہمارے متعلق جناب کو بدظن کرنے کی غرض سے کہ ہمارا مقصد سوائے بغاوت پھیلانے کے دوسرا نہیں ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ متاثر نہ ہوں۔ ہم تفریق ڈالنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہمارا ماٹو "امن صلح اور اتفاق" ہے۔ ہماری طرف وہ خواہشیں منسوب کی جاتی

ہیں۔ جن کی طرف ہم نے کبھی ذرا سی بھی توجہ نہیں کی۔ ہم ہمیشہ سلطنت کے مطیع و فرمانبردار اور حقیقی بہی خواہ رہے۔ اور اب تک ہیں۔ کانگرس نے اُن لوگوں کے ساتھ کبھی ہمدردی نہیں کی جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کو نقصان پہنچانا چاہا۔ اور اب جبکہ چاروں طرف کی مصیبتیں اور بلائیں ہمارا نرغہ کئے ہوئے ہیں۔ ہم حضور کی ذات کی سلامتی ملک کی سرسبزی اور سلطنت کی پائداری کے لئے دست بدعا ہیں ✦

اعلیٰ حضرت !! اس غرض سے کہ خدامات والا بہ سبب فطرتی نیک نیتی کے ہمارے دشمنوں کے بیانات کو جو وہ ہماری طرف سے بدظن کرنے کے لئے حضور کے سمع مبارک تک پہنچاتے ہیں۔ باور نہ کرلیں۔ اُن کی زہرآلودہ غلط بیانیاں جناب کے سامنے کافی تفصیل کے ساتھ پیش کر دی گئی ہیں بلکہ مجھے خوف ہے۔ کہ اس عرضداشت کے زیادہ طویل ہو جانے کی وجہ سے وہ کافی سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ تاہم میں یہ عرض کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ اس سے میرا مطلب کسی قسم کی صفائی پیش کرنے کا نہیں بلکہ یہ سب کچھ جناب کے خیالات کو آسودہ اور دل کو نرم کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے۔ تاکہ جناب اس ضروری اور اہم مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے کوئی رائے قائم کر سکیں۔ اگر یور میجسٹی کانگرس کی ۲۲ سالہ کارروائیاں اور رپورٹیں ملاحظہ فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ تو میں اُمید کرتا ہوں۔ کہ جناب کے خیالات اگر کچھ کبیدہ بھی ہو گئے ہوں۔ تو ہماری طرف سے ضرور صاف ہو جائیں گے۔ لیکن اگر بدگویوں کی زبان نے جناب پر اتنا قابو پالیا ہے کہ آپ اس عظیم الشان انسٹیٹیوشن کے متعلق کچھ سننا گوارا نہ فرمائیں تو واقعی ہماری حالت قابل رحم ہوگی۔ اور ہم انتہائے تحیر و ذلت میں جا پڑیں گے۔

ایسی صورت میں ہم ہر ایک سختی اور تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اُسے صبر اور خندہ پیشانی کے ساتھ اُٹھائیں گے۔ یہاں تک کہ خداوند کریم کا زبردست ہاتھ مظلوموں کی دادرسی کے واسطے ظاہر ہو۔ وہ خدا جو غریبوں اور بیوہ عورتوں کو سختی سے رہائی دیتا ہے۔ وہ خدا جو ظالموں سے اُن کے افعال کی بازپرس کرتا اور سزا دیتا ہے۔ وہ خدا جو حقارت کرنے والوں کو نفرت اور جو حقارت سے دیکھے جائیں۔ اُنہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ خدا جسے چھوٹوں کو بڑا اور بڑوں کو چھوٹا کر دینے کی قدرت ہے۔ ہم بھی صرف اُسی سے انصاف چاہتے ہیں ✣

خداوند کریم جو تمام شاہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ یور مجسٹی کی سلطنت کو انصاف معدلت اور نیک نامی کے ساتھ ابدالآباد تک قایم رکھے۔ آمین۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

"آزاد"

سوراجیہ۔ ہمارے دوست رائزادہ شانتی نرائن نے جو اخبار ہندوستان کے شاعت میں رہے ہیں اور گذشتہ چند دنوں تک ایڈیٹر انچارج بھی رہے اور نہایت خوبی سے اپنے فرض کو انجام دیا۔ الہ آباد سے سوراجیہ نام ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا ہے۔ اہل پنجاب ہمارے دوست کے زور قلم سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اِس لئے کسی مزید تعریف کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اخبار جس ڈھنگ سے نکالا گیا ہے۔ اِس سے ترقی کی اُمید کی جاتی ہے۔ چندہ سالانہ کل ... ... عہ

غزلِ طالب

از منشی وناٹک پرشاد طالب

ہندوستان بھر کے سخن فہم حضرات ہمارے کرم فرما جناب طالب کے کلام کے قدردان اور ان کے نام نامی سے آشنا ہیں۔ ناظرین آزاد کو اکثر ان کا کلام پڑھنے کا موقعہ ملا ہے کیونکہ جناب طالب نے آزاد کی قلمی اعانت اپنا فرض قرار دے رکھا ہے۔ ذیل کی غزل مرزا بیدل جنھیں قدسی بھی ہوئی یادگار کہا جاتا ہے کی طرح پر معرفت کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔ سبحان اللہ کیا طبیعت پائی ہے غزل کا بیخود انداز ملاحظہ ہو + ایڈیٹر

جو عذاب لذتِ دہر سے دلِ بوالہوس ہے خطا طلب
کوئی باخطا بھی نہ یوں ہؤا کبھی اپنے حق میں سزا طلب

کرے دہر سے جو وفا طلب وہ ہے اپنے حق میں جفا طلب
یہ ہے ناسزا یہ ہے بے وفا ہے حق کی پاس سے ہو گیا طلب؟

تری حرص ہے تری کاہشیں تری خصم ہے تری خواہشیں
بُتِ آرزو کو جو توڑ دے نہ ہو حق سے بھی وہ خدا طلب

جسے وصلِ یار کا شوق ہو جسے اُس سے ملنے کا ذوق ہو
کرے حق سے وا ہی فنا طلب کرے دل سے آہِ رسا طلب

تو بُتِ موہنی کا جو رام ہے قفسِ نفس میں مدام ہے
ترا ادعا ہے ضرر بھرا - تری ہر دعا ہے خطا طلب

یہی دردِ راحتِ جاں بھی ہے یہی غم جراحتِ جاں بھی ہے

لگے زخمِ عشق جو سینے میں نہ ہو چارہ گر سے دوا طلب
تری جا ہے منزلِ لامکاں ترا گھر ہے عشرتِ جاوداں
جو فسادِ نفسِ شریر سے نہ ہو حرص فتنہ فزا طلب
جو تو مرے اپنی جہات میں تو وہ نیستی ہے ثبات میں
جو وفات قبلِ ممات ہے نہیں پھر وہ جورِ قضا طلب
درِ دل کو اپنے جو کھول دے کوئی پردہ گر نہ ہو سامنے
تو شعاعِ مہرِ نگارِ خود ترے گھر میں آئے بلا طلب
رہِ جستجو میں ہو گم اگر تو ملے نہ اپنی تجھے خبر
ترے ہوش اڑنے کے واسطے کریں تجھ سے بالِ ہما طلب
گہرِ مرادِ مراقبت جو حصول ہو تجھے عاقبت
کریں خارزارِ جنوں سے پھر ترے اشکِ آبلہ پا طلب
ہے دامن اس پہ جو آئے صبا خضرِ قناعت و صبر کا
تو چراغِ خاطرِ بوالہوس نہ ہو بادِ حرص و ہوا طلب
خط و خالِ صورتِ یار کا تو دکھا مرقعۂ با صفا
کرے نامہ تیرے عمل کا جب کوئی تجھ سے روزِ جزا طلب
سرِ راہ شرم سے دور ہو تو نگاہِ فسق و فجور ہو
کبھی نورِ غفلت و بے خودی نہ کرے گی چشمِ حیا طلب
کہاں طرزِ بیدلِ بے بدل کہاں نکر طالبِ پُر خلل
نہیں پر قصور فقر اگر کرے خور سے کسبِ ضیا طلب

طالب بنارسی

بلوچستان کی سیر

از میر کو ید الدین برق

برٹش سلطنت جس کے اوپر آفتاب عالم تاب رات دن کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر کبھی غروب ہونا بیان نہیں کیا جاتا۔ اس کے شایستہ ملکوں کے حالات تو ناظرین رسالہ ہذا نے کئی بار مختلف طریقوں میں دیکھے یا سنے ہونگے مگر جو چشم دید حالات ہم نے شمال مشرقی برٹش بلوچستان کے اُسی کے اندر رہکر اپنی چھ سالہ ملازمت میں جمع کئے تھے۔ وہ قابل غور ہیں۔ اس سلطنت میں جہاں شایستگی کا نمبر اول درجہ پر مانا جاتا ہے۔ وہاں جہالت کی حقیقت کا بھی کچھ نہ پوچھئے گا۔ جن لوگوں نے افریقہ کے ممباسہ کے قرب وجوار کو دیکھا ہے۔ اور وہاں کے مادرزاد ننگے آدمیوں کو بچشم تبصر ملاحظہ کیا ہے۔ وہ تو کچھ حیرت میں نہ پڑیں گے۔ مگر جن لوگوں کو سمندروں سے پار تو درکنار اپنے گھروں سے باہر قدم رکھنے کی کبھی نہیں سوجھی۔ ان کو مشرقی بلوچستان کے حالات پڑھ کر ضرور ہی ایک قسم کی دلچسپی وحیرت ہو جاوے گی۔ اور وہ لوگ ان لوگوں کی طرز معاشرت اور اپنی رہایش کی صورت میں زمین آسمان کا فرق ضرور پائیں گے۔ یہ حصہ جس کے حالات ہم لکھنے لگے ہیں۔ کاکڑستان کے نام سے مشہور ہے۔ جنوبی حصہ اس کا ضلع سبی کے علاقہ دوکی سے ملتا ہے۔ اور شمالی حصہ فورٹ سنڈیمان تک چلا جاتا ہے۔ مشرق میں ڈیرہ غازیخان کے غربی علاقہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور مغرب کی سمت ہنو چمن تک چلا گیا ہے۔ یہاں کے لوگ سب کاکڑ افغان کہلاتے ہیں۔ مگر اُن کی طرز تمدن افغانستان کی دیگر قوموں سے بالکل جُدا ہے انکا لباس

بڑا گندا وبھدہ ہوتا ہے۔ کرتے لمبے لمبے اور بدتراش۔ شلوار ۴۰ یا ۵۰ گز کے جو چلتے ہوئے پانچ چھ فٹ آگے پیچھے پاؤں پر لٹکتے چلے جاتے ہیں۔ بال سر کے بڑے لمبے کندھوں سے نیچے تک لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ سر پہ بے وضع پگڑی یا ٹپکے۔ اُن کو نہانے دھونے کا خیال تو برسوں تک یاد نہیں پڑتا۔ سردیوں میں مکانوں کے اندر رہتے ہیں۔ جن کو دروازہ یا قفل بالکل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان لوگوں میں ابھی تک چوری چکاری کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ نیچے نمدے بچھاتے ہیں۔ اور اوپر ایک بڑا لمبا سا لحاف جس کے نیچے سارا کنبہ اکٹھا لیٹ کر سو جاوے۔ چارپائی کا یہ لوگ ابھی تک نام بھی نہیں جانتے۔ حالانکہ پندرہ سال سے کچھ اوپر یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ آئے ہوئے ہیں۔ مگر تہذیب کے اثر سے ابھی کوسوں دور ہیں۔ گرمیوں کے اندر یہ لوگ دیگر سرسبز علاقوں میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں گھاس۔ پات۔ پانی بکثرت موجود ہو وہیں اپنے چھپر یا جھگیاں ڈال گذارہ کرتے ہیں۔ سادے سیدھے ان کی صحت بڑی اچھی ہوتی ہے۔ سرکار نے بعض مقامات پہ سکول بھی ان کے لئے جاری کئے ہوئے ہیں مگر ابھی تک یہ لوگ اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے وہاں نہیں بھیجتے۔ وہ اپنے پرانے، قیانوسی خیالات پہ ہی تلے ہوئے ہیں۔ نہیں جانتے کہ دنیا کی ہوا آج کل کدھر کو رُخ کئے ہوتے ہے۔ کریما اور پنج گنج اور کچھ موٹی موٹی کتابیں فقہ کی اپنے ملاؤں سے حاصل کرنے کو ہی فخر جانتے ہیں۔ جس کے لئے وہ مسجدوں کی خدمت کو اپنا فرض ادا لئے خیال کرتے ہیں۔ ملاؤں کا حکم خدا اور رسول کے حکم کے برابر سمجھتے ہیں۔ اور بس +

جب سرکاری سکولوں کے معلم ان کے دیہات میں موجودہ علم کی ترغیب پر ان کو کچھ نصیحت کرنے جاتے ہیں۔ تو ان سے یہ خندہ پیشانی پیش نہیں آتے۔

بلکہ اُلٹی سیدھی گالیاں بکنے لگ جاتے ہیں۔ اور قتل کی آمادگی ظاہر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ ہمارے گاؤں سے باہر نکل جاؤ۔ پھر نہ آنا۔ ہم ایسی تعلیم حاصل نہیں کریں گے۔ جس سے منشی۔ بابو۔ پٹواری بنکر تمہاری طرح گھروں سے نکل جاویں۔ ہم نوکری کو آگ لگاتے ہیں۔ ہمارے پہاڑوں میں گھاس۔ پانی چارہ۔ لکڑی بکثرت ہے۔ ہماری زمینیں بہت ہیں۔ گیہوں جو بہشتی میوہ ہے۔ یہاں اس قدر پیدا ہوتا ہے۔ جو سمیٹنے سے نہیں سمٹ سکتا۔ پھر اس سے زیادہ ہم کو اور کیا چاہئے۔ خیال تو اچھا ہے۔ مگر اس کی تقلید ہندوستانیوں سے بہ مشکل ہو سکتی ہے۔ اور ہندوستان میں ایسی آزادی شاید کسی خطۂ ملک کو ملی ہو تو ملی ہو ہم یقین نہیں لائیں گے۔ نمک۔ مرچ۔ مصالحہ کا تو یہ لوگ تا حال نام بھی نہیں جانتے۔ آٹا پتھروں پر بلکہ کپڑوں پر گوندھ لیتے ہیں۔ روٹی پتھر یا مٹی کے توؤں پر پکا لیتے ہیں۔ پانی مشکوں میں بھر کر رکھ لیتے ہیں۔ چھاچھ بھی انہی مشکوں میں بنا لیتے ہیں۔ اور اناج پن چکیوں پر پسنے کو بھیج دیتے ہیں۔ برتن ان کے گھر میں صرف دو ہی ہوتے۔ اول ایک مشک۔ دوم ایک لکڑی کی پرات۔ سالن پکانے کی بابت ان کو کوئی علم نہیں ہے۔ البتہ گڑ کھانے اور مانگنے پر عاشق ہوتے ہیں۔ فورٹ سنڈیمان سے لورالائی تک جو ۸۰ میل میں جرنیلی سڑک جاتی ہے۔ اُس پر یکوں۔ تانگوں اور ٹٹوؤں کے ساتھ بارہا ان کے لڑکے لڑکیاں گڑ مانگنے کی تلاش میں چار چار پانچ پانچ میل مسافروں کے پیچھے دوڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بعض منزلوں پر تو ہندو دکاندار ملتے ہیں۔ مگر ان کے اکثر گاؤں دکانوں سے بالکل خالی نظر آتے ہیں۔ ہم حیران ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے اسباب معاشرت کم و بیش کہاں سے لیتے ہونگے اور کیا کرتے ہونگے۔ وہاں کے

ہندوؤں کا لباس بھی انہیں سے قریباً ملتا جلتا ہے۔ البتہ تمیز کرنے کو سُرخ
رنگ کی پگڑی ان کی ضرور ہو گی۔ جس سے وہ فی الفور پہچان لئے جاتے ہیں۔
ملک لوگ ان کو دیوان سے ملقب کیا کرتے ہیں۔ پنجاب کے ہندو اور دیگر زرگر
وگ ڈیرہ جات کی طرف سے آکر اُن کو کچھ موٹے موٹے زیور و کپڑے دے جاتے
ہیں۔ اور اُن سے بجائے اُن کے ہینگ۔ کرت (دہی جما ہوا) خشک خرمانی۔
خشک سیاہ انگور و انار پنجاب لوٹے آتے ہیں۔ معمار۔ بڑھئی۔ موچی۔ جولاہے
وغیرہ ان میں کوئی نہیں ہوتے۔ البتہ کسی نہ کسی جگہ لوہار یعنی کاریگر موجود ہوتے
ہیں۔ جوتیاں یہ لوگ پہنتے ہی نہیں۔ بلکہ اکثر بھٹے کی کھیڑیاں اور خود تراشیدہ
بھدے جوتے بنا لیتے ہیں۔ اِن کے دیہات میں پانی جا بجا بصورت کاریز۔
دویالہ (نہر) جاری ہیں۔ جس سے اِن میں باغات کی کثرت ہے۔ مگر اُن میں
زیب و آرایش کا کوئی ذکر ہی نہیں پایا جاتا۔ جو لوگ چھاؤنیوں کے پاس رہتے
ہیں۔ وہ کچھ کچھ اثر انگریزی تہذیب کا سیکھنے لگ گئے ہیں۔ مگر فی الحال سردار
سے لیکر ادنے غریب تک بغیر چارپائیوں کے زمین پر لیٹ کر گذارہ کر رہے
ہیں۔ گیہوں کی پتلی پتلی چپاتیاں اکثر اوقات پیالہ سے کھاتے ہوئے یہ لوگ
دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس کو اپنی امارت میں شمار کرتے ہیں۔ باقی عام لوگ
سادہ روٹی بغیر نمک۔ مرچ و سالن کے کھاتے ہیں۔ اس ملک میں جوار و باجرا
کوئی پہچانتا بھی نہیں۔ البتہ کہیں کہیں نہ کہیں اب بوتے ہیں۔ دال و باجرا کے ناموں
سے متنفر پائے جاتے ہیں۔ اِن کے مضبوط اور عمدہ گھوڑے چراگاہوں میں
کھلے چرتے پھرتے ہیں۔ بھینس اس ملک میں بالکل نہیں ملتی۔ گدھوں سے
بوجھ ڈھونے کا کام اکثر لیتے ہیں۔ پرندے بھی اِس ملک میں عموماً نایاب ہیں۔
طوطا کہیں نام کو نہیں ملتا۔ وجہ یہ کہ اکثر حصہ ملک کا برفانی ہے۔ مارخور جنگلی بکرا

ہوتا ہے۔ اور الائی کے پہاڑوں کی دوسری طرف شمال میں کثرت سے ملتا ہے۔ جس کے شکار کے لئے اکثر شوقین یوروپین لوگ چھاونیوں سے نکلکر کئی کئی دن ان کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ مگر ان کی رہنمائی کو ایک دو کاکڑوں کا ہمراہ ہونا ضروری ہے کیونکہ وسیع پہاڑوں میں راستہ بھولنے کا بڑا خطرہ رہتا ہے۔

کاکڑوں کا سردار ہندو باغ کے علاقہ میں رہتا ہے جس کو اب سرکار سے کچھ نقدی و غلہ بطور وظیفہ ملتا ہے۔ اگرچہ وہ سرکاری افسران کے ساتھ میل جول [illegible] ایک عرصہ [illegible] [illegible] سرداری [illegible] [illegible] عورتوں [illegible] سردار [illegible] [illegible] نام [illegible] [illegible] کاکڑوں [illegible] ملتا ہے [illegible] دیکھنے یا سننے میں [illegible] [illegible] ان پر دیوانی و فوجداری مقدمات [illegible] اور اپنی عرضیاں [illegible] آج تک ڈاک کے ذریعے عدالت کو بھیج سکتے ہیں۔ شادیوں میں بہت سا روپیہ لڑکی والے لیتے ہیں جس کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہم حق مہر اول ہی وصول کر لیا کرتے ہیں۔ وحشی مسلمانوں میں جتنی گراں شادیاں اس علاقہ میں ہوتی ہیں۔ اور کہیں دیکھنے یا سننے میں نہیں آئیں۔ کاکڑی عورات اکثر دین دار اور صالح

ہوتی ہیں۔ اور وہ صوم و صلوٰۃ کی خاصی پابند ہوتی ہیں۔ اُن کا چال چلن بھی قابل تعریف ہوتا ہے۔ غیر محرم یا اجنبی لوگوں کے ساتھ غیر ملکوں کو جانا ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتیں۔ قوم سادات کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ مگر اس بات کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ کہ ان کو مار کر اسی جگہ دفن کر کے یہاں ان کا مزار بنا دیں۔ تاکہ مکہ و مدینہ تک جانا نہ پڑے۔ سادات میں مزار پرستی بدرجۂ کمال ہے۔ تاحال ملا لوگوں نے ان کو حلال و حرام کی تمیز کی پہچان نہیں کرائی۔ مسجدوں میں جوتیاں پہن کر نماز پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور [illegible] سوتیلی [illegible] بھر کر ایسا و نات [illegible] ہیں۔ شادیوں [illegible] وغیرہ پر [illegible] و مصالحہ پکاتے ہیں۔ تو اول شوربا غالباً [illegible] پر [illegible] سے [illegible] کرتا ہے۔ گویا اس بات [illegible] کے پیچھے پھرتے ہیں۔ پلاؤ، حلوا وغیرہ کے ناموں سے ناواقف ہیں۔ اور روٹی کو [illegible] ترکاری سے لگا کر کھانا [illegible] ان کی [illegible] جو پشاور کے [illegible] قریب [illegible] صورت ہے۔ پولیٹکل تقسیم کے [illegible] حصوں میں منقسم ہے۔ جن میں دو تین پولیٹکل ایجنٹ انگریز اور دو تین اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ اور کئی ای۔ اے۔ سی دیسی و تعلق داران شامل ہیں۔ خورشت [illegible] بان میں جو ضلع ژوب کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اور لورالائی میں پولیٹکل ایجنٹ ماتحت۔ ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان کے کام کر رہے ہیں۔ جن میں تاحال پولیٹکل قانون سرحدی مروج ہے ✦

میر کریم الدین برق

حورِ الفت

از منشی ڈپٹی لال نگم بی-اے دہلوی

ایک شب بستر غم اشک سے تر کرتا تھا رنج دل سے کبھی سر زانو پہ میں دھرتا تھا
سوزش ہجر سے میں آہ و بکا کرتا تھا کروٹیں لیکے اسی طرح سحر کرتا تھا
دل ہی آرام کبھی پہلو کو تسکین نہیں آخر دلدار ستمگار کی صورت ہی تھی
یاد آتا کبھی شوخی سے بگڑنا اُس کا بات بے بات ہر اک شخص سے اڑنا اُس کا
ہر قدم چلتی ہوا اوس سے جھگڑنا اُس کا ہر لحظہ پہ ... روٹھنا اُس کا
حور الفت تھا دراصل تو کھلی تھیں آنکھیں باغ اک سامنے تھا نظر اُدھر لپکیں
باغ ہر بات میں فردوس کا ہمپایا تھا گویا رضواں نے جنت سے اُٹھالایا تھا
حور و غلماں تھے طوبیٰ کا وہاں سایہ تھا الغرض تختۂ گلشن نے ستم ڈھایا تھا
ذرہ ذرہ سے نظر آتی تھی شانِ قدرت پائے ہر خار میں بنتی تھی سازِ قدرت
چھاؤں میں ایک جگہ کوئی پری پھرتی تھی پاں مستانہ تھی اٹھا کے قدم دھرتی تھی
چشم نظارہ وہ جس سمت کو وا کرتی تھی گویا بجلی تھی کہ عشاق پہ جا گرتی تھی
حسن جانسوز تھا وہ عالمِ رعنائی تھا
جلوے سے اُس کے ہویدا تابِ یزدانی تھا
پاس جب اُس کے گیا اور وہی صورت دیکھی رنج دل ... تو بظاہر میں بھی وحشت دیکھی
بال کھولے ہوئے تھی غم کی وہ صورت دیکھی قصہ کوتاہ غرض ایسی وہ حالت دیکھی
تھام کے اپنا کلیجہ میں وہیں بیٹھ گیا
غم سے آزردہ و دلگیر و حزیں بیٹھ گیا

بولی وہ دیکھ کے مجھ کو تو ہراساں کیوں ہے — مجھ نگوڑی کی اس حالت سے پریشاں کیوں ہے

خوب چپ چاپ بتا تو بھی حیراں کیوں ہے — ماجرا مجھ سے تو سن کہتا تو پنہاں کیوں ہے

تیرے ہمجنسوں نے مجھ کو کیا برباد افسوس

مجھ سی محسن پہ روا رکھا یہ بیداد افسوس

غمزدہ شخص بتا مجھ کو بھلا میں کیا ہوں — گر ہے الفت تجھے مجھ سے تو بتا میں کیا ہوں

تجھ کو مطلب ہی بھلا اس سے کہ کیا میں کیا ہوں — غور سے سن میری یہ بات کہ اب میں کیا ہوں

غمزدہ بیکس و بد قسمت و سودائی ہوں

رنج اٹھانے کو میں دنیا میں چلی آئی ہوں

مجھ کو ہر فرد بشر کہتا ہے "حُورِ الفت" — ہوں میں دنیا میں مگر اس سے رہیں بعید وحشت

آج کل بھائی کو بھائی سے نہیں ہے الفت — مسلماں ہندو کی [illegible] ہے کرتا ذلت

ایک [illegible]

[illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible]

[illegible]

میں نہیں چاہتی [illegible] — [illegible] شکوہ بیداد [illegible]

داستاں غم کی میں رو رو کے [illegible] — [illegible]

[illegible]

[illegible]

ڈپٹی لال نگم

ہندوؤں کی ترقی میں رکاوٹ

از مسٹر [illegible] جیون [illegible] ایم اے

پنجاب کی [illegible] ہندو [illegible] مہاسبھا کے [illegible] یادہ قابل [illegible] بہت [illegible] ترقی کی [illegible] بہت [illegible] ہندو دھرم قائم نہیں [illegible] افسوس کی بات ہے۔ وہ ہندو دھرم [illegible] دکھایا جاتا ہے کہ [illegible] بہت [illegible] ہو [illegible] مسٹر [illegible] نے [illegible] امریکہ کا سفر کیا اور وہاں [illegible] ثابت کر دیا کہ [illegible] جہالت کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ [illegible] سوال [illegible] سب [illegible] سوال کیا کرتے ہیں کہ ہندوؤں [illegible] ہندو [illegible] کوشش [illegible] اور تعجب [illegible] جیسا کہ [illegible]

[illegible] اس [illegible]

ہندو [illegible] کون نہیں جانتا [illegible] سال [illegible] تمام ہندو ایک جگہ جمع ہو کر [illegible] ایک دن بھی ایسا

نہیں ہوتا کہ جس دن ایک جا ہزاروں ہزاروں ہندو جمع ہو کر مخصوص (Rally) کریں کہ تمام لوگ ایک ہیں۔ ایک مذہب ایک رنگ کے ہیں اور اپنی تعداد اور طاقت کو دیکھ کر (mass rally) بحیثیت مجموعی خوش ہو سکیں۔ سال میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ تمام ہندو اکٹھے ہو کر یہ دعا مانگ سکیں کہ اے ایشور تو ہماری قوم پر لطف کر اور اس کو آنیوالی آفتوں سے بچا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ جس دن تبلیغی یا مذہب کسی ... تمام ہندو قوم کی بھلائی کے لئے تدبیر سوچیں اور اپنی بیماریاں اور کمزوریاں دور کرنے کی فکر کریں۔

ہندوؤں میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس دن کہ مثل عیسائیوں کے تبلیغی دن کے طرح تمام ہندو فرقے ملکر اپنے مذہب کا فخریہ اعلان یا اس کی بہتری کی کوشش کرتے۔ ہندوؤں میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس دن مثل امریکہ کے ... کے ان کے دلوں میں صرف ایک ہی خیال رہا کرتا ہو اور اپنے چھوٹے چھوٹے تنگ خیالوں سے نکل کر ایک بڑے خیال میں غرقاب ہو کر ہر ہندو متنفس یکساں محو خیال ہو جائے۔

انگلینڈ میں ایک خاص دن مقرر ہے جس دن ان تمام قدیم بزرگوں کی یادگار منائی جاتی ہے جو اپنے ملک کی آزادی کے واسطے شہید ہوئے۔ اس روز یہ نہیں پوچھا جاتا کہ کوئی خاص شخص کس فرقہ کا تھا۔ بلکہ سب کی عزت برابر اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ ایک قوم کے لئے شہید ہوئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں کیوں ایسی حالت

۱۹۰ ـ امریکہ کے ایک مشہور تاجر۔

اور institutions نہیں ہیں۔ جن سے ایک جذبہ۔ ایک حمیت۔ ایک پاس داری اور ایک قومیت کی بو آوے۔ اور دوسرا سوال یہ ہوگا۔ کہ وہ کون سی تدبیر ہے۔ کہ جس سے ان ہندوؤں میں بھی قومیت کی لہر موجزن ہو۔

ان سوالوں کے جواب میں صرف میرا ایک چھوٹا سا جواب ہے۔ وہ یہ کہ ہندوؤں میں اول درجہ کی اخلاقی کمزوری ہے۔ اس قوم میں دماغی طاقت تو نہایت زوردار ہے۔ لیکن اپنے ہی مانے ہوئے سچے معقول (معقولات) پر عمل کرنے کی بالکل جرأت نہیں۔ اگر کہا جائے۔ کہ ہندو جسمانی طور پر بزدل اور جان چور ہیں۔ تو یہ گویا ایک حد تک درست ہے۔ مگر ان میں عام طور پر یہ نقص نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے ایسے معاملات ہیں۔ کہ جن کے لئے یہ لوگ جان کھونے اور جیل خانہ جانے کا خوف نہیں کرتے۔ اور جن کو ہر ایک ہندو عقلاً اچھا سمجھتے ہیں۔ لیکن بوجہ اخلاقی کمزوری کے اختیار نہیں کر سکتے۔

مثلاً کتنے ایسے ہندو ہیں۔ کہ جو کہ چوکا نکال کر کھانے سے سخت عاجز اور چوکا کی فلاسفی سے سخت ملول ہیں۔ وہ ... اور ولایت جانے کے قائل نہیں لیکن جب اُن سے یہ کہا جاتا ہے۔ تو وہ ... کیوں کھاتے ہیں تو سوا خاموشی کے کوئی جواب نہیں دیتے۔ بلکہ بعض یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ کیا کریں مجبور ہیں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ یہ اخلاقی کمزوری کی ایک سادہ سی مثال ہے۔ برخلاف اس کے اگر کسی جاپانی یا امریکن کے سمجھ میں ایک دفعہ کوئی بات آجائے تو وہ پھر اُس کو بغیر عمل میں لائے نہیں رہتا۔ بلکہ اُس کام کو خود کرنا یا دوسروں سے کرانا زندگی کا ایک مشن سمجھتا ہے۔

دوسری مثال ہندوؤں کی اخلاقی کمزوری کی اُن کی ذات پات کا بچار

سب ہے۔ کیا وجہ ہے۔ کہ ہندو مجموعی طور پر ایک نہیں ہو سکتے۔ محض اس وجہ سے
کہ اُن کی قوم بے طرح کئی ٹکڑوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ اور جب کوئی
بھلائی کی بات ہندو سوچتے ہیں۔ تو سوا اپنی ذات والوں کے یا اپنی مت
والوں کی بھلائی کے کل قوم ہندو کی بھلائی کبھی نہیں سوچتے۔ مثلاً آریہ جب
سوچیں گے۔ تو آریہ مت کے فائدہ کی بات۔ ہندو [illegible] سے اُن کو سخت نفرت ہے۔
سکھ جب سوچیں گے تو سوا اپنی گدی والے سکھوں کے اور کسی کے فائدہ
کی بات کبھی نہ سوچیں گے۔ اسی طرح [illegible] وغیرہ سوا اپنے [illegible]
[illegible] کسی ہندو کا بھلا نہیں [illegible] راجپوت سوا [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] +

واقعات [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تمام ذاتوں کا [illegible]

آجکل بھی ہندوستان [illegible] کام [illegible] وہ ذات کے اصول پر نہ کہ ہندو
قومیت کے اصول پر [illegible] سبھا۔ برہمن سبھا۔ راجپوت سبھا۔ سکھ
سبھا۔ ویش سبھا وغیرہ صرف اپنی بھلائی کی فکریں سوچتی ہیں۔ یہ کسی کو نہیں
سوجھتا کہ All India Hindu Conference قائم کرے
جس میں ہر فرقہ سے برابر تعداد پنچوں representatives

کی بھی جائے۔ اور جو کانفرنس کہ کل ہندو قوم کی ترقی کے طریقہ سوچے۔ اور کل ہندو قوم کی طرف سے جواب دہ ہو سکے۔ لیکن یہ خیال کس طرح پیدا ہو۔ افسوس ہیں جب تک خود غرضی اور ذات پات کا بکھیڑا ہے۔ ہندوؤں میں نہ حمیت اور نہ قومیت پیدا ہو سکتی ہے۔ نہ ان میں قومی جوش اور ملکی جذبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہونے والا ہے۔ کہ کل ذاتیں آہستہ آہستہ کمزور اور معدوم ہو جائیں گی۔ اور ہندو نام محض ایک خواب وخیال ہی رہیگا +

اگر ہندو قوم کو بچانا منظور ہے۔ تو ہم کو متفقہ کوشش کرکے ذات پات اور چھوت چھات کو چھوڑنا چاہئے۔ اور اُس کے عوض میں ایک عام فہم ہندو قومیت Nationality کی بنیاد ڈالنی چاہئے۔ اور ہندو مذہب کو ایسی مضبوط جڑھ پر قایم کرنا چاہئے۔ کہ جو محض مسلمان اور عیسائیوں کے ساتھ کھانے سے غائب نہ ہو جائے۔ بلکہ اس قدر Catching ہو کہ دوسروں کو بھی اپنے حلقہ میں شامل کر سکے۔ کیا ہندو لوگ اپنے چُولھے چوکے کو چھوڑ کر اُس بڑے چوکے کی ہندوزم کو بچا سکتے ہیں۔ جو کہ ایک طرف خلیج بنگالہ سے۔ دوسری طرف ہندی سمندر سے اور تیسری طرف خلیج فارس سے۔ اور چوتھی طرف ہمالہ پہاڑ سے گھرا ہے۔ اگر یہ چوکا باقی رہا۔ تو لکیر والا چھوٹا چوکا بھی بچ سکیگا۔ ورنہ زمانہ کی زبردستی سے مجبوراً غیر ہندو بننا پڑے گا +

مہیش چرن سنہا۔

نقش کی فریاد

از خواجہ حسن نظامی

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

جب کچھ نہ تھا۔ میں موجود تھا۔ عدم کی اقلیم میں نقاشی معدوم تھی مگر میرا وجود پایا جاتا تھا۔ کیا اچھی گذرتی تھی۔ نیستی کے عالم میں ہست کی بہار نظر آتی تھی۔ نقاش نے ستم کیا۔ میری چپ چاپ زندگی برباد کر دی۔ دنیا کے نقشہ میں رنگا رنگی سے میری یکرنگی بکھر گئی۔ ایک نقش ہزار فریادیں جس رنگ میں دیکھو میری فریاد لکھی نظر آئے گی +

مجھ سے وعدہ ہوا تھا۔ تجھکو بڑی اونچی چوٹیاں ملیں گی۔ سمندر کی موجوں میں سُلایا جائے گا۔ بیابان اور گلستان میں تیرے محل بنائے جائیں گے آنکھیں تجھ کو دیکھیں گی۔ دل تیری آرزو میں بے چین کئے جائیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تو میرا آئینہ بنے گا۔ اور میں تجھ میں نظر آؤں گا +

وعدہ پورا ہوا۔ مگر میرا جی خوش نہیں۔ میں وہی اگلی سی بات چاہتا ہوں۔ مجھ کو اکیلا رہنا پسند ہے۔ وطن کی یاد تکلیف دیتی ہے۔ پرانا گھر اچھا تھا یا برا میرے لئے ایک نعمت تھی۔ وہیں جاؤں گا۔ اسی میں ہونگا وہی تنہائی بھاتی ہے +

ہندوستان میں میری شان گنگا کی لہروں میں تھی۔ شوالوں کے گھنٹہ میں تھی۔ کروڑوں دیوتاؤں کی مورت میں تھی۔ ہندوؤں کی پیشانی پر تھی

جہاں تھا۔ میں تھا۔ درختوں کی چھال اور پتوں میں۔ برہمنوں کی زبان اور منتروں میں۔ مندر کے آرایش خانہ میں۔ رام دل آرام کے بت خانہ میں گیتا میرا ہی نام تھا۔ وید مجھ ہی کو کہتے تھے۔ یوگی میرے ہی آسرے سمادھ لگاتا تھا۔ رام کا تیر میں تھا جس نے سینے چھید ڈالے۔ کرشن کا بان بنکر بان گنگا میں نے ہی جاری کی +

یہ سب کچھ میرے دل بہلانے کو کافی تھا۔ ممکن تھا۔ کہ میں جدائی کی تکلیف کو بھول جاتا۔ مگر بنانے والے نے یہاں کا نقشہ بگاڑ دیا۔ میری رنگین صورتوں کا رنگ اڑ گیا۔ اب نہ گنگا کی لہروں میں میری قدر ہے۔ نہ بتخانہ کی مورتوں میں +

جہاں مجھ کم نصیب کا نام نقش تھا۔ وہاں اجنبی سیلی کا نام کندہ ہو گیا۔ مجھ کو کیوں ستایا جاتا ہے۔ میری فریاد کیوں نہیں سنی جاتی۔ مجھ کو نقش اوّل بنا کے نقش ثانی کیوں کر دیا۔ کوئی ہے جو میرا راز دار بنے۔ اسرار کے پردے اُٹھائے۔ میں چپ ہوں۔ مگر کہتا ہوں۔ مردہ ہوں۔ مگر بولتا ہوں۔ اور بولتا رہوں گا۔ جبتک قید سے آزادی میسر آئے +

ہندوستانی نگار خانہ میں جب تک میرا اصلی پرانا رنگ نہ جمے گا۔ فریاد کرتا رہوں گا۔ کاغذی کرتہ پہنوں گا۔ اور داد چاہوں گا +

حسن نظامی

آزاد پریس کے متعلق آپ نے کبھی غور نہیں کیا۔ کہ کس قدر بوجھ آپ کے آزاد پر پڑا ہے۔ اور ان مالی دشواریوں کا مقابلہ کرنا بلا آپکی مدد کے دشوار ہے۔ توجہ کیجئے۔ سوچئے اور اس کی فکر کیجئے +

سلطنت عظیم برطانیہ

از خان بہادر شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ خان

سلطنت عظیم برطانیہ کا اطلاق انگلینڈ سکوٹ لینڈ و ویلز و آئرلینڈ اور اس کی کولونیز (نو آبادیاں) اور توابع ملک پر کیا جاتا ہے۔ اس کو انگریزی میں برٹش ایمپائر کہتے ہیں۔ اس سلطنت کے بادشاہ کو ہم قیصر ہند اور انگریزی میں اس کو ایمپرر کہتے ہیں۔ اسی سلطنت عظیم کو صحیح صحیح بتلانا مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں بعض ممالک محروسہ ہیں۔ بعض نیم آزاد ہیں۔ لیکن یہ تحقیق معلوم ہے۔ کہ اس کی وسعت پچانوے کروڑ مربع میل سے کچھ زیادہ ہے۔ اور اس کی آبادی چھتیس کروڑ گیارہ لاکھ آدمیوں کی ہے۔ ایسی سلطنت عظیم الشان نہ کبھی زمانہ ماضیہ میں کوئی ہوئی نہ زمانہ حال میں کوئی موجود ہے۔ اگر اس میں باج گزار ممالک داخل کئے جائیں۔ تو وہ کرہ زمین کے ایک چھٹے حصہ پر اور اس کے آدمیوں کے پانچویں حصہ پر وہ حکم رانی کرتی ہے۔

فہرست ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سلطنت کی وسعت اور آبادی دنیا کے مختلف حصوں میں کتنی کتنی ہے۔

	وسعت مربع میلوں میں	نسبت برطانیہ عظمیٰ سے	آبادی	فی میل آبادی
یورپ میں	۱۲۱۶۳۷ ¼	۱ ¼	۳۶۹۰۷۱۸۸	۳۰۳
ایشیا میں	۱۹۴۹۵۳۷	۱۸ ¾	۲۶۶۳۰۹۹۸۶	۱۴۰
افریقہ میں	۵۶۷۴۱۶	۴ ⅜	۳۴۵۶۹۸۱	۶

•	وسعت مربع میلوں میں	نسبت برطانیہ اعظم سے	آبادی	فی میل آبادی
شمالی امریکہ میں	۳۸۸۸۴۵۷	۴۴	۳۶۴۲۰۸۱۷۸	۱ ۱/۹
جنوبی امریکہ میں	۹۵۲۵۰	۱ ۱/۱۲	۲۴۲۷۳۹	۴ ۱/۳
اوشینیا مجمع الجزائر	۳۲۵۶۷۱۸ ۱/۲	۲۶ ۳/۴	۳۷۱۹۲۰۹	۱ ۱/۲
میزان کل	۹۵۵۹۰۱۵ ۳/۴	۱۰۸	۳۱۱۳۸۸۳۴۱	۳۳

اس اوپر کی فہرست کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اس سلطنت عظیم برطانیہ کی شوکت میں عجیب قدرت الٰہی جلوہ نما ہو گی۔ خداوند تعالےٰ نے ایک چھوٹے سے ملک کو اپنی عنایت سے وہ قدرت دی ہے۔ کہ اپنے سے ایک سو آٹھ گنے ملک پر مسلط ہے کرۂ زمین پر چھ مربع میل میں سے ایک مربع میل پر قبضہ اور اس کے پانچ آدمیوں میں سے ایک اُس پر حکومت رکھتا ہے۔ یورپ ایشیا۔ افریقہ۔ شمالی جنوبی امریکہ۔ اوشینیا مجمع الجزائر میں اتنے مختلف مقامات پر سلطنت کرتا ہے۔ کہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا جس کے معانی یہ ہیں۔ کہ اس میں ہر وقت ہمہ وقت موجود ہے +

اس سلطنت کا سرتاج انڈیا ہے۔ جس میں اس کی طرف سے گورنر جنرل وائس رائے مع کونسل حکمرانی کرتا ہے۔ اس کے سوا اس کے ماتحت اور ممالک کولونی (نو آبادیاں) ہیں۔ ان کل ممالک میں انگلینڈ کے دو منسٹر (وزیر) ان کے تمام معاملات کارفرمائی اور رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایک کو سیکرٹری آف سٹیٹ فور انڈیا (وزیر ہند) اور دوسرے کو سیکرٹری آف سٹیٹ فور کولونیز (وزیر نو آبادیاں) کہتے ہیں +

برطانیہ کولونیز میں آبادی کا بڑا حصہ اصل انگلش نسل سے ہے۔ یعنی

زیادہ تر اِس میں انگریز ہی آباد ہیں۔ ان میں نظام ری پرزن ٹیٹیو سیلف گورنمنٹ کا ہے یعنی اوّل ہوم گورنمنٹ (انگلینڈ کی گورنمنٹ) وہاں گورنر تصور کرتی ہے۔ جس کا کونسل (دیوان وزارت) ہوتا ہے۔ جس میں وزیر کولونی کے پارلیمنٹ کے ممبر ہوتے ہیں۔ دوم ایک کونسل منتخب شدہ ہوتا ہے۔ جو مختلف طرح پسند کیا جاتا ہے۔ سوم ہوس ری پری زینٹیٹو ہوتا ہے جس کے ممبروں کو عام رعایا انتخاب کرتی ہے +

جن چھوٹی چھوٹی کولونیز میں اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کی قابلیت نہیں ہے۔ سکے گورنر اور اِن کی کونسلوں کے ممبر ہوم گورنمنٹ مقرر کرتی ہے جس کے ہاتھ میں بالکل وہاں کی فرمانروائی ہوتی ہے۔ اِن کو کولونیز کہتے ہیں انگلینڈ نے ملک غیر اِن چار طرح سے حاصل ہوئے ہیں +

(۱) فتح سے جیسے جبرالٹر کیپ کولونی وغیرہ +

(۲) عہدناموں کے ذریعوں سے جیسے نیو فونڈ لینڈ +

(۳) خریدنے سے جیسے سنگاپور۔ (اِن تینوں طرح سے انڈیا حاصل ہوا ہے) +

(۴) آباد ہونے سے جیسے آسٹریلیا +

محمد ذکاء اللہ

سال تمام ہونے میں صرف دو مہینے باقی ہیں نئے سال کی خوشی میں فی زمانہ تحفہ دیئے جاتے ہیں۔ آزاد تو تحفہ نذر کرنے کی فکر میں ہے مگر آپنے بھی سوچا کہ آپ آزاد کے لئے کیا تحفہ پسند کرینگے۔ آزاد کے لئے سب سے اچھا تحفہ ایک ایک نیا خریدار ہے۔ اِس کی فکر کیجئے۔ آپ کے لئے ادنےٰ بات ہے +

حسن و عشق کا مناظرہ

از منشی بشمبر پرشاد اختر

حسن نے عشق سے اک روز کہا اترا کر — میرا ثانی نہ ہوا کوئی جہاں میں پیدا
مجھ پہ مرتے ہیں ہر اک مذہب و ملت والے — میرا دم بھرتے ہیں خورد و کلاں شاہ و گدا
زاہد خشک کی بھی رال ٹپک پڑتی ہے — دیکھ لیتا ہے جو چلمن سے جھلک میری ذرا
دل انساں نہ فقط میں نے کیا ہے تسخیر — حور و غلمان و ملائک پہ عمل ہے میرا
بسکہ نقد دل عاشق کی کسوٹی ہوں میں — آج چلتا ہے میرا ملک وفا میں سکا
چشم مشتاق نظر باز میں ہے میرا گھر — مجکو دیتا ہے جگہ دل میں ہر اک اہل وفا
میں نہ ہوتا تو نہ ہوتا کوئی شیدائے بتاں — ایک پہ ایک زمانہ میں نہ مائل ہوتا
رنگ عالم میں حسینوں کا جما دیتا ہوں — کھینچتا چشم زمانہ میں ہوں نقشہ اُن کا
غنچہ و گل میں نظر آتا ہے میرا ہی جمال — بلبل زار شب و روز ہے مفتون میرا
سرو و شمشاد میں ظاہر میری رعنائی ہے — طوق الفت میرا قمری نے گلے میں پہنا
شمع میں نور میرا مہر میں میری تنویر — ماہ و انجم میں نمایاں ہے فقط میری ضیا
نازنیں بنگئے میری ہی بدولت معشوق — میرے ہی صدقہ میں آتے ہیں اُنہیں ناز و ادا
سحر تسخیر ہوں شعبدہ نیرنگ طلسم — بھر دیا میں نے ہی آنکھوں میں بتوں کی سارا
میں نے ہی عارض تاباں کو دیا نور سحر — زلف مشکیں کو کیا غیرت شام یلدا
تیر مژگاں کو بنایا ہے کماں ابرو کو — دام گیسوئے مسلسل کو کیا دام بلا
چشم فتاں کو سکھایا ہے قضا کا انداز — لب جاں بخش کو اعجاز مسیحا بخشا
رشک خورشید جہاں تاب بنایا رخ کو — نور کے سانچے میں ہر عضو بدن کو ڈھالا

بھر دیئے قامتِ رعنا میں ہزاروں فتنے — روشِ نازِ حسیناں سے کیا حشر بپا
ایک جلوہ پہ میرے سیکڑوں دل ہیں قرباں — لاکھ جانیں ہیں مری ایک جھلک پر شیدا
لاکھ پردوں میں چھپانے سے نہیں چھپتا ہوں — مجھ میں یہ وصف ہی قدرت نے ازل سے رکھا
خسروِ مصر ہوئے میری بدولت یوسف — ماہِ کنعاں کا لقب میں نے کیا اُن کو عطا
میرے ہی دم سے زلیخا ہوئی مطعونِ جہاں — میرے ہی جلوے سے بیہوش ہوئے تھے نسوے
کیوں نہ مرغوبِ دلِ شیخ و برہمن ہو ل کیا — کہ نمایاں ہے میرا دیر و حرم میں جلوا
قدر کرتے ہیں دل و جاں سے سخنور میری — میں ہی مضمون سجھاتا ہوں انہیں صبح و مسا
اپنے آنکھوں پہ لیں تجکو بٹھائیں عشاق — بولتا آج حسینوں میں ہے طوطی میرا
میرے جلوے کے ہیں مشتاق سبھی پیر و جواں — دیکھنے کا ہے میرے اہلِ نظر کو چسکا
کونسی آنکھ میری طالبِ دیدار نہیں — کونسا دل ہے جو میرا نہیں پابندِ وفا
دلِ معشوق سے پوچھے کوئی میری تعریف — لبِ عاشق سے سنے جاکے کوئی میری ثنا

ایک تو ہے کہ نہیں تجھ میں ذرا بھی خوبی — روتی صورت پہ تیری ہنستا ہے عالم سارا
دلفریبی کے نہ انداز نہ دلداری کے — کوئی عشوہ نہ کرشمہ نہ اشارہ نہ ادا
دیکھ تو آئینہ منگوا کے ذرا شکل اپنی — تیرے چہرے پہ نحوست نے جمایا نقشا
رنج و غم حسرت و ارماں ترے ہمراہ رفیق — اور مونس ہیں سدا نالہ و فریاد و بکا
جس کا ہمدم ہوا تو بس وہی پامال ہوا — تو کوئی قہر ہے آفت ہے بلا ہے بیجا
بیخطا تو نے ہزاروں کے گلے کٹوائے — ناحق خون مگر ہے ترے مذہب میں روا
فتنۂ حشر تری چال سے ہوتا ہے عیاں — ملک الموت کی شمشیر تیری تیغِ جفا
کردیا قیس کو آوارہ و مجنوں تو نے — اور ہوئی تجھ سے ہی رسوائے زمانہ لیلے
تو نے شیریں کی بھی کھالی مفت میں جانِ شیریں — تیرے ہاتھوں ہی تو فرہاد نے تیشہ کھایا

تو نے ہی رام سے چھڑوائی تھی بن بن میں خاک
تو نے ہی خاک میں اون کی ملائی نخوا

کونسی آنکھ ترے ظلم سے خونبار نہیں
کونسا دل ہے کہ جس پر نہیں تیرا صدما

کونسا لب ہے نہیں جس پہ شکایت تیری
ہے زباں کونسی جس پر نہیں تیرا شکوا

[illegible] آزاد ظالم ہے ستمگر ہے تو
اور میں خلق [illegible] آرام [illegible] ہے [illegible]

تو [illegible] کے لئے دل کو سرور [illegible]
راحت [illegible] جان [illegible] نہیں ہے!

[illegible] دیا اُس کو جواب
جو بیاں تو نے کیا واقعی حق ہے سارا

[illegible] رستا ہے [illegible]
شان ہے شان تری جلوہ ہے جلوا تیرا

[illegible]
فخر کرنا تجھے شایاں ہے تعلّے زیبا

تیری [illegible] سے [illegible]
تیری رعنائی پہ ہر ایک [illegible] ہے فدا

ہمسری کا تیرے [illegible]
تیری یکتائی سے انکار کرے وہ جھوٹا

لیکن اے حسن یہ مانا [illegible]
[illegible] سن مجھ سے تو اب یہ بھلا

کہ تیرے واسطے پیدا کیا عاشق نے نظر
قدر [illegible] تیری ہمیشہ میرا ازل سے شیوا

پر پوچھتا بھی نہ کوئی تجھ کو جہاں میں ہرگز
دل [illegible] سے نہ گر میرا تعلق ہوتا

کھوٹے داموں بھی نہ لیتا کوئی تجھکو واللہ
[illegible] دل میں نہ بیٹھا تا جو میں سکہ تیرا

ایک جب شہر میں ہوں میں ہی خریدار تیرا
ناز کرنا تو تیرا مجھ سے ہے اسلئے دست بجا

بانکپن اتنا مگر مجھ سے سزاوار نہیں
مجکو ہر حال میں ہمجنس سمجھ تو اپنا

چاہنے والوں سے کرتے نہیں [illegible] عزو
قدر دانوں سے مناسب نہیں پندار تیرا

میں نہ ہوتا تو نہ ہوتا کوئی تیرا پرساں
کر بھی سکتا دلِ اختر کو مسخر تو بھلا

فیصلہ

الغرض بڑھنے لگی جبکہ یہ بحث و تکرار
صلح کل عدل صفاکیش وہاں آ پہنچا

سنکے دونوں کے بیاں لوگ لاعبث لڑتے ہو　　میرے نزدیک تو دونوں کا ہے دعویٰ سچا

میری مانو تو کہوں تم سے خدا لگتی بات　　میں نہ رکھونگا کسی کی بھی لگی کچھ اصلا

خلق ہیں لازم و ملزوم تمہارا ہے وجود　　چولی دامن کی طرح ساتھ ہے تم دونوں کا

عشق سے حسن کی ہو عزت و شان و شوکت　　اور یونہی حسن سدا عشق کا ہے قدر افزا

حسن ہوتا ہے جہاں عشق وہیں ہوتا ہے　　عشق اگر جسم تو جاں اُس کی ہے حسن زیبا

حسن ہوتا ہے تو ہے عشق سہاگہ اُس پر　　حسن آئینۂ قدرت ہے تو ہے عشق جلا

حسن ہے باغ امید عشق ہے ابر رحمت　　وہ جو ہے شمع یہ پروانہ وہ غنچہ یہ صبا

بلکہ سچ پوچھو تو کچھ عشق کا رتبہ ہے بلند　　عشق صادق ہو تو انسان ہے مقبول خدا

عاقبت عشق سے ہوتی ہے بشر کی بالخیر
بخشواتا ہے یہ سب اُسکے گنہ اور خطا

پتمبر پرشاد اختر

زنانہ حسن و لباس۔ اس نام سے ایک دلچسپ کتاب لالہ مدن گوپال ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی پلیڈر نے تصنیف کی ہے۔ لالہ صاحب ان بہادر شخصوں میں سے ہیں جنہیں ہم وطنوں کیلئے لٹریچر بہم پہنچانیکی لگن لگی ہوئی ہے فرقہ نسواں کیلئے حسن و لباس بھی ایک ضروری اور دلچسپ مضمون ہے انگریزی میں تو اس قسم کی بہت سی کتابیں ملیں گی بلکہ کئی ایک رسالے بھی نکلتے ہیں۔ مگر اردو میں یہ پہلی کوشش ہے اور حق تو یہ ہے کہ مصنف نے اس مضمون کو ایک حد تک نہایت خوبی سے پورا کیا ہے۔ مختلف ممالک کی خوبصورتی ایسے دلچسپ پیرایہ میں بیان کی ہے کہ کتاب ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا لباس کے متعلق بھی ایک دلچسپ بحث ہے رنگوں کے بیان میں رنگین بیانی سے کام لیا ہے۔ ان سب باتوں کو دلچسپ بنانے کیلئے ۲۰ فوٹو کی تصویریں دی گئی ہیں۔ مصنف ہر طرح حوصلہ افزائی [illegible] تعلیم [illegible] کے لئے کچھ نسخے خریدے تو مفید ہونگے قیمت مجلد بتقطیع [illegible] ۔۔۔ [illegible] ہنگے پتہ سے ملتی ہے ۱+

سیر شملہ

از مرزا محمد سعید ایم۔ اے

کوہسار کے نظارے شاعر۔ مصوّر اور فسانہ نویس کے لئے مضامین کی کان ہیں۔ مصوّر کا تو ہمارے رواج ہی نہیں۔ مگر ہمارے شعرا اور فسانہ نویس بھی اِس نعمت سے بے بہرہ ہیں۔ شاید انہیں حسن اور عشق کے مطالعہ سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی۔ جو اِس قدرت کے ظہور کا حظ اُٹھائیں۔ اور ان سبقوں کو سیکھیں۔ جو درختوں کے اوراق میں مرقوم اور پہاڑوں کی چٹانوں پر کندہ ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اِس لاعلمی کے مورد الزام وہ نہیں۔ بلکہ اِن کی طبیعت ہے۔ اور محض طبیعت کا بھی قصور نہیں۔ تربیت بھی شریک گناہ ہے۔ ہماری طبائع اِس قسم کی واقع ہوئی ہیں۔ کہ ہم روحانی خوشی کے اعلےٰ مدارج سے ناآشنا ہیں۔ اِس کی وجہ کچھ تو آب و ہوا کا اثر ہے گرم ممالک کی آب و ہوا کا یہ خاصہ ہے۔ کہ محسوسات نفسانی کے ادراک کو تیز اور محسوسات روحانی کے ادراک کو کمزور کرے۔ منطقہ حارہ کے رہنے والے عموماً آرام طلبی کے شیدا اور لذاید جسمانی کے متلاشی رہتے ہیں علاوہ اِس آب و ہوا کے شدید اثر کے ہندوستان جنت نشان اِس قسم کا ملک ہے۔ کہ اِس میں قدرت کا پسند کرنے والا اس خوان نعمت میں سے کھانے سے پہلے ہی سیر ہو جاتا ہے۔ خدا نے اپنے گوناگون تماشوں اور نظاروں سے اِس ملک کو بھر دیا ہے۔ جدھر نکل جاؤ نیا آسمان۔ نئی زمین نظر آتی ہے۔ ایک حصہ کی آب و ہوا دوسرے سے اس قدر مختلف اور

پھر اس قدر متأثر ہے۔ کہ انسان کو حیرت پیدا ہوتی ہے۔ دنیا بھر کے ملکوں کا نمونہ اس ملک میں مل جاتا ہے۔ غرض ہند کیا ہے۔ خلاصہ روزگار ہے اس کثرت موجودات کی وجہ سے انسان کی طبیعت میں قدرتی خوبصورتی کے لئے وہ تجسس کا مادہ باقی نہیں رہتا۔ جو ویران اور بنجر ملکوں کے باشندوں میں پایا جاتا ہے۔ صحرا کے بدو کے لئے کھجور کے درختوں کا جھنڈ اور شفاف پانی کا چشمہ ہزاروں ارمانوں اور سینکڑوں آرزوؤں کا مرکز ہوتا ہے۔ وادی گنگا کے زرخیز میدانوں کے رہنے والے ایسی چیزوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ شمالی یورپ کے تاریک اور سرد خطوں کے رہنے والے جنوبی فرانس کے روشن اور خوشگوار باغات کو نگاہ مسرت سے دیکھتے ہیں لیکن ہندوستان کے سرسبز حصوں کے رہنے والوں کی نگاہ میں یہ کچھ بہت نہیں جچتے۔ غرض کہ شاید اس بات کے ماننے میں ہمیں کچھ تأمل نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ہماری مشاہدۂ قدرت کی طرف سے لاپرواہی کثرت نظارہ کی وجہ سے ہے۔ اور پھر جب اس امر کو ملحوظ رکھا جائے۔ کہ باوجود کثرت کے ہندوستان کے بعض حصوں کے قدرتی نظارے کچھ بہت مختلف الانواع نہیں تو یہ بات پوری طرح ہماری سمجھ میں آجاتی ہے۔ کہ ہم کیوں قدرت کی طرف سے لاپرواہ ہیں۔ ہم میں وہ لوگ بھی جنہیں شاعری کا دعوےٰ ہے۔ اور جو واقعی شاعرانہ آنکھ رکھتے ہیں۔ قدرتی منظروں کی دلچسپی سمجھ کر دیکھنے سے قاصر ہیں۔ غالب اور آتش کی شاعری میں کسے کلام ہوسکتا ہے۔ دونوں کے کلیات [illegible] شاعری کے موتی ٹکے ہوئے ہیں۔ لیکن قدرتی [illegible] کہیں نہیں لگا۔ آجکل کے جو شاعر قدرتی [illegible] وہ بھی درحقیقت اپنے آپ کو

دھوکہ دیتے ہیں۔ ان کا یہ منصب نہیں۔ کہ وہ قدرت کے پر دہشت جنہیں وہ محض انگریزی شاعروں کی قلم کاری کا دھندلا سا عکس اپنی نظموں میں پیش کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی نئی بات نکالتے ہیں۔ تو وہ قدرت کی تعریف میں نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے دلی خیالات کا عکس ہوتی ہے۔ ہاں تو اس تمہید سے میرا مقصد یہ تھا۔ کہ ناظرین پر قدرت کی بہاروں کے دکھانے کے بارہ میں میری کم لیاقتی ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ میں بھی ہندوستانی ہونے کی شق سے بری نہیں۔ اور میرے خیالات کا میلان وہی ہے جو عام ہندوستانیوں کا ہوتا ہے۔ اور اس پہ ایک بات مزید ہے۔ کہ میں شاعر بھی نہیں۔ شملہ کے منظر دیکھنے کے لئے شاعر کی آنکھ اور اُن کے بیان کرنے کے لئے شاعر کی زبان ہونی چاہیئے۔ اور یہاں دونوں ہی مفقود ہیں۔ ایک اور امر بھی سدِ راہ ہے وہ یہ کہ سیر کوہسار کا مضمون اس قدر پرانا ہو گیا ہے۔ کہ اس میں جدت کا پیدا کرنا معلوم۔ اور جب جدت نہ ہوئی۔ تو محض خامہ فرسائی سے کیا حاصل؟ مگر دل کی اُمنگ۔ اس بات پر مجبور کرتی ہے۔ کہ کچھ لکھوں۔ اور سوائے اس کے چارہ نہیں۔ کہ شملہ کی نسبت اپنے مشاہدات لکھ کر دل کا بخار نکال لوں۔ بعد ناظرین ابھی رد کھے پھیکے صفحات میں کوئی نہ کوئی دلچسپی کا پہلو نکال لینگے کہا گیا ہے۔ کہ انسان ناشکرا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو اپنی حالت پر قانع ہو۔ ہر حالت میں انسان کو دوسری کی خواہش رہتی ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اس کاوش کے بعض بعض فوائد ہیں۔ اور انسان کو ناسپاس اور حریص کہنے سے محض ایک واقعہ کا اظہار مقصود ہے۔ حضرت انسان کی بے چین طبیعت اگر موسم سرما میں گرمی کی خواہش رہتی ہے تو موسم گرما میں جاڑے کو پکڑ لانے کا خیال آتا ہے اور پھر گرمی کو سردی بنا لینے سے نہیں

سامان پیدا کئے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو پنکھے ٹٹی پر اکتفا کرتے ہیں۔ مگر جو ذی اقتداروں کی نسبت زیادہ شوقین اور متمول ہوتے ہیں۔ وہ پہاڑوں کی سیر کو چلے جاتے ہیں۔ اور شملہ کے پہاڑ کو یہ شرف حاصل ہے۔ کہ تمام بڑے بڑے انگریز یہیں آکر رہتے ہیں۔ اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ سیر شملہ بلحاظ آب و ہوا اور سبزی کے سب پہاڑوں سے بڑھکر ہے۔ اور سب نے اِس کی فوقیت کو تسلیم کر لیا ہے +

انبالہ سے ریل کا سٹیشن نکلتے ہی سبزہ کی روئیدگی دیکھ کر مسافر کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ چاروں طرف ہرے بھرے دیو پیکر درخت آسمان کی نیلی سطح کے مقابل میں ایک عجیب بانکپن کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں۔ تمام زمین بھی فرش مخملی سے ڈھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اور نیلا آسمان اور سبز زمین دور اُفق میں ایک دوسرے سے پیوست ہو کر ایک عجیب رنگ پیدا کر دیتے ہیں۔ اِس دلچسپ منظر کو آفتاب نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اور اس کی دلفریب مسکراہٹ سے تمام پر سونے کا خوش نما ملمع ہو جاتا ہے۔ اِدھر اُدھر کچھ ٹیلے بھی ہیں جن کی وجہ سے زمین کی سطح ناہموار ہو گئی ہے۔ لیکن بجائے اِس کے کہ یہ ناہمواری آنکھوں کو ناگوار معلوم ہو اِس منظر کی رونق کو کونا گون اور دو بالا کر دیتی ہے۔ یہ ٹیلے بھی سب دھانی پوشاک پہنے ہوئے ہیں۔ اور جانوروں کے لئے نہایت عمدہ چراگاہ ہیں۔ پہاڑی گائیں جو قد میں بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ اِن پر بلا تکلف چرتی پھرتی ہیں۔ اور اس نعمت کے لئے (ہم امید کرتے ہیں۔ کہ) اپنے خالق کا زبانِ حال سے شکریہ ادا کرتی ہیں۔ اِن گائیوں کی چرتی کا یہ کہنا۔ کود پھاند میں ہرن کو مات کرتی ہیں۔ اور با وجود بھدے اور بیڈول جسم کے ایک ٹیلے سے دوسرے

ٹیلے پر اس طرح پھلانگ جاتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ یہ سریع الحرکتی کچھ جانوروں تک ہی محدود نہیں۔ پہاڑ کے حیوان ناطق بھی اس صفت میں کچھ اُن سے کم نہیں +

طیور کا دلفریب نغمہ بھی یہاں مفقود نہیں۔ بلکہ قدرت کی منہ موسیقی کے ساتھ ملکر ایک عجیب خاموشانہ ترانہ پیدا کر دیتا ہے۔ بعض لوگ میرا واہمہ سمجھ کر ہنسیں۔ مگر مجھے تو ایسے موقعوں پر کوے جیسے کریہ الصورت پرند کی آواز میں بھی ایک قسم کا لوچ معلوم ہوتا ہے۔ کالکا سے کسی قدر دورسے پہاڑ کے دھندلے حدود نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ دور سے اِن کی کیفیت بعینہ ایک تصویر کی ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی مصور نے آسمان کی سطح پر کچھ نقش بنا دیئے ہیں۔ جس قدر پہاڑ سے ہم قریب ہوتے جاتے ہیں اسی قدر وہ زیادہ واضح ہوتے جاتے ہیں۔ اور پھر تصویر کی طرح نہیں۔ بلکہ قدرت کی عظیم الشان میخوں کی طرح سطح زمین پر گڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پہاڑ کے قریب پہنچتے ہی ہوا میں خنکی اور نمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور چنار کے سربفلک کشیدہ سرو قامت درختوں کے گھنے سایہ میں امن وعافیت کی ایک عجیب حس محسوس ہوتی ہے +

موسم کے بارہ میں پہاڑوں کی متلون مزاجی کچھ نہ پوچھو۔ ابھی تو آسمان کی پیشانی پر غصہ کے آثار نمودار تھے۔ چہرہ فرط غیظ سے خوفناک اور تاریک ہو رہا تھا۔ ابھی وہ تمام غیظ وغضب فرو ہوگیا۔ چہرہ پر مسکراہٹ آگئی۔ اور سورج نے شوخی سے آنکھ مارکر تمام عالم کو منور کر دیا۔ اِس کے ایک لحظہ بعد پھر کسی خیال سے سورج نے آنکھیں بند کرلیں۔ آسمان کے چہرہ پر اُداسی چھا گئی۔ بادلوں کا رومال مُنہ پر لیکر آنسوؤں کا تار باندھ دیا۔

[illegible] ہے۔ وہ ایک بڑے عظیم الشان [illegible] باغ [illegible]
معلوم ہوتا [illegible] دیوار قہقہہ کی طرح بلند ہے۔ چھدرے سبزہ کی
[illegible] نظر آتے ہیں۔ [illegible] درخت کے سبز پوش سپاہیوں کے جو
[illegible] ہیں۔ [illegible] ننھے پودے اپنی ننھی ٹہنیوں کو سینہ کے
[illegible] کی طرح [illegible] دوسری
[illegible] ہے۔ لیکن [illegible] کی طرح اس کا
[illegible] نہیں۔ بلکہ جنت کی طرح [illegible] خوشنما ہے۔ یہاں سبزہ
کی [illegible] انسان کی [illegible] اور [illegible] پہاڑ کو کاٹ کر
[illegible] لیا ہے۔ اور اس شعر کو سچ کر دکھایا ہے کہ ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

پہاڑ کو گلزار بنا دینا مخلوقات میں آدمی ہی کا کام ہے۔ اسی لئے تو اشرف المخلوقات کا لقب پایا ہے۔ یہ کیتیاں ایک دوسرے کے برابر نہیں بلکہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ جس سے پہاڑ کی صورت ایک زینہ کی ہو گئی ہے۔ ان کو دیکھ کر گولڈ سمتھ کا وہ شعر یاد آتا تھا۔ جس میں اُس نے پہاڑ کے طبقات کو تھیٹر میں کرسیوں کی قطاروں سے تشبیہ دی ہے۔ پہاڑ کے اوپر ریل کی باریک سڑک لہراتی ہوئی چلی گئی ہے۔ اور اس کے دونوں طرف تار کے کھمبے سلطنت برطانیہ کے عظمت و شان کے نشانوں کی طرح کھڑے ہیں۔ نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ کہ وہ سائنس کی ان پر رفعت فتوحات کا پتہ دے رہے ہیں۔ جو اُس نے پہاڑوں جیسے اژدر اور سنگدل سپاہیوں پر حاصل کی ہیں۔ جگہ بجگہ چھوٹے چھوٹے قدرتی آبشار گرتے

ہیں۔ اُن کی روپہلی چادر بعض مرتبہ سورج کے حسن کی چمک دمک کو دیکھ کر شرما جاتی ہے۔ اور اِس پر شرم کی وجہ سے کچھ عجیب وغریب رنگ آجاتا ہے سولن میں ایک نہایت خوبصورت ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے۔ جس کا دودھ سا سفید رنگ اردگرد کی ہریالی میں نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں اکثر مسافر کھانا کھاتے ہیں۔ اور یہاں سے آگے چلکر شملہ کے انتظار میں ہمہ تن چشم ہوجاتے ہیں۔ آنکھیں شملہ نشانوں پر لگی رہتی ہیں۔ اور میلوں کے جلدی جلدی تمام ہونے سے دل میں ایک عجیب اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ کالکا سے شملہ تک جاتے ہیں اگر کسی مسافر کے کپڑے شرابور نہ ہوں۔ تو اُسے اپنے تئیں خصوصاً خوش قسمت یا بدقسمت سمجھنا چاہیئے۔ انہیں خوش قسمت یا بدقسمت مسافروں میں سے راقم الحروف بھی تھا۔ جس وقت ہم شملہ کے قریب پہنچے تو ہلکی ہلکی دھوپ سے شہر کے صاف ستھرے مکانات منور ہو رہے تھے۔ کواڑوں اور کھڑکیوں کے شیشے سورج کی کرنوں سے اس درجہ جگمگا رہے تھے۔ کہ نظر نہیں ٹھیرتی تھی +

شملہ میں پہنچکر مسرت کی کچھ انتہا نہیں رہی۔ ہر چیز خوبصورتی کے لباس سے ملبس تھی۔ علم حسن کے طالب کے لئے شملہ سے بہتر کم مقام ملیں گے۔ کیونکہ حضرت انسان نے اِس کے خوبصورت بنانے میں کچھ کسر نہیں رکھی۔ سڑکیں اِس قدر صاف ستھری ہیں۔ کہ بایدوشاید مکان ایسے پاکیزہ کہ آدمی دیکھا کرے۔ غرض جو چیز ہے اِس قدر نازک اور عمدہ کہ کھلونا معلوم ہوتی ہے۔ خوش پوش میمیں۔ انگریز اور اِن کے بچے اِدھر اُدھر چہل قدمی کرتے پھرتے ہیں۔ اور اِن کے ہنستے ہوئے چہرے بھی اِس مقام کا ایک خاص زیور ہیں +

قدرت نے اپنے انواع و اقسام کے نظارے یہاں فراخ حوصلگی سے جمع کر دیئے ہیں۔ جو باتیں ہم ناولوں اور تصویروں میں دیکھا کرتے تھے۔ وہ باتیں یہاں حقیقت میں دیکھ لیں۔ اگر کسی کو سنہری دھوپ کا لطف اٹھانا ہو۔ تو یہاں آکر اٹھائے۔ اور اگر کسی کو قوس قزح کے عجیب و غریب رنگ اور ان کا زمین و آسمان پر عکس دیکھنا ہو۔ تو یہاں آکر دیکھے غروب کے وقت اگر آسمان کسی قدر صاف ہو۔ تو ایک عجیب کیفیت نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آسمان کو کسی نے آگ لگا دی ہے۔ یا کسی کے تولٹن پنج ہاتھ نے انگلی لگا کر سنہری کر دیا ہے۔ اور اپنے ہاتھ کے کیمیائی اثر سے زمین کو بھی محروم نہیں رکھا۔ رات کے وقت شملہ میں چراغوں کی عجیب بہار ہوتی ہے۔ بعض وقت ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ستارے زمین پر اتر آئے ہیں۔ یا زمین اور آسمان کے قلابے مل گئے ہیں۔ اور اوپر سے نیچے تک آسمان ہی آسمان ہے۔ سلسلہ چراغاں اس کے آگے ہیچ ہے۔ آدمی کو شبہ ہوتا ہے۔ کہ شاید راجہ اندر نے دیوالی منائی ہے +

الغرض کشمیر کو تو جنت نظیر لوگ کہتے ہی ہیں۔ مگر میں تو شملہ پر بھی یہ فارسی شعر پڑھوں گا۔ ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

محمد سعید

حُبِّ وَطن

ایک قحط زدہ کی غربت[۱] میں آہ وزاری

از منشی دیبی پرشاد صاحب منصف ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی

کیا لکھوں حال سال چھپن کا   رہا پچھم کا میں نہ دکھن کا
گھر میرا ملک مارواڑ میں تھا   پر کبھی یوں نہ مار دھاڑ میں تھا
کام چلتے تھے سب بحسن اسلوب   کھیتی باڑی میں فائدہ تھا خوب
اور مویشی سے بھی تھا نفع تمام   گھی بھرا رہتا تھا گھروں میں مدام
لڑکے بالے مزے اڑاتے تھے   دودھ پیتے تھے بھات کھاتے تھے
مالی مالی کسان اور مزدور   اپنی اپنی جگہ پہ تھے مامور
عورتیں خوب مال کھاتی تھیں   جاڑوں میں بھی ملارگاتی تھیں
سال بھر کھیت سبز رہتے تھے   روز و شب آبشار بہتے تھے
کم نہ ہوتا تھا آبِ چاہ کبھی   خشکی کو ملتی تھی نہ راہ کبھی
چرخ چلتے ہی رہتے تھے ہر جا   پانی کا ٹوٹتا نہ تھا کچھ تار
چاہ پر اور کنارِ کشت پہ بھی   ہر گھڑی ٹھنڈی چھانو رہتی تھی

---

[۱] سمت ۲۵ کی قحط سالی میں مصنف نظم ہذا دربار جودھپور کی طرف سے قحط زدہ مارواڑیوں کو لانے کے واسطے مالوہ میں گیا تھا۔ اُس وقت جو ایک جاں بلب مارواڑی نے اپنی سرگزشت بیان کی تھی۔ اس کا یہ خاکہ رسالہ آزاد کے لئے کھینچا ہے ۱۲

خوب ہی اُن درختوں کے ٹھٹ تھے — آم اور املیوں کے جھرمٹ تھے
مور کا شور کوئلوں کی صدا — شاد کرتی تھی میرے دل کو سدا
دھوپ میں لو میں اور گرمی میں — رہتا تھا میں وہاں کی بستی میں
لطف شب تھا دو چند دن سے بھی — چادرِ آب چاندنی سی تھی
یہ جو سامان یوں میسر تھے — عیش ہی کی طرف شتاہر تھے
خیر کی بھی ہوئی تھی بلکہ دلیل — جس سے جاری تھے لنگر اور سبیل
یہ تو مذہب نے بھی پڑھایا تھا — یعنی اگلا دیا یہ پایا تھا
اب جو دوں گا تو آگے پاؤں گا — ورنہ دست تہی تو جاؤں گا
بھوکے کو روٹی تشنہ کو پانی — جاڑوں میں کپڑے سب کو بارانی
حسب مقدور دیتا رہتا تھا — کسی سائل کو جا نہ کہتا تھا
حاصلِ کشت سے میں اک انبار — بہر خیرات رکھتا تھا تیار
دام کچھ دودھ کے نہ لیتا تھا — یوں ہی راہِ خدا میں دیتا تھا
ہوئی چندے جو اس طرح سے بسر — دکھایا قسمت نے دفعتاً چکر
قحط پڑ کر یہ انقلاب ہوا — کارخانہ وہ سب خراب ہوا
کھیتی سوکھی مرے مویشی بھی — گھر لٹا اور چھوٹی بستی بھی
سر پہ شامت ہوئی جو آ کے سوار — کیا سمتِ جنوب عزم فرار
مالوہ چھان مارا اور دکھن — پر کرم کے وہی رہے لچھن
نہ چھٹا قحط سال سے پیچھا — دو قدم اُس کو آگے ہی پایا
سچ ہے جاتا ہے جس جگہ بھوکا — ہائے پڑ جاتا ہے وہیں سوکھا
پھرتے پھرتے گئے ہیں پاؤں بھی گھس — آب تن میں نہ اب رگوں میں رس
بھوک سے مر گئی ہیں آنتیں سوکھ — ہڈیاں سستہ ہو گئیں قید دوک

مجکو حیرت ہے اپنی حالت پر کیسے زندہ ہوں اس نقاہت پر
مر گیا ہوں میں یا کہ جیتا ہوں کچھ نہیں جانتا ہوں میں کیا ہوں
ہاں وہی ہوں کہ مرد منعم تھا فارغ دنیا و دیں سے بے غم تھا
لڑتا تھا نہ کسی سے اڑتا تھا بلکہ اوروں کے دکھ میں پڑتا تھا
میں کسی کا بھی تھا نہیں بدخواہ سب سے رکھتا تھا صلح کل کی راہ
پر جو بدلا زمانہ اب مجھ سے کر گئے ہیں کنارہ سب مجھ سے
بھیک بھی مانگے سے نہیں ملتی موت ہی لیتا اگر کہیں ملتی
اتنے صدموں سے بھی مرا میں نہیں سخت جاں مجھ سا بھی ہو گا کہیں
زیست ہی کو نہ شرم آتی ہے موت بھی مجھ سے منہ چھپاتی ہے
ایسی غربت میں ہائے گھر کی یاد جان شیریں پہ تیشۂ فرہاد
کیا کروں مارواڑ کا ہے خمیر نہیں حب الوطن سے مجکو گزیر
اونٹ بھی تو ہمارے خطے کا منہ اسی سمت کر کے ہے مرتا
میں تو آخر وہاں کا انساں ہوں پھر بھلا کیسے کم شتر سے ہوں
مجکو حب وطن ستاتی ہے یاد غربت میں گھر کی آتی ہے
مجکو بھی لے چلو وطن یارو یوں نہ غربت میں چھوڑ کر مارو
صلہ اس خیر کا میں کیا دوں گا ہاں مگر آپ کو دعا دوں گا
سبھی جاتا رہا رہی اک جاں اسکے بھی جانے کا ہے اب ارماں

پر یہ باقی ہے دل میں حسرت ہائے
جاں بھی جائے تو وطن میں جائے

دیبی پرشاد

حکایۂ مریم

از سید محمد فاروق صاحب

یعقوب بستر علالت بلکہ بستر مرگ پر پڑا ہوا اپنی زندگی کی گھڑیاں پوری کر رہا ہے۔ اُس کی بیٹی مریم جس کا مربی و مددگار سوائے باپ کے کوئی نہیں۔ سرہانے کھڑی ہوئی اپنی آنے والی مصیبت کا خیال کر کے رو رہی ہے۔ یعقوب اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اُسے تشفی دیتا ہے +

بیٹی! تم رو مت۔ اللہ یوسب کے ساتھ پدرانہ محبت کرتا ہے۔ تم پر اپنا فضل و کرم کرے گا۔ اگرچہ میں تم سے جُدا ہو جاؤں گا۔ مگر خدائے پاک تمہارے ساتھ رہے گی۔ اور وہ تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑنے گا۔ مجھے اس کی فکر ذرا بھی نہیں۔ کہ تم اپنی معاش کس طریقے سے حاصل کرو گی۔ اس کا خیال تو مجھے رتی برابر بھی نہیں۔ ہوا میں اُڑنے والی چڑیوں کو بھی رزق پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح تمہاری قوت کا سامان بھی بہم ہو جائیگا جب خدائے رزاق چھوٹے سے چھوٹے پرندے کی خبر لیتا ہے تو تمہیں کیسے بھول جائیگا۔ انسان کی ضروریات بہت تھوڑی ہیں۔ وہ بھی صرف تھوڑے عرصہ کے لئے۔ اس لئے مجھے تمہاری نسبت جہاں تک کے روزمرہ کی ضرورتوں کا تعلق ہے۔ بہت کم تردد ہے۔ البتہ اس کے برخلاف تمہاری اخلاقی زندگی کے متعلق مجھے بڑی فکر ہے۔ اگر مجھے اس کا یقین ہو جائے۔ کہ تم ہمیشہ اسی طرح جیسا کہ میں خدا کے فضل سے تمہیں اب دیکھ رہا ہوں۔ نیک اور معصوم بنی رہو گی۔ تو میں خوشی خوشی

جان دوں گا ✦

مریم۔ (ہچکیاں لیتے ہوئے) باوا! تم میرے لیئے اتنا تردد نہ کرو۔ تم نے مجھے جو تعلیم دی ہے وہ میری زندگی بھر یاد رہے گی۔ اور تمہارا خیال میرے دل سے کبھی نہ جائے گا ✦

یعقوب۔ افسوس ہے۔ کہ تم کو اس وقت حال بھی معلوم نہیں۔ کہ دنیا کتنی خراب اور بری حالت میں ہے۔ اگرچہ یہ کہنے سے بھی رنج ہوتا ہے۔ تاہم یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ اس دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ جن کے خیال میں تمہاری معصومیت۔ عزت اور دوشیزگی کی زندگی کا برباد ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر تم ان سے حیاداری کی فرمانبرداری اور اُس سے خوف کرنے اور اپنے ضمیر کو پاک رکھنے کا ذکر کروگی۔ تو وہ تمہاری کم عمری اور نادانی کو ملحوظ کریں گے ✦

اے بیٹی! اس قسم کے لوگوں سے بچنا۔ جب وہ تیری خوشامد کریں۔ اور تجھے خوبصورت لاکر خوش کرنا چاہیں۔ تو اُن کی طرف متوجہ نہ ہونا۔ اور اُن کی کوئی بات نہ سننا۔ اگر وہ کوئی چیز دیں۔ تو ہرگز نہ لینا اور نہ اُن کے قول و قرار پر بھروسہ کرنا۔ کیونکہ اکثر فرشتوں کے بھیس میں شیطان چھپا رہتا ہے۔ اور خوبصورت پھولوں کے نیچے سانپ لیٹا رہتا ہے۔ خدا نے تمہاری حفاظت کے لیئے ایک محافظ ساتھ دیا ہے۔ جس کو "حیاداری" کہتے ہیں۔ جب کوئی شخص تمہارے دل میں برا خیال ڈالیگا۔ یا تمہارے سامنے کوئی ایسی بات کہیگا جو معصومیت اور اخلاق حسنہ کی منافی ہوگی۔ تو تم دیکھوگی۔ کہ حیاداری سے تمہارے گال تمتما اٹھیں گے۔ ایسے وقت میں تم فوراً ہوشیار ہو جانا۔ اور

اُس کی طرف سے بے پرواہی نہ کرنا۔ ورنہ وہ تم سے ہمیشہ کے لئے علیٰحدہ ہو جائے گی۔ جبتک اب تمہاری حیاداری برقرار ہے۔ اور تم اُس کے کہے پر چلتی ہو۔ تم کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ لیکن اگر ایک مرتبہ بھی تم نے اُس کی بات سننے سے ذرا بھی غفلت کی۔ تو پھر ہمیشہ خطرہ میں رہوگی اور وہ تمام عمر کے لئے ہاتھ سے جاتی رہیگی +

میری پیاری بیٹی! یاد رکھو۔ کہ خود تمہارے دل میں تمہارا دشمن چھپا ہوا موجود ہے۔ ایک وقت ایسا آئیگا۔ کہ تم کو خود برائی کی طرف رغبت ہوگی۔ جس کی نسبت تم اپنے تئیں یہ کہکر تسلی دوگی۔ کہ یہ کام برا نہیں۔ اور اِن کے کرنے کی ممانعت نہیں۔ دیکھو خبردار رہو۔ جاگو اور اپنے قریب المرگ باپ کی نصیحت خیز باتوں کو اپنے دل میں کالنقش فی الحجر کر لو۔ کوئی کام ایسا نہ کرنا۔ کوئی بات ایسی نہ کہنا اور کوئی خیال ایسا نہ آنے دینا۔ جو تمہاری رائے میں میرے سامنے قابل ملامت ٹھہر چکا ہو۔ میری آنکھیں بہت جلد بند ہو جائیں گی۔ اور پھر میں اِس قابل نہ رہوں گا۔ کہ تمہاری نگہداشت کر سکوں۔ مگر خیال رکھو۔ کہ وہ عالم الغیب جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ تمہارے دل کی باتیں معلوم کر سکتا ہے۔ تم مجھے اپنا رویّہ خراب کر کے جیتے تکلیف پہنچانا پسند نہیں کرتیں۔ تو خیال کرو۔ کہ خدائے بزرگ کے خوش رکھنے اور ناخوش نہ کرنے کے لئے تم کو کس قدر کوشش اور سعی نہ کرنا چاہیئے +

مریم! میں تم سے پھر کہتا ہوں۔ کہ میں بہت جلد تم سے جدا ہونیوالا ہوں۔ اگر میرے بعد کبھی تم برائی کی طرف جھکنا۔ تو میرے اِس چہرے کا جس پر سے رنگ اُڑا ہوا ہے۔ اور اِن آنسوؤں کا جو میرے جھری دار

رخساروں سے بھرے ہیں۔ آؤ میرے ہاتھ پر ہاتھ ماروا ور وعدہ کرو۔ کہ تم میری باتوں کو کبھی نہ بھولوگی (طرز گفتگو کو بدل کر) بیٹی! تم میری اس بُری حالت کو دیکھ کر آنسو بہا رہی ہو۔ افسوس اس دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ ایک وقت وہ تھا۔ کہ تمہاری طرح میں بھی صحت ور اور تنومند تھا۔ اور میرے ہلکے ہلکے سُرخ رنگ سے تروتازگی اور تندرستی کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ اور ایک وقت وہ آئے گا۔ کہ تم میری طرح بستر مرگ پر لیٹی ہوگی۔ میرے بہت سے جوان دوست اِس طرح گزر گئے ہیں۔ جیسے بہار کے موسم کے ساتھ پھول ندارد ہو جاتے ہیں۔ اُن کا اب پتہ بھی نہیں مل سکتا۔ گویا وہ شبنم کی بوند تھے۔ کہ پھولوں پر اچھی طرح چمکنے بھی نہ پائے۔ کہ غائب +

جس طرح ایک باغبان پودوں کو ایسی جگہ بٹھلاتا ہے۔ جو اِس کے خیال میں اُن کے لئے موزوں اور مفید ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا اپنے بندوں کو ایسی حالت میں رکھتا ہے۔ جو اُس کی رائے میں زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ اور جس میں رہکر ہر شخص زہد و اتقا میں بہت بڑی ترقی کرتا ہے۔ اور اے مریم جس طرح اُس نے تمہاری پچھلی تکلیفوں کا عوض آرام و مسرت کی شکل میں عطا فرمایا ہے۔ اِسی طرح میری اس آخری بیماری اور موت کا بدلہ بھی تمہیں مرحمت کرے گا۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ موت کا نام سُنکر تم بُری طرح رونے لگتی ہو۔ مگر حقیقت میں موت اس درجہ خوفناک نہیں ہے۔ یہ تو تم جانتی ہو۔ کہ جب چھوٹے چھوٹے اور نازک پودے چھوٹی کیاریوں میں اُگتے ہیں۔ اُس وقت یہ کیسے خیال ہوتا ہے۔ کہ اِن میں خوبصورت پھول پھولیں گے اور لذیذ و خوش ذائقہ

پھل نہ دیں گے - اور واقعی اگر وہ گنجان اور تنگ جگہ میں اُگیں - تو کبھی پھل پھول نہیں لا سکتے - اس لئے اُنہیں زیادہ وسیع جگہ کی ضرورت ہوتی ہے اور باغبان بھی اِن کو چھوٹی سی جگہ میں دیکھ کر برباد کرنا پسند نہیں کرتا - اور وہ اُنہیں گنجان مقام سے ہٹا کر کسی کھلی جگہ میں لگا دیتا ہے - جہاں وہ صاف ہوا سے تروتازگی پاتے ہیں - جہاں سورج کی روشنی اور کرنیں اُن تک بلا روک کے پہنچتی ہیں - اور آخرکار بارش شبنم انہیں سینچتی ہیں - اور اُن میں شاخیں پھوٹتی ہیں - اور پتیاں نکلتی ہیں - اور وہ نہایت خوبصورت درخت بن جاتا ہے +

اے میری پیاری بیٹی! ہم لوگ بھی بمنزلہ انہیں نازک پودوں کے ہیں - اور یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں مثل ایک چھوٹی کیاری کے ہے - ہمارے رہنے کی اصلی جگہ یہ نہیں ہے - بلکہ اس جگہ ہم گھاس پھوس کی طرح ہیں - مگر ہماری قسمت میں اس سے کچھ اور بہتر ہونا لکھا ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالےٰ ہمیں یہاں سے اُٹھا کر اس سے زیادہ وسیع اور خوبصورت باغ (جنت) میں لیجاتا ہے +

اے مریم! تم رونا موقوف کرو - دیکھو میں کس خوشی سے مرنے کو تیار ہوں - اور میرے سامنے کس قدر اُمید بخش منظر ہے - میں اس خیال سے کتنا خوش ہوں - کہ خدا سے بہت جلد ملوں گا - اِس جسم سے جس میں رہکر میں نے بہت گناہ کئے ہیں - آزاد ہو جانے اور جنت میں ہمیشہ رہنے کی مسرت مجھے کس درجہ ہے +

مریم! کیا تم کو وہ لطف یاد نہیں - ہم اپنے باغ میں موسم بہار کی سہانی صبح کو ٹہلا کرتے تھے - مگر جنت تمام دنیا کے باغوں سے زیادہ

دلکش اور خوبصورت ہے۔ وہاں کی بہار کو خزاں ہی نہیں۔ اور میں اُسی فرحت انگیز مقام کو جا رہی ہوں۔ تم کو چاہئے۔ کہ خدا کی فرماں برداری سے ہاتھ نہ اُٹھاؤ تاکہ ایک دن ہم وہاں پھر باہم مل جائیں +

مریم! تم ہمیشہ خدا کی طرف دھیان رکھنا۔ اور اگر اس جہان میں تم پُرمسرت زندگی چاہتی ہو۔ تو تم کو چاہئے۔ کہ دنیاوی اور فانی مسرتوں میں رہکر ابدی مسرتوں کو نہ بھول جاؤ۔ اور اس طریقہ سے میں اور تمہاری ماں دونوں تم سے جنت میں ملیں گے۔ تم کو رنج نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ آیندہ خوشیوں کے خیال سے اپنے تئیں خوش رکھنا چاہئے +

(ترجمہ)   سید محمد فاروق

تاخیر اشاعت :- بفضل خدا ماتر ہوا۔ آیندہ نمبر دسمبر کے پہلے ہفتہ میں حاضر ہوگا۔ اور یہی سلسلہ جاری رہیگا۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ آزاد کی اشاعت میں ایک یہ بات بھی مانع تھی اور ممکن ہے کہ اُن احباب کے جو ترقی اشاعت میں کوشش کرتے ہوں اسی وجہ سے حوصلے پست ہو جاتے ہوں کہ ہماری مجبوری ناظرین آزاد پر روشن ہے۔ ہم نے جو کچھ ہماری طاقت میں تھا کیا اور ہر وقت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پریس بجائے خود اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے انتظام کے لئے کافی وقت درکار تھا اور یہی وجہ اشاعت کی بے قاعدگی کی ہوئی۔ اب خدا کا شکر ہے کہ ہر ایک انتظام درست ہو گیا ہے اور آیندہ اس قسم کی دقت پیش آنیکا احتمال نہیں۔ آزاد اب برابر ہفتہ پر حاضر ہوتا رہیگا +

دو ماہ کا مشترکہ نمبر شایع ہونے سے جو صفحات کی کمی ہوگئی ہے۔ اس کی تلافی آزاد کے خاص نمبر اور سال آیندہ کی ترقی سے ہو جائے گی۔ ہمیں بھروسہ ہے۔ کہ کسی کام کو شروع کرنے میں جو تکالیف ہوتی ہیں اس کا خیال کرکے ناظرین آزاد ہماری ان تقصیروں کو معاف کر دیں گے۔ اور آزاد کی اشاعت میں مدد دیکر اسے اس قابل بنا دیں گے۔ کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے +

عالمگیر خوشی

مبارک ہے وہ سلطنت جس میں حاکم اور محکوم محبت سے رہتے ہیں مبارک ہے وہ بادشاہ جو رعایا کی تکلیف کو محسوس کرتا اور ان کی غمگساری کرتا ہے مبارک ہے وہ ملک جو ایک عادل بادشاہ کے سایہ میں ہے۔ اور با امن وفادار رعایا کا مسکن ہے۔ کیونکہ یہی خوبیاں دنیاوی زندگی کو پاک بناتی اور آیندہ آنے والی نسلوں کے لئے نیک نام چھوڑ جاتی ہیں۔ جسے کبھی فنا نہیں۔ ایک محبت وہ کام کر سکتی ہے۔ جو جبر و تشدد کی ہزاروں تجویزیں نہیں کر سکتیں ۔

زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ سیکڑوں خوشیاں اور رنج وابستہ ہیں۔ اور سابق قول ان کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہمارا قول ہے۔ کہ تاریخ خود کو دہراتی ہے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ کہ برٹش راج ایسے با امن عہد حکومت میں کبھی ہمیں ظلم اور سختی کی بات تک نہ دکھائی دیتی۔ اور چونکہ یہ انقلاب زمانہ کا اثر تھا۔ اس لئے ہمیں گورنمنٹ کی اس سختی کو بھول جانا چاہیئے جب ہم سے ہمارے پیارے لالہ لاجپت رائے جی جدا کیئے گئے۔ اگرچہ قومی کی خوفناک تاریخ آیندہ نسلیں کانپتے ہوئے دلوں کے ساتھ پریشانی سے پڑھینگی کیونکہ برٹش راج کی روشن تاریخ میں ایک ہی بدنما داغ ہے۔ مگر ہمیں آیندہ تاریخ کو ایسے دلچسپ اور خوش گوار بنانا چاہیئے۔ کہ جس میں محو ہو کر ان کا غم غلط ہو جائے ۔

یہ مایوسی جو امید دل کے بعد ہو سخت حوصلہ شکن ہوتی ہے۔ اور وہ

خوشی جو نا امیدیوں سے پیدا ہو۔ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ اہل ہند کی تمام اُمیدیں لبرل وزارت سے وابستہ تھیں مگر گذشتہ ایام میں جو سختی کی پولیسی برتی گئی۔ اور جس رکھائی سے لبرل وزارت کے سرتاج مسٹر مورلے نے ہمارے محسنوں کے سوالات کا جواب دیا۔ اُنہوں نے ہمیں انتہائے یاس کے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔ اگرچہ برٹش راج کے بعض احسانات ہمیں یہ اُمید دلاتے تھے کہ وقت آئیگا۔ جب ہماری اُمیدیں برآئیں گی۔ مگر جو سلوک ہم سے کیا جاتا تھا۔ وہ ہمارے حوصلے قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ اور ہماری اُمید نا اُمیدی میں مل جاتی تھی۔ عین مایوسی کے عالم میں ہمارے کانوں میں یہ آواز پہنچی کہ

لالہ لاجپت رائے جی رہا ہوگئے

یہ مبارک آواز محبت کا فرمان تھا۔ وہ سختیاں جو دل دکھانے والی تھیں وہ قانون جو ہماری زبان بند کرنے والا تھا۔ وہ چرکے جن کے زخم ابھی ہرے تھے۔ وہ آہ جس کا دھواں دل کے آئینہ پر تھا فوراً دور ہوگیا۔ اور جوش محبت ایسا اُٹھا کہ ہمارے منہ سے بے اختیار نہ صرف جہاں پناہ ایڈورڈ ہفتم کی جن کی معاملہ فہمی اور رعایا پروری نے اِس رشتہ محبت کو قایم رکھا ہے درازئیے عمر کے لئے دعا نکلی۔ بلکہ سرڈنزل ایبٹسن اور لارڈ منٹو بہادر جن کے ہاتھوں ہمیں یہ سخت صدمہ پہنچا تھا۔ رحم کی صورتیں بنکر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جن کے سامنے ہمارے سر جھکے ہوئے تھے۔ اور ہماری زبان پر شکریہ کے سوا شکایت کا ایک لفظ بھی نہ تھا۔

لالہ لاجپت رائے جی کی جدائی کا رنج جس طرح ملک کے بچہ بچہ کو تھا۔ اسی طرح اِن کی رہائی کی خبر ایک ایسی خوشخبری تھی جس سے بچے۔ بوڑھے۔ جوان

اور جب سے آزادانِ پنجاب کی رہائی کا مژدہ پہنچا ہے سنا تھا کہ عورتیں گھروں میں خوشی خوشی ایک دوسرے کو یہ نوید سناتی تھیں - بازاروں میں ملنے والے ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے - رات کو دیوالی کی طرح چراغ جلائے گئے ہندوستان کے ہر حصے میں خوشیاں منائی جا رہی ہیں - اور ان امیدوں میں جو مردہ ہو گئی تھیں دوبارہ جان آ رہی ہے - ان اثرات کو دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں - کہ ملک میں ابھی کام کرنے والوں کی قدردانی موجود ہے - اور یہ ایک ایسی علامت ہے - جسے منزلِ ترقی کا چراغ کہنا چاہیئے - جو دور سے ٹمٹما رہا ہے +

وہ بات جس کا انجام نیک ہو غنیمت ہے - ہم گورنمنٹ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ وہ دیر تک اس غلطی میں جو غلط بیانیوں کا نتیجہ تھی نہیں پھنسی رہی اور تائید ایزدی نے شاہی اقبال سے بہت جلد ایسے سامان بہم پہنچا دیئے جن سے معاملہ کی حقیقت کھل گئی - اب وقت آ گیا - کہ کھوٹے کھرے میں تمیز ہو سکے - اور یہ واقعات ایسے ہیں - جن سے ہماری گورنمنٹ کو آیندہ کے لئے سبق لینا چاہیئے +

ہندوستانیوں کی نسبت یہ خیال کرنا کہ بغاوت کا سودا انکے سر میں سما سکتا ہے ایک صریح غلطی ہے - اگر ایسا ہوتا تو شاید انہیں وہ سختیاں برداشت نہ کرنی پڑتیں - جنہیں آج زبانِ تاریخ ایسی دردناک آواز میں بیان کر رہی ہے کہ سننے والوں کا کلیجہ پھٹتا ہے - اس میں شک نہیں - کہ راستی کے طالب ہیں راستی پر جان قربان کرنے کو تیار رہیں - اور راستی کے لئے کسی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے - برٹش راج اور تہذیب کی برکتوں میں انہیں اپنی راستی پر قایم رہنے کا زیادہ حوصلہ ہوتا ہے اگر وہ اپنی بہتری کے لئے چلاتے ہیں تو یہ ان کا فرض ہے اور برٹش گورنمنٹ سے یہ امید نہیں کی جا سکتی - کہ وہ کسی قوم کو اپنے فرایض کی پابندی سے روکے کیونکہ

جو قوم اپنے فرایض کو نہیں سمجھتی اور انہیں پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتی۔ وہ تہذیب سے کوسوں دور ہے اور برٹش گورنمنٹ کے لئے یہ بات باعث شرم ہوگی کہ ہندوستانی انکے زیر سایہ رہکر تہذیب کی شرائط کو پورا نہ کریں +

لالہ لاجپت رائے جی کو واپس وطن بھیجکر گورنمنٹ نے نہ صرف اپنی وفادار رعایا کو خوش کیا اور ممنون احسان بنایا ہے۔ بلکہ ایک ایسی مدبری کا ثبوت دیا ہے۔ جو اس کی عظمت میں چار چاند لگاتی۔ اور اسے دنیا کی مہذب قوموں میں بالاتر رتبہ دلاتی ہے۔ اب ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ ہماری ہر ایک تحریک وفاداری کے ساتھ شامل ہے اور ہم اپنی بہتری کے لئے جو کوشش کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنی بہتری کے لئے ہوتی ہے۔ بلکہ گورنمنٹ کو ایک قابل مثال گورنمنٹ بنایا چاہتی ہے۔ ہماری نکتہ چینی اس غرض سے نہیں ہوتی۔ کہ ہم خواہ مخواہ ان کاموں کو تنگ کریں جو انتظام قائم رکھنے والے ہیں۔ بلکہ ہم انہیں انتظام میں مدد دینا چاہتے ہیں۔ اور اُن باتوں کو جتلاتے ہیں جو انتظام میں خلل پیدا کرنے والی ہیں۔ اور اگر ان پر توجہ دی جائے۔ تو کیسے مفید نتائج پیدا ہو سکتے ہیں +

واقعات نے تو یہ ثابت کر دیا۔ کہ لالہ لاجپت رائے جی غلط رپوٹوں کا شکار ہوئے تھے۔ اور گورنمنٹ معاملہ کی تہ تک پہنچ گئی ہے۔ اب ان لوگاں کو توبہ کرنی چاہیئے۔ جو اس کمینہ حرکت کے عادی ہو گئے تھے۔ کیونکہ ایکدن ضرور ہونا ہے جب اصلیت کھل جائیگی۔ اور انہیں نادم ہونا پڑے +

اس لئے انہیں چاہیئے کہ ان کمینہ حرکتوں سے باز آئیں۔ ع

چہ کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

ایسے لوگوں کی کوتاہ اندیشی سے نہ صرف افراد کو تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ

قومیں برباد ہو جاتی ہیں۔ اور اس گناہ کا بار اُن کی گردن پر ہوتا ہے +

ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ نوعمر حامیانِ ملک بھی اپنی کوششوں کو ایسے راستہ میں نہ لگائیں۔ جو بجائے مفید ہونے کے ملک پر تباہی لائیں اور بیگناہ لیڈران ملک کو جن کی مدد سے ملکی بہتری کی اُمید ہو سکتی ہے۔ آفت میں پھنسائیں۔ بلکہ اُن کا ایک ایک قدم نپا تلا ہوا ہونا چاہیئے۔ اُنہیں کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ اس راستہ پر چلیں۔ جس کی داغ بیل رہنماؤں نے ڈالی ہے۔ کیونکہ اسی طرح وہ منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ وہ قومیں کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔ جن میں سب کے سب رہنمائی کرنے والے ہوں اور ہر ایک اپنی اپنی دھن میں اپنا اپنا راگ الاپتا ہو +

مبارک ہو لالہ لاجپت رائے جی کو جنہوں نے اس مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ وطن تشریف لانا۔ مبارک ہو اُن کے والد بزرگوار لالہ رادھا کشن جی کو عصائے پیری کا واپس پانا۔ مبارک ہو اہل ملک کو کھوئے ہوئے نگین کا ہاتھ آنا اور مبارک ہو ناظرین آزاد کو اس نامور مضمون نگار کا جن کی سرپرستی آزاد کے لئے سرمایہ ناز ہے۔ اور جنکے مضامین نے بغیر آزاد کے مضامین نگاروں کو بھاسونی تھی آزادی سے اس شخص کے سامنے سر جھکائیں۔ اور دعا کریں جس نے ہماری مصائب کو اس قدر جلد دور کیا اور ہمارے پیارے لالہ لاجپت رائے کو جنکی زیارت کو آنکھیں ترس رہی تھیں ہم سے ملایا۔ ہماری ہمدردی پر پانی ڈالی۔ ہماری گورنمنٹ کو حق کے پہچاننے میں مدد دی اور اس ہندوستان میں خوشی کی روشنی بخشی جس میں رنج کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ خداوند تعالیٰ گورنمنٹ کے نیک ارادوں میں برکت دیں ہماری اطاعت و فرمانبرداری میں رہنمائی کریں اور شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم۔ لارڈ منٹو۔ سر ڈنزل ابٹسن کی عمر دراز کریں ــــــ ۵

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار



H. H. NEGAM OF HYDERABAD (Deccan).

C. S. P.

آزاد

سنسکرت

از جناب منشی مصدق علی خان صاحب صادق

سنسکرت کے الفاظ نہایت [illegible] اور سلجھے ہوئے ہیں یہ زبان سب زبانوں سے صاف اور خالص اور منجھی ہوئی ہے۔ یہ اپنے آپ میں مکمل ہے۔ اور اس نے اپنی تکمیل کے لئے دوسری زبانوں کا محتاج ہونا نہیں پڑا۔ جیسا کہ انگریزی۔ اردو اور بے شمار دوسری زبانوں کا حال ہے۔ اس کا چشمہ گرد و کدورت اغیار سے پاک ہے۔ اور اس کے سرچشمہ زبان کی غیر ندی نالے نے آکر معاونت نہیں کی۔ باریک سے باریک معانی اور نازک سے نازک رنگ کے خیالات یہ خود اپنی ذات سے ادا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے اور ایک لفظ کیا لفظ کے حصے کے لئے بھی دوسری کسی زبان کی ممنون نہیں ہے یہ ایک غیر مرکب اور بے کھوٹ زبان ہے۔ جس قدر زبانیں اس وقت موجود ہیں۔ ان سب سے زیادہ قدیم اور پرانی ہے۔ اور جس قدر زبانیں خاص اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور روئے زمین پر پھیلتی جاتی ہیں۔ اس کے لحاظ

سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ زبانوں کی ماں ہے +

اہل یورپ کے محققین السنہ کی رائے ہے۔ کہ اصل زبانوں کی ماں روئے عالم سے ناپید ہو گئی ہے۔ اور یونانی اور سنسکرت اس کی سب سے بڑی دو لڑکیاں ہیں۔ سنسکرت میں بعض ایسے قدیم سے قدیم الفاظ اپنی اصلی شکل میں دستیاب ہوتے ہیں۔ کہ ایرانیوں کی مقدس ترین زبان ژند اوستا کے بعض الفاظ سے نسبت قرابت رکھتے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس وجہ سے علم فالوجی کے طالب علم کے لئے اس سے بڑھ کر زیادہ دلچسپ مطالعہ اور نہیں ہو سکتی علاوہ قدامت کے اس کا ذخیرہ الفاظ غیر محدود ہے۔ اس کثرت مادوں اور تعداد اور گردانوں کے سبب سے ادائے خیالات پر ہر طرح قادر ہے۔ ذرا سے تغیر اعراب سے معنوں میں انتہا درجہ کا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً [illegible] ہے کے معنے جاتا ہے۔ گچھاتی (وہ جاتا ہے) گمہت (اس کو جانے کی اجازت ہے) گچھت (اگر وہ جاتا ہے) وغیرہ ذرا سے لفظ کے ہیر پھیر سے اس قدر معنے برآمد ہوتے ہیں کہ اردو کے کمل جملوں سے بھی نہیں نکل سکتے +

اس کی قواعد ایسی مکمل ہے۔ کہ دنیا کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی مقابلہ تو مقابلہ یوں کہئے۔ کہ ہمسری کا دعوٰے بھی نہیں کر سکتی۔ اس کے قواعد دان پانینی نے ایسے کلیہ اور اٹل قاعدے بنائے ہیں۔ اور زبان کو ایسے ایسے محکم اصولوں میں بند کیا ہے۔ کہ کیا مجال ہے۔ ذرا بھی ادھر کی ادھر ہو جائے۔ پروفیسر مکس مولر نے سچ کہا ہے۔ کہ علم قواعد جو سنسکرت کے قواعد دانوں نے تیار کیا ہے۔ بجائے خود نہایت ہی مکمل ہے۔ اور جن لوگوں نے پانینی کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ نہایت آمادگی سے اس امر کی شہادت دیں گے۔ کہ اس کی آٹھ کتابوں کے نکتے کی (جن میں علم قواعد کی تشریح ہے) کتاب دوسری زبان میں

نہیں۔ جو اس کی عجیب و غریب ساخت کا مقابلہ کر سکے +

سنسکرت کو اپنے وسیع اور مستقل علم ادب پر بجا ناز ہے۔ اگرچہ اس وقت اس میں اور بیجنبل تصنیفات کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مگر خزانہ ایسا معمور اور اس کا ذخیرہ جواہر نایاب سے ایسا بھر پور ہے۔ کہ موجودہ زمانہ کی وسیع زبانوں کے ساتھ ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ علم کی ہر شاخ میں بے شمار کتابیں ہیں اگرچہ بدقسمتی سے کتابیں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ مگر فلسفہ میں سب سے زیادہ ترقی نظر آتی ہے۔ اور ویدانت سترا میں خیال کو معراج کمال پر پہنچایا گیا ہے +

سنسکرت کی دلیل اہمیت اور اس کے مطالع کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے مذکورہ بالا خیالات بہت کافی ہیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے۔ کہ اس کا مطالعہ تو بجائے خود اس کی طرف توجہ کا میلان بہت کم ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ کہ میلان کی جگہ نفرت نے لے لی ہے۔ ہند (یہ لفظ بھی سنسکرت سے ماخذ ہے) جہاں سنسکرت کسی زمانہ میں خاص و عام اور ہر کس و ناکس کی زبان تھی۔ اب وہاں اس قسم کی زبانوں کو پڑھنا حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ لیک وقت تھا۔ کہ اس کے جنگل اور پہاڑ سنسکرت کے گیتوں سے گونجتے تھے۔ اور اب یہ وہ وقت ہے۔ کہ کہاوتیں اور ضرب المثلیں تک کوئی نہیں جانتا۔ جن میں ہزارہا سال کی دانائی اور عقل مندی کو کوٹ کوٹ کر بھر گیا ہے عوام الناس کی نگاہیں فائدہ ذاتی کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اور وہ ہر قدم پہ یہ سوال کرتے ہیں۔ کہ کیا اس سے گذارہ کی کوئی صورت ہوگی۔ یہاں اسی معیار سے تمام علوم کا مطالعہ جانچا جاتا ہے +

مگر یہ بے پرواہی اور نفرت کس وجہ سے ہے؟ اس میں شک نہیں۔

لوگوں کو اس سے دلچسپی نہیں - اور ان کے ذہن میں اس کے بارہ میں کچھ غلط خیالات سما گئے ہیں - اور بعض یہ کہتے ہیں - کہ مردہ زبان سے کیا حاصل ہے - کیا سنسکرت سچ مچ مردہ زبان ہے ؟ واقعی ایسے ہی حضرات ہیں - جو زبان کے انحطاط و زوال میں ممد و معاون ہوتے ہیں - ان کو شاید یہ معلوم نہیں ہے - کہ مردہ زبان کس کو کہتے ہیں - جب تک کسی زبان کا بولنے والا ایک تن واحد بھی باقی ہو - اس وقت تک کسی زبان کو مردہ نہیں کہہ سکتے - وٹنی صاحب ایک مقام پر ایک ایل ویلز کی زبان کی نسبت کہتے ہیں - کہ اس کو اس وقت تک مردہ نہیں خیال کر سکتے تھے - جب تک کہ اس کا ایک متنفس بولنے والا ہی روئے زمین پر موجود تھا - اور وہ ایک عورت علاقہ کارنوال کی رہنے والی تھی - یہاں تو ابھی یہ حالت نہیں ہے - بنارس کے پنڈت اور دکن کے ہندو شرفا ابتک اس زبان کو اپنے روزمرہ میں استعمال کرتے ہیں - پھر کیونکر اس کو مردہ زبان کا خطاب دیا جا سکتا ہے ؟

ہندوستان والوں کو اس بارہ میں ابھی بہت کچھ سیکھنا باقی رہتا ہے - جو بہ غرض ایک غیر زبان کا پیشہ ور [illegible] پالی سمجھتے ہیں - یعنی زبان سنسکرت کے سمجھنے میں [illegible] ہیں ۔

اہل جرمنی اس میدان میں سب سے آگے [illegible] ویدوں کے نہایت اعلیٰ ترجمے اپنی زبان میں کر لئے ہیں - ان کا منشا ہے - کہ تمام علم سنسکرت کے خیالات کو اپنی زبان کا لباس پہنا دیں - ویدانت کی صداقت نے اہل امریکہ کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا ہے - اور مشرقی علوم کی داد دے رہے ہیں - دیگر ممالک بھی سنسکرت کی قدر و قیمت سے آشنا معلوم ہوتے ہیں - مگر ایک ہندوستان ہے - کہ اس طرف رخ نہیں کرتا ۔

دوسری مشکل جو سنسکرت کے طالب کے راہ میں حائل ہوتی ہے۔ وہ اس کا مشکل ہونا ہے۔ جس کے لئے ایک عرصہ دراز چاہئے۔ کہ انسان اس میں کچھ کمال پیدا کرے۔ مگر موجودہ زمانہ میں تحصیل علم کی سہولت کے لئے جو جو اختراع ہوئے ہیں۔ ان کی امداد سے ممکن نہیں۔ کہ انسان اس مشکل پر غالب نہ آسکے ۔

اول تو تعلیم سنسکرت شروع سے ہونی چاہئے۔ اور طوطے کی طرح رٹ لینے کا دستور جو پنجاب میں ہے۔ اس کو تبدیل کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے بجائے فائدہ کے بے توجہی اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ مگر باقاعدہ تعلیم کے لئے ایسے استادوں کی ضرورت ہے۔ جو تربیت یافتہ اور اصول تعلیم سے ماہر ہوں۔ جو لوگ اورئیل امتحانات پاس کریں۔ اُن کو تعلیم سنسکرت کی تعلیم پھر ایک سال تک دی جائے۔ جس سے ان کو خاص قابلیت پیدا ہو جائے گی۔ اور جو مطالعہ سنسکرت کے مردہ قالب میں ایک نئی روح پھونک دیگی ۔

دوم۔ اگر گورنمنٹ سنسکرت کی عمدہ عمدہ اور چیدہ چیدہ کتابوں کے انطباع اور اشاعت کی تکلیف اپنے سر لے۔ تو ملک پر بڑا احسان ہوگا۔ چونکہ بمبئی یونیورسٹی [illegible] ہی سے اس کام میں مصروف ہے۔ اس لئے پنجاب یونیورسٹی اگر اس کا ہاتھ بٹائے۔ تو اس کے شایان شان ہے ۔

سب سے اعلیٰ فائدہ جو اس ملک کو سنسکرت کی [illegible] سے ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ ان میں سچائی غرض اور وفاداری [illegible] پیدا ہو جائیگی۔ اور [illegible] یہ ہوگا کہ ایسا علم ادب جس کا بیش بہا خزانہ محض ضائع ہو رہا ہے۔ بنی نوع انسان کے کام آئیگا۔ اور ایک اعلےٰ ترین پایہ کی خالص اور شستہ زبان ایسے عالم سے بالکل روپوش ہونے سے بچ جائے گی ۔

صادق علی خان

قومی شجاعت

از منشی ھرگوبند پرشانگم ایم۔ اے

آج سے دس برس پیشتر سوائے معدودے چند معززین کے جملہ ہند والوں کی نظروں میں انگریزی راج ہند اور ہندوالوں کے واسطے ایک نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوتا تھا۔ اور اس میں شک نہیں۔ کہ مبصر نگاہیں اور رسا طبیعتیں اس بات کو دیکھ رہی ہیں۔ اور محسوس کر رہی ہیں۔ کہ انگلستان نے ہندوستان کے موجودہ ہندوستان بنانے میں ایک قرار واقعی حصہ لیا ہے۔ جس کے ہندوالے تہ دل ممنون و مشکور بھی ہیں۔ مگر جو کچھ تدابیر ذاتی مفاد کی انگلستان نے اس سلسلہ میں اپنے اور اپنے باشندوں کے واسطے کیں۔ وہ بھی اہل بصیرت کی چشم بینا اور اہل الرائے کی رائے روشن سے مخفی نہیں۔ بہر حال یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ ہندوستان اب ترقی کے ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے۔ جہاں وہ اپنی امر و نیچ کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اور اب اس بات کا مشتی ہے۔ کہ میں آزادانہ بلا امداد غیری ترقی کروں اور مختلف اقوام [illegible] میں اس طرح سے ایک دست نگر ہستی دار نہ رہوں۔ جیسا کہ اب تک رہا ہوں۔ میری آبادی دنیا کی آبادی کا ایک پانچواں حصہ ہے۔ اب مجھے دیگر اقوام کے رو برو عزت حاصل ہونی چاہیئے۔ کہ دیگر اقوام مجھ کو ضرورت پہنچ کی تحقیر نہ کریں۔ بلکہ سرہیچ سمجھنے لگیں۔ اسی واسطے ہندوالوں نے اپنے رہنمایان تجربہ کار اور دانایان باوقار کی دوربین نظروں کی مدد سے ایک معدود ساز مگر یقینی مقصود (آئی ڈیل) پر اپنی نظر جمائی ہے۔ اور آج قوم

کا بچہ بچہ جنبش و کم اِس ہی کے حصول کی کوشش کر رہا ہے +

مگر کوئی بڑا مقصود میسر نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ زبردست قربانی نہ کی جائے اور بیحد جانفشانی اور محنت سے دریغ کیا جائے۔ جتنا بڑا مقصود اتنی ہی بڑی قربانی اور اِسی قدر محنت و جانفشانی کی ضرورت ہے ؎

تا شانہ صفت سر نہ تھی در نہ آرہ
بہ سرِ زلف نگارے نرسی

ہر اک ڈگری (اعزاز خطاب علمیت و فضیلت) کے واسطے ایک امتحان اور ہر اک امتحان کے واسطے کچھ کورس مقرر ہے۔ اور ہر کورس کی تیاری اور کما حقہ واقفیت کے واسطے سخت محنت کی ضرورت ہے۔ اب ہمارا قومی مقصود تو ٹھیرا۔ سوا راج اور اِس کے واسطے امتحان مقرر ہؤا۔ "قومی شجاعت" اور اُس کی کما حقہ تیاری ہوئی۔ پیہم بے نفس زبردواشت تکالیف بلا چون و چرا) اب قوم کے جو بچے ان امور سے منحرف ہوتے ہیں۔ وہ قومی شجاعوں کی صف میں جگہ پانے کے مستحق نہیں۔ اور جو لوگ برداشت تکالیف سے بھاگتے ہیں۔ وہ ابھی اِس قابل نہیں۔ کہ قومی شجاعت کا نام بھی لیں +

ہم خود سخت الفاظ اور انتہائی تدابیر کے قایل نہیں۔ بلکہ اِس کے ہمیشہ خلاف رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے۔ کہ ایک زوردار تقریر یا ایک زبردست تحریر سے نہ ملک آزاد ہو سکتا ہے۔ نہ ملک والوں کی فلاح کی صورت ہو سکتی ہے۔ سوا راج کے مقصود بلند تک پہنچنے کے واسطے بے انتہا خود ایثاری اور خود انکاری اور مدتوں کی انتھک محنت کی ضرورت ہے۔ قوم کی تعلیم علمی۔ اخلاقی عموماً اور پولیٹکل خصوصاً اِس کا ایک لازمی

پیش خیمہ ہے۔ تاوقتیکہ اپنے ملک کی آزادی اور اپنے ملک کے اعزاز و اپنی قوم کی عزت اور اپنے وطن کی بہبودی کا خیال ہر کس و ناکس کی رگ و پے میں خون و گوشت نہ ہو جائے گا۔ اس عظیم الشان مقصود کا حصول نہایت مشکل بلکہ بلا مبالغہ ناممکن ہے۔ پولیٹیکل لیڈروں کو تعلیم عوام الناس کی طرف راغب ہونا چاہئے۔ پھر کہیں ایسا عرصہ دراز کے بعد ہمیں کامیابی کی صورت نظر آنے لگے گی۔ مگر چشم زدن میں اگر کوئی یہ چاہے کہ ہتھیلی پر سرسوں جمائے۔ تو ع

این خیال است و محال است و جنون

ہمارے ہاں یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ انگریزوں سے [illegible] تک ہماری خاصی دستگیری ہوتی رہی ہے۔ اور جو پالیٹکس [illegible] والے ہیں اس امر کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہمیں انگریزی قوم کے افراد و انگریزی قوم کی (بحیثیت مجموعی) امداد کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر ہمارا بیڑا پار ہونا دشوار ہے ◆

مگر جب کبھی کوئی بات قومی شجاعت کے خلاف کی جاتی ہے۔ تو ہماری طبیعت جل اٹھتی ہے۔ ہمیں یہ نہایت ناگوار معلوم ہوا۔ کہ مسٹر بینرجی نامی بیرسٹر کلکتہ نے اول تو زور و شور سے لیکچر دیئے۔ اور جب ماخوذ ہوئے تو معافی نامہ داخل کر دیا۔ اگر بینرجی صاحب کو اپنے بیوی بچوں کا خیال تھا۔ تو یہ ان کو قومی بہادران کی صف میں قدم رکھنے سے پہلے ہی ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اگر شروع ہی سے صاحب مذکور قومی تحریک میں شریک نہ ہوتے تو شاید صرف ان ہی کی ذات کو کسی قدر نقصان تھا۔ مگر ان کے بڑھ کر پیچھے ہٹنے سے قومی تحریک حریت کو صدمہ پہنچا ◆

مسٹر بینرجی ایک تعلیم یافتہ شخص ہیں۔ اور تواریخ انگریزی و آئرلینڈ اور

ایسے دیگر ممالک کی تواریخ سے بخوبی واقف ہیں۔ جہاں عوام الناس نے دیگر اقوام یا اپنی ہی قوم کے امرا سے آزادی حاصل کی ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ آزادی جیسی عروس دلربا کے واسطے کتنے وولما زمین دوز ہوتے ہیں۔ اور کتنے عشاق خاک میں ملکر اُٹھنے کا نام بھی نہیں لیتے۔ جب کہیں اِن کی قوم کو یہ گل رعنا ہاتھ لگتا ہے +

مگر جب ایسے ایسے تعلیم یافتہ لوگ اِس طرح بھاگنے لگے۔ تو ہمیں غریب پرنٹر و پبلشر سے بنودھیا سے کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ کہ اُس نے قومی حُرّیت کے جنگ میں بہادری و دلیری کی صف سے ہٹ کر پشت بزدلی دکھائی۔ ہاں اتنا افسوس ضرور ہے۔ کہ ساردا نے جو اُپادھیا مرحوم کا چیلا تھا۔ اپنے مرحوم فنافی القوم گرو کی روح کو اس شرمناک حرکت سے صدمہ پہنچایا +

سری یت بپن چندر پال نے جو اپیل ہائی کورٹ میں کیا۔ وہ بھی ذلت سے خالی نہیں۔ گو اکثر مداحان سری یت کہیں گے۔ کہ صاحب ممدوح نے ایسے مقدمات میں گواہی دینے سے انکار کیا۔ جس سے اِن کے نزدیک امن و امان عوام میں خلل پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ مگر خود اپیل کرنے میں کیا حرج تھا۔ ہماری رائے یہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ انگریزی عدالتوں میں مطلق انصاف نہیں ہوتا۔ ہاں ہم یہ ضرور مانتے ہیں۔ کہ چونکہ جہان عدالت انسان ہیں۔ اور انسان غلطی کر سکتا ہے۔ اِن کی عدالتیں معاذ اللہ خدا کی عدالت نہیں ہیں۔ پس غلطی کا امکان ضرور ہے۔ مگر جب بابو صاحب موصوف راستی کی پیروی میں برداشت تکالیف بے چون و چرا کے قایل ہی نہیں۔ بلکہ زبردست حامی تھے۔ اور جیسا کہ ہر راستی پسند اور قوم پرست انسان کو ہونا بھی چاہئے۔ پھر انہوں نے اپنے "ذاتی" معاملہ میں کیوں کمزوری ظاہر کی۔ شاید بابو صاحب کو یہ امید ہوگی

کہ جناب ہائی کورٹ کچھ رعایت کر دیں۔ گو اس رعایت کی طلب بھی کچھ بیجا نہ تھی مگر جن خیالات کے وہ قایل ہیں۔ انہیں کمزور ضرور ثابت کرتی ہے۔

ہم اس موقعہ پر معزز ایڈیٹر و نوجوان پروپرائیٹر 'پنجابی' کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُنہوں نے کتنی زبردست اخلاقی جرأت دکھلائی جس امر کو وہ راست سمجھ کر اخبار میں لکھ چکے اور شایع کر چکے تھے۔ اس کے واسطے ہرگز معافی کے طالب نہ ہوئے۔ بلکہ جو کچھ سزا اُن کو اُن کی راستی کی قانون کے سخت پنجہ میں لا کر دی گئی۔ اِس کو اُنہوں نے صبر و شکر سے برداشت کیا +

دور نہ جایئے۔ سب سے نزدیک اور سب سے بڑی مثال ہمارے گھر میں سردار راجیت سنگھ شوبھان لالہ لاجپت رائے کی ہے۔ جو قومی شجاعت کے اوتار ہیں۔ جن کو قومی شجاعت کا پتلا اور قومی خدمت کی تصویر کہنا مبالغہ نہیں۔ کس طرح سے دل و جان سے دامے درمے سخنے قوم و ملک کی خدمت کرتے رہے اور کریں گے +

مگر جس وقت اِن کو یکایک وطن سے اِس طرح سے علیحدہ کر دیا گیا۔ جس طرح روح تن سے اور بو چمن سے علیحدہ ہوتی ہے۔ اور ایک غیر ملک میں بے یار و مددگار اِس طرح سے قفس میں قید کیا۔ کہ بلبل بھی اِن شیدایان ملک و فدایان قوم کے ہجر کو دیکھ اپنا دکھڑا بھول گل کے خیال کو دل سے دور کر زار و قطار رونے لگی۔ اور در و دیوار ہندوستان کے اِن کے ہجر میں ماتم کدے بن گئے۔ شوقینوں نے پان نوشی سے اجتناب کیا۔ عطر ملنا چھوڑ دیا صورت مہجوران حیران و پریشان رہنے لگے۔ احباب کے دل و دماغ پر وہ گذری۔ کہ بس ناگفتہ بہ۔ اور اِن دونوں اسیران قفس کے دل پر کیا گذری۔ اِس کا اندازہ راقم کے امکان سے باہر ہے۔ پیارے وطن سے جدائی۔

دوست احباب سے جدائی۔ بھائی برادر۔ ماں باپ سے جدائی۔ بیوی بچوں سے جدائی۔ غرض جدائی ہی جدائی کی بھیانک شکل ہر چہار طرف سے نظر آتی ہوگی۔ اس پر طرہ یہ ہوا۔ کہ خطوط تک نہ پہنچے۔ عزیزوں اور مربیوں کی خیریت تک معلوم نہ ہوئی۔ اخباروں کا پڑھنا گناہ عظیم سمجھا گیا۔ (اچھا ہوا ورنہ زخم دل پر ایک اور چرکا ہوتا) +

مگر اللہ رے قومی شجاعت اور اللہ رے مادہ تسلیم و تفویض شجاعان قوم نے چوں تک نہ کی۔ اور اپنی تکالیف و مصیبت قید کی سختیوں۔ جدائی کے صدموں کو ملک اور قوم کی خاطر اس طرح برداشت کیا۔ کہ انصاف کی مجسم صورت نے مہر خاموشی توڑی اور رحم سے بھرا ہوا فرمان آزادی سمندر پار گونجا۔ اور امن کی سہانی شبنم خزاں رسیدہ باغ ہند میں ایک مرتبہ پھر پژمردہ دلوں کو تازہ روح دینے کے لئے پیام نشاط لائی +

انجام کار دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر رہا پڑا۔ حکام انگریزی دسرکار برٹش انڈیا حضور لفٹنٹ گورنر بہادر و ویسرائے کو اور حتےٰ کہ اس ملک معظم کو بھی ان کی معصومیت کا علم الیقین ہوگیا۔ جس نے اپنی سالگرہ کی خوشی میں ان جلاوطنوں کو اپنی چشم الطاف کے اشارہ سے پیارے وطن میں واپس بھیجا۔ کیا یہ ان کی قومی شجاعت کا نتیجہ نہیں کیا۔ یہ ان کی بے چون و چرا تکالیف برداشت کرنے کا نتیجہ نہیں۔ کہ انگلستان میں یہاں سے ہزارہا میل دور بادشاہ معظم قیصر ہند کا نیک دل ہل گیا۔ اور اس میں سے رحم اور انصاف کی آوازیں سمندر کو طے کر کے ایک چشم زدن میں اس تاریک سرزمین ہند تک پہنچیں۔ اور ایک سرے سے دوسرے تک ملک اور قوم کے دل کو فرحاں و شاداں کر گئیں۔ مجورین کی واپسی پر گھر گھر شادیانے بجے۔ اور چراغ

چلے۔ کیا اِن شجاعانِ قوم کو اِن کی برداشت اور تسلیم نے ملک و قوم کا پیارا اور بزرگ نہیں بنا دیا۔ کیا اِن شجاعوں کی تکالیف نے غیروں کی بے درد آنکھوں سے آنسو نہیں بہا دیئے۔ کیا یہ بندہ اور خدا کے نزدیک امتحان میں پورے نہ اُترے؟ ضرور اُترے اور ایسے اُترے کہ مثال بن گئے ✦

کیا اِن قومی شجاعوں کے نام نامی قوم کے ہر فرد بشر غریب۔ امیر۔ مرد عورت۔ پیر و جوان کے دل پر نقش کالحجر نہیں ہو گئے۔ کیا یہ نام ہندوستان کی حریت کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں نہیں لکھے جائیں گے۔ اور ابدالآباد تک اِس طرح سے نہیں چمکیں گے۔ کہ دشمنوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ اور دوستوں کو نور موفور کا لطف حاصل ہو۔ چمکیں گے اور ضرور چمکیں گے ✦

جو لوگ خود غرضی اور نفس پرستی سے کام لیتے ہیں۔ وہ کہیں کے نہیں رہتے۔ اور قوم اِن کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے ✦

دوسری تازہ مثال اُن شریف ہندو مظلوم وکلا و دیگر شرفا و بیرسٹران کی ہمارے روبرو موجود ہے۔ جنھوں نے نہایت ثابت قدمی اور متانت سے جملہ تکالیف کو برداشت کیا۔ اور استغاثہ کے لغو اتہامات کے رد کرنے کے واسطے زبان تک نہ کھولی ✦

سارے ہندوستان کی دعائیں اِن مظلوموں کے ساتھ تھیں۔ اور خدا کا فضل شامل حال تھا۔ عدالت انگریزی سے یہ سب شرفا سرخ رو ہوئے اور وہ لوگ روسیاہ ہوئے۔ جنھوں نے اِن کو شکار افترا و بہتان بنایا تھا۔ جنھوں نے اُن وکیلوں تک کا نفس بہ تنگ کر دیا تھا۔ جو اِن معززین کے مقدمہ کی پیروی کرتے تھے۔ اُن ہی کو لائق جج مسٹر مارینڈو نے یہ کیسا نیچا دکھایا۔ کہ جو گواہ انھوں نے پیش کئے۔ وہ جھوٹے تھے اور بیان کی

شہادتیں بالکل بناوٹی تھیں۔کیا اِن سچے محبانِ وطن اور مظلوم شریفوں کی ٹھنڈی آہوں کا دھوُاں عرش تک نہیں چھا گیا۔اور کیا اِن کے اُس سچے گریہ و بکا نے جس خاموشی میں گویائی سے زیادہ لطف تھا تخت کرسی کو نہیں ہلا دیا۔کہ غیر قوم جج اِس امر پہ مجبور ہو گیا۔کہ انصاف کرے۔اور اِن شجاعوں کی مردانگی کی داد دے۔کیا اِن کی بہادری سے قوم اور ملک میں ایک تازہ روح نہیں پھنک گئی۔اور کیا قوم ہندیان دو چار درجے بلند نہیں ہو گئی؟ ضرور ہو گئی ✦

اور ایسی مثالیں آج کل بنگال ہی میں کیاب نہیں۔جہاں تعلیم اور پولٹیکل اخلاق کی اِس قدر ترقی ہے۔کہ مولوی لیاقت حسین صاحب جیسے مُسن آدمی سے لے کر نوجوان بچہ بچہ تک راستی اور راستبازی کا فدائی ہے۔اپنے ملک کی بہبودی کا خواہاں اور ہندی اشیا کا شیدائی ہے۔اور اگر کوئی منصف حب قوم اور حب وطن کو گناہ کبیرہ یا صغیرہ سمجھے۔تو وہ اُس کا کفارہ کرنے کو اور اُس کی سزا بھگتنے کو بلا دریغ بالکل تیار ہیں۔اور ہمارا خیال ہے کہ اگر قومی شجاعوں کی ایک فہرست بنائی جائے۔تو بنگال ہی کے فدایان قوم کی تعداد زیادہ رہے گی۔پھر اگر بدنام کنندگان نکو نامے چند اُس ہی ملک میں ہو بھی گئے تو کون سی جائے مایوسی ہے ✦

انگلش مین اخبار نے مسٹر بنیرجی کی کمزوری پر شادیانے بجائے۔اور اخبار کیپٹیل مسٹر بنیرجی کو رائے دیتا ہے۔کہ علی پور کے عظیم الشان مکان میں پانچ منٹ کے واسطے بھی سرکاری مہمان ہونے سے یہ قومی لعن طعن بہتر ہے۔اور بزدل کہلانا بہت اچھا ہے۔خیر اِس کا جواب تو مسٹر بنیرجی خود ہی دل ہی دل میں دے رہے ہونگے۔کیونکہ ہمارا خیال ہے۔کہ مسٹر بنیرجی نے

واقعی خاندان کی صعوبتوں کا خیال کرکے ایسا کیا ہوگا۔ ورنہ اِن کا ضمیر خود اُن کے چٹکیاں لے رہا ہوگا۔ کیا پرواہ ہے ۔ ؎

رسم جفا کامیاب دیکھئے کب تک رہے
حبِّ وطن مستِ خواب دیکھئے کب تک رہے

جس جس قوم نے تحریکِ حُریت میں کامیابی حاصل کی ہے ۔ ہمیشہ خود انکاری ۔ خودداری ۔ خود ایثاری ۔ جانفشانی و قربانی سے کی ہے شکر ہے کہ بنگ اور ہندوالوں میں بھی ابتدا اِن صفاتِ حمیدہ کی ہو چلی ہے ۔ مگر چونکہ پُر خطر ہی منزل ہے ۔ مشکلیں حائل ہیں اور خوفناک منظر پیشِ نظر ۔ مگر اِن کو دیکھ کر مایوس ہونا شجاعانِ قوم کا کام نہیں ۔ تمام ملک کی تواریخ صاف صاف بتا رہی ہیں ۔ کہ جس قوم نے آزادی اور خودمختاری کی کوشش کی ہے ۔ اُسے ایسی تکالیف کا مقابلہ ضرور کرنا پڑا ہے ۔ جو کم ہمت تکلیف سے جی چراتا ہے ۔ اُسے کہہ دو ۔ کہ انقلاب کے چکر میں نہ آئے ۔ ورنہ کچلا جائیگا ۔ اور اس کی ہستی ناحق مٹ جائے گی ٭

ہاں محبانِ قوم اُٹھو ۔ جاگو ۔ انگریزی تعلیم کا آفتاب سر پہ ہے ۔ بڑھے چلو جتنی منزل طے ہوئے غنیمت ہے ؎

کھیتوں کو پانی دے اب بہ رہی ہے گنگا
کچھ کرلو نوجوانوں اُٹھتی جوانیاں ہیں

ہرگوبند نگم

ایامِ جلاوطنی میں جو کتاب لالہ لاجپت رائے نے تصنیف کی ہے ۔ وہ آزاد میں اشاعت کے لئے عنایت کی ہے ۔ کانگریس نمبر میں شائع ہوگی جسکا مفصل حال کہیں اور درج ہے ٭

بڑھے چلو

میں شاید کبھی برسوں میں کوئی نظم لکھتا ہوں گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں شاعر کہلانیکا مستحق نہیں۔ میرے کلام میں شاعرانہ نازک خیالیاں کہاں۔ شاعر نہیں۔ مگر چونکہ میرا عقیدہ ہے۔ کہ ہر ایک شخص ازل سے شاعر پیدا کیا گیا ہے۔ کبھی کبھی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کچھ شعر نکل جاتے ہیں۔ یہ اشعار کالیستھنیک میٹر ایسوسی ایشن لاہور کی ریتو یم وینتہ تذر کئے تھے۔ ناچیز بندرانہ ناظرین آزاد سے چھپانا نہیں چاہتا۔

اِس لئے حاضر کرتا ہوں ✦

اے قوم اُٹھ ترقی کے میدان میں آئیں ہم — علم و عمل کا ملک پہ سکہ بٹھائیں ہم
ہمدردیوں کا راگ سبھی ملکے گائیں ہم — اور اس طرح عروج کا جھنڈا اُٹھائیں ہم

ہو جس پہ روشنی سے لکھا ہاں بڑھے چلو

بگڑی ہوئی ہے قوم کی حالت سنواریئے — کچھ کیجئے عمل بھی جو دل میں بچاریئے
منزل ہزار سخت ہو ہمت نہ ہاریئے — سر شمع ساں کٹا دیئے اور دم نہ ماریئے

آئے تو بس یہ آئے صدا ہاں بڑھے چلو

بس ہو چکیں اب آپ کی غفلت شعاریاں — اب تو اُتار دیجئے ذرا مے کی خماریاں
بیحد ہوئی زمانہ میں ہیں اپنی خواریاں — آ ملکے اب سبھی کریں ہم غم گساریاں

ملکر ہو سب کی یہی صدا ہاں بڑھے چلو

کھٹکا نہ دل میں آنے دیں بغض و نفاق کا — حب وطن مذاق ہو اہلِ مذاق کا
باقی نہ نام تک رہے تم میں نفاق کا — بجتا ہو ڈنکا قوم میں بس اتفاق کا

اور اس سے آرہی ہو صدا ہاں بڑھے چلو

اللہ کی شان اپنا گریبان پھاڑ کے بیٹھے ہیں آپ قوم کو اپنی بگاڑ کے
خوش ہوتے ہیں یہ پھولوں کا تختہ اجاڑ کر اب تو بڑھو نفاق کے دامن کو جھاڑ کے

قوموں کی آرہی ہے صدا ہاں بڑھے چلو

جو قومیں تم سے پیچھے تھیں وہ آگے بڑھ گئیں بتلا سبق تمہیں سو تمہیں مات کر گئیں
اٹھ قوم ہے تجھے بھی خبر وہ کدھر گئیں بیٹے پتہ ہی نقش قدم وہ جدھر گئیں

کوسوں ہی گونجتی ہے صدا ہاں بڑھے چلو

ہو جائیں جاں سدا کے حوالے تو غم نہیں پڑ جائیں جان کے بھی جو لالے تو غم نہیں
چل جائیں دو رکے بھی جو بھالے تو غم نہیں کانٹوں پہ آبلے ہیں پاؤں کے چھالے تو غم نہیں

اب پر گئے یہی ہو صدا ہاں بڑھے چلو

مل جل کے اتفاق سے کچھ کر دکھائیں گے ناکامیوں کا خوف دلوں سے بھلائیے
آگے قدم بڑھا کے نہ پیچھے ہٹائیں گے ہم جو کہیں گے آپ سے وہ کر دکھائیں گے

لیکن یہ آپ کی ہو صدا ہاں بڑھے چلو

کوشش کیجئے نہ جاؤ گے جب تک کے پے بہ پے ممکن نہیں کہ بھاگ ہوں اس قوم کے اُدے
مرغوب جو دلوں کو ہے لیں ہی کی لے سب بھائی ملکے کہدیں سودیشی کی جے

اور اس کے ساتھ وہ ہی صدا ہاں بڑھے چلو

علم و عمل کا اپنے کرشمہ دکھائیے قومی ترقیوں کا جو بیڑا اٹھائیے
اسباب کامیابی کے قبضے میں لائیے جرمن فرانس لندن و یورپ کو جا

سب نے یہی سبق ہے دیا ہاں بڑھے چلو

قومی ترقیوں کا ہے دھیان صبح شام حاصل کریں فروغ تجارت سے
ناکامیوں پہ کر دیں نہ ہمت کا اختتام کرنے پہ آئیں کام تو پورا ہو کیوں

مجھکو نہ دل میں اپنے ذرا ہاں بڑھے چلو

بہنیں ہماری علم و ہنر سے عروج پائیں ماتھے پہ ٹیکا بھائیوں کی فتح کا لگائیں
مل جلکے بھائی دوج کا جشن اور خوشی منائیں خوش ہو کے سب ترقی قومی کا راگ گائیں
گانے میں بس وہی ہو صدا ہاں بڑھے چلو

آزاد میں نہیں ترے غم کا اسیر ہوں ناچیز ہوں غلام ہوں از بس حقیر ہوں
حاتم نہیں غنی میں نہیں نہ امیر ہوں اے قوم سن لے میری صدا میں فقیر ہوں
میری تو بس یہی ہے صدا ہاں بڑھے چلو

آزاد

رباعیات تہنیت تشریف آوری جناب لالہ لاجپت رائے صاحب

از منشی پتمبر پرشاد صاحب اختر

صد شکر کہ لاجپت وطن میں آیا وہ بلبل خوش لہجہ چمن میں آیا
ہمشکل شمعِ انجمن میں آیا ہم صورتِ جان ملک کے تن میں آیا

ولہٗ

تکلیف اٹھا کر وہ جوانمرد آیا جو ہمت و مردمی میں ہے فرد آیا
اے ملک مبارک ہو ہی خواہ تیرا اے قوم تیرا حامی و ہمدرد آیا

ولہٗ

صد شکر کہ وہ قید محن سے چھوٹا غربت سے غمِ ہجر وطن سے چھوٹا
الزام سے تہمت سے بعنایت صابری خورشید کی مانند گہن سے چھوٹا

اختر

صدائے قومی

از سید محمد فاروق صاحب

ہو مبارک جن کو ہے زورِ جوانی پر گھمنڈ
ناتواں ہم ہیں ہمیں ہے ناتوانی پر گھمنڈ

آج ہم ہیں گو گئے گذرے مگر اک دن وہ تھا
شکلِ اسکندر ہمیں تھا حکمرانی پر گھمنڈ

ڈنکے بجتے تھے ہمارے نام کے چار و طرف
تھا ہمیں بھی ایک دن صاحبقرانی پر گھمنڈ

ناز کرتے تھے ہماری ذات پر کون و مکاں
بوستاں کو تھا بہارِ بوستانی پر گھمنڈ

دور دورہ تھا ہمارا بھی کبھی زیرِ فلک
چرخ تک کو تھا ہماری پاسبانی پر گھمنڈ

گلشنِ اقبال اپنا بھی کبھی سرسبز تھا
خلد کی صورت اسے تھا بے خزانی پر گھمنڈ

ہم بھی تھے باغِ جہاں میں ایک دن نغمہ سرا
آج ہے بلبل کو اپنی خوش بیانی پر گھمنڈ

پھول جھڑتے تھے ہمارے منہ سے جب کرتے تھے بات
صورتِ گلشن ہمیں تھا گلفشانی پر گھمنڈ

کیا کہیں اپنی زباں سے کل تھے کیا ہیں آج کیا
اب کریں کس منہ سے اس بے خانمانی پر گھمنڈ

تھے ہمیں تو نخلبندِ گلشنِ علم و ہنر
شکلِ رضواں تھا ہمیں اس باغبانی پر گھمنڈ

فلسفی ہم تھے مہندس بھی تھے ہیئت داں بھی تھے
تھا ہمیں علمِ رموزِ آسمانی پر گھمنڈ

ہم تھے شاعر تھا ہمیں شعروں پہ اپنے ناز بھی
جس طرح بلبل کو اپنی شعر خوانی پر گھمنڈ

رستم و سہراب ڈرتے تھے ہمارے نام سے
پہلوان ہم تھے ہمیں تھا پہلوانی پر گھمنڈ

گردشِ دوراں کے چکر میں ہم آخر آ گئے
تھا عبث ہم کو فلک کی مہربانی پر گھمنڈ

[illegible] والے ہم بھی سنتے تھے مگر
تھا ہمیں اُن پر [illegible] اپنی کامرانی پر گھمنڈ

ہے مثل سچ ہو کوئی ہنستا ہے روتا بھی ہے
غم میں ہیں ہم آج کل تھا شادمانی پر گھمنڈ

واقعی سچ ہے کہ دنیا ہیر پھیر سب ہے
[illegible] پر گھمنڈ

ایک دن وہ تھے کہ ہم تھے قوم کے گھر کے چراغ
شعلہ آسا آج ہے سوزِ نہانی پر گھمنڈ

داغ ہائے دل سے سینہ بن گیا رشکِ چمن
اب ہمیں ہے اس بہارِ بوستانی پر گھمنڈ

صورتِ برگِ خزاں دیدہ ہوئے ہیں زرد ہم
تھا ہمیں اک روز رنگِ ارغوانی پر گھمنڈ

آج ہم پیتے ہیں اپنا خونِ دل خونِ جگر
تھا کبھی گلگونِ شرابِ ارغوانی پر گھمنڈ

سرد مہری سے فلک کے ہو گئی ہے طبع سرد
اب ہے کس کو جذبۂ آتش بیانی پر گھمنڈ

موجیں لیتا تھا کبھی دریا ہمارا طبع کا
اب ہے ان کے آنسوؤں کی تند روانی پر گھمنڈ

ہم کو بسمل کر دیا شمشیرِ جورِ چرخ نے
اس جفا جو کو ہے کیا ظلمِ نہانی پر گھمنڈ

صفحۂ ہستی سے ہم حرفِ غلط ہو کر مٹے
ہم کو تھا آبائے دورِ آسمانی پر گھمنڈ

ہائے! ہو وہ گلستاں اس طرح سے صرفِ خزاں
جس کو تھا اپنی بہارِ بے خزانی پر گھمنڈ

سید محمد فاروق

کنجِ تنہائی

سرِ کوہ کٹیا بنائیں ہم کہ نہ کوئی بستی قریب ہو
رہیں اس میں جا کے مقیم ہم یہ نشیمن اپنا نصیب ہو

نہ مقدمے ہوں کچہریوں میں نہ جج کے جا کے ہوں فیصلے
نہ کریں کسی سے مباحثے نہ مقابلے میں رقیب ہو

نہ ہو مال و زر کی ہوس ہمیں جو ہو نقد پاس ہے اور بس
نہ دوکان ہو نہ حساب ہو نہ کتاب ہو نہ منیب ہو

نہ ستائش اپنا شعار ہو نہ کریں کسی کی شکایتیں
نظر آئے ہر بشر ایک سا وہ رذیل ہو کہ نجیب ہو

نہ غرض ہو وید و پران سے نہ گرنتھ اور نہ قرآن سے
کریں یاد گوتم بدھ کی ہم وہی ہم کو اپنا ادیب ہے

کریں وید اُس کی کلام کو کہ رموز جس کے ہوں منکشف
جو ستائے درد و الم کبھی تو بغل میں اپنی طبیب ہو

نہ طریقتیں ہیں نہ مذہبیت گو تم اپنے ہو سامنے
کریں سجدہ اُسکے حضور میں وہی پیارا اور حبیب ہے

ہندوستانی صنعت و حرفت کو زندہ کرنیکی تدبیر

از حکیم برہم

جن لوگوں نے ملکی صنعت و حرفت اور اس کی موجودہ صورت تنزل پر غور کیا ہوگا۔ وہ تسلیم کریں گے کسی زمانہ میں یہاں کی دستکاری۔ اور ہنرمندی کو بہت بڑا فروغ حاصل تھا۔ مگر اس وقت سابقہ شہرت و عروج کی جگہ زوال اور پستی موجود ہے۔ پہلے اس ملک میں حیرت انگیز نادرات فن کا مجموعہ موجود تھا۔ جیسے اب مغربی تہذیب اور وضع کی کورانہ تقلید نے بربادی کی نوبت کو پہنچادیا ہے۔ بلکہ یہ حالت ہوگئی ہے۔ کہ خیالات۔ روایات اور عقاید تک ... دم ہو رہے ہیں۔ عمدہ سے عمدہ اور قیمتی سوتی۔ ریشمی اور شال کے تھان یہاں تیار ہوتے تھے۔ جو شاہوں اور بیگمات کے زیب جسم ہوتے تھے۔ چھپے ہوئے کپڑے۔ قالین۔ دریاں اور روزانہ ضرورت کی لاکھوں چیزیں یہاں بنتی تھیں۔ گوٹہ۔ کناری۔ ظروف نقری و طلائی زردوزی۔ دھات اور لکڑی کی ضروری و نمایشی چیزیں۔ ہاتھی دانت اور پتھر کی چیزیں۔ باریک ململ۔ ریشمی کپڑے۔ حاشیہ دار شال اور لاثانی کمخواب۔ یہ اور ہزار طرح کی چیزیں یہیں کے بازار سے بہم پہنچتی تھیں۔ اور بلاد عرب کی ضرورتیں بھی یہیں سے پوری ہوتی تھیں۔ مگر اب کسی جانب سے ہندوستانی کاریگری کو حوصلہ نہیں بڑھایا جاتا۔ تاکہ صنعتی کام پھر زندہ کئے جائیں۔ نہ کم سرمایہ داروں کو مدد دینے کی کوئی صورت نظر آتی ہے۔ بڑی وجہ یہ ہوئی۔ کہ موجودہ مشین کے مقابلے میں ایشیائی نزاکت و نفاست سے شوق باقی نہیں رہا۔

گزشتہ اور موجودہ زمانہ کی ضروریات زندگی کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم نے اپنا طرزِ زیست بالکل بدل دیا ہے۔ دیسی طریق پر دستی ساخت کے عوض دخانی کلوں کی مصنوعات کی بہت زیادہ ترقی ہو گئی ہے۔ اس لئے یوروپین اشیا کی بکثرت درآمد اور کسی قدر اُن کی ارزانی۔ نیز محاصل درآمد و برآمد کا بین تفاوت اِس بات میں بہت زیادہ مددگار ہوا کہ قدیم دستکاری مٹ گئی۔ اب بھی نمونہ کی بعض چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ مگر دیسیوں کے خیال کو اُدھر کوئی کشش و توجہ نہیں ہے۔ کلوں کے آگے ہاتھ سے کپڑا بننے کی صنعت قریباً نابود ہو گئی۔ جولاہے۔ مزدوری۔ کاشتکاری یا ملازمت کر کے بسر اوقات کرتے ہیں۔ اگر صنعتوں کو پھر سے قائم کرنا مقصود ہے۔ تو رؤسا۔ امرا اور تعلیم یافتہ اصحاب کو اُس کی سرپرستی کرنی چاہیئے۔ جب تک برطانیہ کے شوخ رنگ قالین۔ ٹائیٹم کا آرائشی سامان۔ اٹلی کی ارزان پچیکاری۔ فرانس کی تصویریں۔ آسٹریا کی چمکیلی چیزیں۔ جرمن ملکا شائیر اور گلاسگو کے سستے کپڑے اور نقلی اطلس و کمخواب کا استعمال مطبوع خاطر رہیگا۔ دیسی صنعت ترقی نہیں کر سکتی۔ یہ ترقی اُس وقت ہو گی۔ کہ جب ملکی کارخانے باشندگان ملک کے حسب پسند اور ضرورت کی چیزیں تیار کریں گے۔ نیز رؤسا اور امرا سے لے کر ادنٰے درجہ کے لوگوں میں بھی یہ کارروائی جاری ہو جائے۔ تو زمانہ کے شوق اور مذاق میں خود بخود تبدیلی اور عمدگی پیدا ہو جائے گی ؞

ملک میں صنعتی خیال ہنوز بالکل مٹ نہیں گیا ہے۔ حوصلہ دلانے کی ضرورت ہے۔ کاریگر خود بخود پیدا ہو جاویں گے۔ صوبجات۔ اضلاع۔ قصبات اور مواضع میں اب بھی دستکاریاں موجود ہیں۔ اور اگر کوشش

کی جائے۔ تو تھوڑی اصلاح سے خواہش کے مطابق چیزیں بہم پہنچ سکتی ہیں البتہ کاریگروں سے ہمدردی کا خیال پیدا ہونے کی ضرورت ہے۔ نمونہ آگے رکھ کر یوروپین وضع کی چیزیں بھی دیسی کاریگروں سے تیار کرائی جا سکتی ہیں +

کسی پیمانہ پر ترقی صنعت و حرفت سے تعلق کارروائی کرنے میں اس کی ضرورت ہے۔ کہ ہر ایک قسم کی دستکاری کی بابت پہلے یادداشتیں مرتب کی جائیں۔ اور اس کا کسی پولیٹیکل یا تمدنی مسئلہ سے واسطہ نہ ہو۔ اس میں بغیر تفریق مذہب و ملت۔ ہندو مسلمان۔ عیسائی اور پارسی سب کو مشترکہ کوشش کرنی چاہئے۔ نہ تو اس بارہ میں ہر طرف مایوسی ہی مایوسی ہے۔ نہ قطعی حوصلہ مندی ہی ہے۔ بلکہ موجودہ صورت ایک درمیانی حالت ہے۔ اب یہ اہل ملک کا کام ہے۔ کہ اسے یکسوئی کے ساتھ طے کریں +

گذشتہ صدیوں میں ہندوستانی مال کی قدر و وقعت یورپ و ایشیا کے بازاروں میں تھی۔ عرب۔ پرتگیز۔ انگریز۔ فرانسیسی اور اہل ہالینڈ جہازوں کے ذریعے سے ہندوستان کا اسباب دوسرے ملکوں میں لے جاتے تھے اُن دنوں ہندوستانی صنعت کے زوال کا خیال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ غیر ملک کے تاجروں کا اس میں فائدہ تھا کہ یہاں کی دستکاری کو اور فروغ ہو۔ اس لئے کہ جس نسبت سے اشیاء برآمد میں اضافہ ہوتا تھا۔ اسی قدر انہیں نفع حاصل ہوتا تھا +

لیکن اٹھارھویں صدی میں انگریزوں کو یہاں پورے طور پر حاکمانہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ تو اصول "ازرو تجارت" کے اعتبار سے یوروپین ممالک کی ساختہ اشیاء کی کھپت کے لئے دروازے کھل گئے۔ چونکہ انگریز

خود تاجر اور دستکار قوم سے تھے۔ اِس لئے پہلی مصیبت یہ نازل ہوئی۔ کہ ملکی صنعت بجائے حوصلہ افزائی کے روز بروز دبی چلی گئی۔ اور ہندوستان صرف خام اشیا روانہ کرنے کی منڈی رہ گیا۔ اور وہاں سے جب اُس خام چیز کا سامان تیار ہو کر آیا۔ تو کئی گونہ زیادہ قیمت پر ہم ہی اُس کے خریدار بنے اور حالت یہ ہو گئی۔ کہ یکسان اور مساوی مقابلے میں ہندوستان یوروپین ممالک سے آگے بڑھنے کا کیا ذکر ہے۔ اپنے درجے کو بھی قایم نہ رکھ سکتا تھا +

ہمارے لئے یہ امر قابلِ مسرت نہیں ہے۔ کہ ہندوستان کی تجارت برآمد میں بہت بڑی تعداد خام اشیاء کی ہوتی ہے۔ اِس کو بھی یقین نہ کرنا چاہئے۔ کہ ہندوستان کی اقبال مندی صرف زراعت یا صرف تجارت و صنعت سے ہو سکتی ہے۔ بلکہ دونوں میں بقدر گنجایش کافی حد تک ترقی ہونے کی ضرورت ہے۔ انگلستان کو دیکھئے۔ کہ اس نے زراعت میں سرگرمی نہیں ظاہر کی۔ جس کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ اپنی خوراک کے لئے دوسرے ملکوں کا دست نگر ہے۔ اور ہندوستان کی یہ حالت ہے۔ کہ روزانہ ضرورت کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے غیر ملک کا محتاج ہے۔ اب یہ ہر باشندۂ ملک کا فرض ہے۔ کہ اِس ناگوار حالت سے ملک کو بچانے میں سعی کرے۔ یہ اِس طرح ممکن ہوگا۔ کہ زراعت پیشہ آبادی کو ہل بیل اور بیج وغیرہ ملنے کی سہولت کے لئے کثرت سے جا بجا زراعتی بنک قایم کئے جاویں۔ اور اہل حرفہ کے لئے مشترکہ سرمایہ کی امدادی کمپنیاں کھولی جائیں +

اِس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم انگلستان۔ امریکہ۔ جاپان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ یہاں ایسے سرمائے کم جمع ہو سکتے ہیں جن سے

بہ نسبت بڑے بڑے کاموں کا آغاز ہو سکے۔ یہ یہاں کے دولتمند اور ملکوں کے دولتمندوں کے مقابل کوئی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں جس کے پاس چالیس پچاس ہزار ہوں دولتمند سمجھا جاتا ہے۔ اور یورپین ممالک میں یہ ایک حقیر رقم متصور ہوتی ہے۔ اس وقت ایسی کارروائیوں میں کئی طرح کی مشکلات ہیں۔ اول تو ہم بہت ہی پیچھے رہ گئے۔ اور از سرنو صنعت و حرفت کو بحال اور تازہ کرنا ہے۔ دوسرے زمانہ حال کی تعلیم صنعت و حرفت سے بے بہرہ ہیں۔ تیسرے کافی سرمایہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ جس کے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں چل سکتا +

ان دقتوں کے بیان کرنے سے یہ غرض نہیں ہے۔ کہ مایوس ہو کر بیٹھ رہنا چاہئے۔ بلکہ مقابلہ اور مردانہ وار کوششوں سے ان کو مغلوب کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ملک کی قابلیت کاریگروں کے صبر و قناعت اور ارزاں شرح اجرت پر خیال کرکے کامیابی کا یقین ہوتا ہے۔ ہمیشہ اس عقیدہ کو نصب العین رکھنا چاہئے۔ کہ تمام چیزیں اور واقعات بھلائی کے لئے ہیں۔ روئی کی صنعت پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم نے پارچہ بافی کے دخانی کارخانے جاری کرلئے ہیں۔ اگرچہ اُن کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔ بمبئی۔ ناگپور۔ پونا اور احمد آباد میں روئی اور کپڑے کے کارخانے ہیں۔ اور سال بسال تعداد اور وسعت میں بڑھتے جاتے ہیں۔ دستی راچھ بھی ہندوستان سے بالکل معدوم نہیں ہوگئے ہیں۔ نہ کلیتاً ان کا استیصال ہو جائے گا۔ زمانہ حال کے دستی راچھ سابقہ راچھوں سے بہت زیادہ کام دیتے ہیں۔ اور اگر یہ زیادہ وسعت کے ساتھ استعمال کئے گئے۔ تو زیادہ کام اور معقول فائدے کی اُمید ہے۔

ریشمی کپڑے بھی پہلے سے زیادہ بُنے جاتے ہیں۔ کشمیر۔ بلوچستان کے علاقہ مستانگ۔ ریاست مور بھنج اور مشرقی بنگال کے کئی مقامات میں پیداوار ریشم کا تجربہ بہت حوصلہ افزا ثابت ہوا ہے۔ اور ہندوستانی ریشم کی مانگ بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح بلند ہمت انگریزوں نے شمالی ہند اور پنجاب میں اونی کپڑے بننے کے کارخانے کھول رکھے ہیں۔ ہندوستانی باشندوں کے لئے اس میں بڑی گنجائش اور موقع ہے۔ جوٹ اور سن کا کام بنگال میں خوب زوروں پر ہے۔ اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کچھ دنوں بعد سن کے کپڑے کا خوب رواج ہوگا۔ تانبے اور پیتل کے ظروف کا خرچ بھی بڑھ رہا ہے۔ اور یقین ہے۔ کہ یورپ کے تام چینی والے برتن انہیں نابود نہ کرسکیں گے۔ کوئلہ اور لوہا جو زمانہ حال کی صنعت کی روح رواں ہیں۔ مختلف مقامات کی کانوں سے سال بہ سال زیادہ مقداریں نکل رہے ہیں۔ ہندوستان میں برقی قوت سے اشیا کا تیار کرنا ویسے ہی ممکن ہے۔ جیسا اور ملکوں میں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اس وقت تک ہم نے ابتدائی منازل میں بہت کچھ پیش قدمی کرلی ہے۔ اور یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ سوائے جاپان کے ایشیا کے کسی ملک نے اس قدر ترقی نہیں کی ہے۔ جس قدر ہندوستان نے۔ اور باوجود چند در چند رکاوٹوں کے اس قدر درجہ ترقی کا تسکین بخش ہے +

زراعت اور صنعت میں ہم کو ایک ساتھ پہلو بہ پہلو کام کرنا ہوگا۔ تاکہ ایک کا دوسرے پر اثر پڑے۔ اور اس طرح رفتار زمانہ کو خود کے موافق بنانا چاہیئے +

انگلش پبلک اور پریس کو ہندوستانی حالات سے بےخبری نہیں ہے۔

گو وہ ایسی وسیع نہ ہو +

دیسی ریاستیں ہندوستان خاص کا ایک جزو ہیں - اور اس سے علیحدہ نہیں سمجھی جا سکتیں - وہ بھی انگریزی صوبوں سے بہت زیادہ پیچھے نہیں ہیں - کشمیر میں ریشم کا کاروبار خوب عروج پر ہے - بڑودہ کے حکمران نہایت قابل اور فرزانہ شخص ہیں - اپنی رعایا میں ترقی صنعت وحرفت دینے پر بیحد متوجہ ہیں +

آپ نے اپنے حدود میں تعلیم کی فیس بالکل معاف کر دی ہے - اس کی تقلید ریاست گوالیار نے بھی کی ہے - ریاست میسور ہر بات میں سلف گورنمنٹ کا نمونہ ہو رہی ہے +

بہرحال یہ کہا جا سکتا ہے - کہ ہر جانب بیداری اور اپنی حالت کے احساس کی علامتیں ظاہر ہو رہی ہیں - لیکن اس کے لئے مستقل مزاج - بلند حوصلہ - اور اعتدال پسند سرغنائوں کی ضرورت ہے - جو دراصل کام کے آدمی ہوں - صرف باتیں بنانا نہ جانتے ہوں +

حکیم برہم

آزاد کی عمر اب بفضل خدا ایک سال کی ہونے کو ہے اس چھوٹی سی عمر میں جس خوبی سے اس نے اپنی خدمات کو انجام دیا ہے - اس کا اعتراف اہل الرائے احباب اور ہمارے غائبانہ عنایت فرماؤں نے مبارکباد کے خطوط میں کیا ہے جن کے شائع کرنے کے لئے معقول جگہ کی ضرورت ہے یہی باعث ہے کہ باوجود کثیر مالی نقصانات ہمارے حوصلے پست نہیں ہوئے - اور یہی امید ہے کہ آیندہ کام کرنے کیلئے ہمیں ہمت ہوتی ہے - روپیہ کا نقصان ہم سکتے ہیں ایسا مت کہ ناظرین چاہیں - تو فوراً مدد کر سکتے ہیں +

بڑے بول کا سر نیچا

سرگذشتِ پتنگ

از منشی پتمبر پرشاد اختر

ایک جھاڑی میں کہیں اُلجھا ہوا تھا اک پتنگ ۔ وہ زبانِ حال سے یوں کہہ رہا تھا برملا
دیدۂ حیرت سے دیکھیں سب میرا حالِ تباہ ۔ گوشِ عبرت سے سنیں میرا یہ از غم ماجرا
ایک شایق نے خریدا تھا مجھے بازار سے ۔ ڈور مجھ میں ڈالکر اور چھوڑ کر سوئے ہوا
ٹھمکیاں آہستگی سے دیں کبھی شوخی سے مجھے ۔ ڈھیل دے دیکر سہارا جھونک دی کھینچی ذرا
پھر تو میں اُڑنے لگا تن تن کے مثلِ شاہباز ۔ پھر تو مجھ میں بھر گئی بس کبر و نخوت کی ہوا
آسمان والوں میں گویا ہو گیا میں بھی شریک ۔ بات کرتا تھا ہوا سے اِس قدر اونچا چڑھا
پہنچتا مجھ تک نظر بازوں کا کیا پیکِ نظر ۔ ہو گیا تھا میں تو رفعت میں ستارہ چرخ کا
شادماں تھے اہلِ دنیا دیکھ کر میری اُڑان ۔ رشک کرتی تھی میری پرواز پر بادِ صبا
مجکو چیونٹی کی برابر خلق آتی تھی نظر ۔ اور میں چشمِ حقارت سے اُسے دیکھا کیا
دل میں رہ رہ کر یہی کہتا رہا افسوس سے ۔ کر دیا پابند مجھ کو کس لئے تو نے خدا
میں اگر آزاد ہوتا ڈور کے پھندے سے آج ۔ سیرِ عالم کو دکھاتا اپنے اُڑنے کی ذرا
دور ہو جاتا نگاہِ خلق سے مثلِ جناں ۔ آسماں کے پار ہوتا صورتِ فکرِ رسا
بس یہ کہتے کہتے کھچکر ڈور ٹوٹی ناگہاں ۔ اور طمانچوں سے ہوا نے مجکو بیدم کر دیا

ف: صفحات پتنگ بازی ۔ ۴۲

پھر بھلا کب پاؤں جم سکتے تھے میرے اوج پر — ڈگمگاتا لڑکھڑاتا جھوک کھاتا جا بجا
آپڑا شامت سے اِس جھاڑی میں ہو کر سرنگوں — میرا سارا تن بدن کانٹوں میں پھنسکر چھد گیا
ایسا الجھا ہوں کہ اب یاں سے نکلنا ہی محال — کوئی دم کا میہماں ہوں پیش ہے راہِ فنا
اپنی حد سے پاؤں پھیلائے زیادہ میں نے جب — کبر و نخوت کی بدولت دیکھنا نیچا پڑا

یہ عمل ہی سب کی ڈور ہے اختر خدا کے ہاتھ میں
حکم بن پتہ بھی ہل جائے ذرا مقدور کیا

اختر

آزاد کا کانگرس نمبر - ماہ دسمبر کا رسالہ آزاد کا کانگرس نمبر خاص اہتمام سے شایع ہوگا - خوش قسمتی سے جو مصالحہ اس کے لئے جمع ہؤا ہے وہ اِس نمبر کو ایک لاجواب نمبر بنا دیگا ٭

فخر ہندوستان لالہ لاجپت رائے کی غیر حاضری سے آزاد کے قلمی سرپرستوں کی جماعت سونی تھی - اور ہم جانتے ہیں کہ ناظرین آزاد اسے محسوس کر رہے تھے - خدا کا شکر ہے کہ آزاد کو پھر اِن مضامین کو زینت اوراق کرنیکا موقع ملا ہے جن کا اِسے ہمیشہ فخر رہا ہے - لالہ لاجپت رائے نے ایام غیر حاضری کی تلافی کے لئے اپنی سب سے عزیز چیز یعنی ایام جلا وطنی کی بیش بہا تصنیف بغرض اشاعت عنایت کی ہے - جسے ہم آزاد کے لئے سرمایہ ناز سمجھتے ہیں اس نمبر کیلئے علاوہ اِن دو مضمون کے مندرجہ ذیل احباب نے لکھا ہے ۔ منشی گنگا پرشاد ورما ایڈیٹر ہندوستانی لیڈر ممالک متحدہ ۔ انجہانی مرلی دھر گرانڈ اولڈ مین آف پنجاب - مسٹر محمد علی بی - اے اکسفورڈ سابق علیگڈھ کالج - بھائی پرمانند ایم - اے مقیم لندن - مسٹر ہرنام ال ایم اے (لندن) مسٹر پنا لعل ایم اے - سی ایس - لالہ امر ناتھ وکیل - اولپنڈی پنڈت نانک چند وم بی اے بیرسٹر ہرگوبند پٹیالہ ایم اے علاوہ شعرا متعدی ہوا کا پانچ افتوں کانگرس کے متعلق چار دلچسپ تصویریں شامل رسالہ ہونگی جو صاحب شروع سال سے خریدار ہونا چاہیں اور قیمت بذریعہ منی آرڈر عنایت فرمائیں انہیں یہ نمبر مفت نذر ہوگا - ہماری اس قدر کوششوں کے جواب میں بھی اگر آپ کی خاموشی ہو تو خیال فرمائیے کس قدر حوصلہ شکنی ہوگی ٭ مینجر منشی بشن سنگھ آزاد ہوا لکھنؤ ایڈیٹر

محبوبِ عالم

"از شیخ چلی"

ایک عرصہ ہوا۔ کہ فارس میں ایک منصف مزاج اور عقلمند بادشاہ منصور عالم نام حکمران تھا +

سلطنت ہر قسم کے خوف وخطر سے بے خوف تھی۔ اور رعایا ہر طرح کی ترقی میں مشغول۔ ایسا امن وامان تھا۔ کہ بکری اور شیر ایک گھاٹ پانی پیتے تھے +

یہ سب کچھ تو تھا۔ مگر ایک چیز جو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اس کے پاس نہ تھی۔ یعنی گھر کا چراغ جس سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور ہو نہیں تھا۔ جس کے باعث وہ اکثر غمگین اور رنجیدہ خاطر رہا کرتا تھا۔ دنیا کا کوئی عیش پسند نہیں آتا تھا۔ ایک دن نجومیوں کو دربار میں بلا کر دریافت کیا۔ کہ کس وقت کے جنم کا لڑکا متبنٰی کیا جائے۔ کہ ایک عظیم الشان بادشاہ ہو نجومیوں نے بہت سوچ بچار کے بعد عرض کی۔ کہ جو لڑکا اتوار کے دن ۱۲ بجے رات کو پیدا ہوگا۔ وہ آپ کا بیٹا بننے اور آپ کے بعد جانشین ہونے کے لائق ہوگا۔ یہ سُن کر بادشاہ نے وزیروں کو حکم دیا۔ کہ فوراً ساری سلطنت میں منادی کی جائے۔ اور جو لڑکا ایسے وقت میں پیدا ہوا ہو۔ میرے پاس لایا جائے۔ مگر خدا کی قدرت سے اس رات اور اس وقت سوائے ایک قصاب کے کسی اور کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہوا۔ اسی کو بادشاہ کے پاس لے گئے جس کو بادشاہ نے قصاب کی اجازت اور مرضی سے اپنا متبنٰی بنا لیا۔ اس کا نام

شہزادہ قصاب رکھا ۔

جب شہزادہ قصاب اِس لایق ہوا۔ کہ حکمرانی کر سکے ۔ تو ایک صوبہ کا گورنر کرکے بھیجدیا۔ وہاں اِس نے اِس قدر ظلم کیا۔ کہ تمام رعایا چیخ اُٹھی۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ ہر روز اِس کی ایک آدھی شکایت بادشاہ تک پہنچنے لگی۔ آخر تنگ آ کر وہاں کی رعایا نے شہر اور قصبے خالی کر دیئے۔ اور دوسری سلطنت میں جا بسے ۔

اِسی طرح ایک عرصہ گذر گیا۔ اور زمانے نے بہت سیاہ و سفید ورق اُلٹے کہ ایکدن بادشاہ بیگم نے خبر دی۔ کہ میں دُرِ مقصود نذر کرنے کو ہوں۔ یہ سُن کر بادشاہ کی باچھیں کھل گئیں۔ جھٹ نجومیوں کو حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ سب نے کورنش بجا لا کر عرض کی۔ کہ حضور کے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جو راجوں کا راجہ اور شاہوں کا بادشاہ ہوگا۔ بادشاہ کو یہ سُن کر دوگنی خوشی ہوئی۔ اور بلا تامل یہ خوشخبری شہزادہ قصاب کو پہنچائی۔ کہ عنقریب بفضل الٰہی تمہارا ایک اور بھائی پیدا ہونے والا ہے۔ جب قاصد شہزادہ قصاب کے پاس پہنچا۔ تو اِس کے دل میں خیال آیا۔ کہ جب وہ بڑا ہوگا۔ تو مجھے جو کہ ایک ادنےٰ ذات کا ہوں کون پوچھے گا۔ اِس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ اِس کا کام تمام کیا جائے۔ یہ سوچ کر اسی وقت ایک رہوار بادرفتار پر سوار ہو۔ آدھی رات کے وقت دارالخلافہ میں داخل ہوا۔ اور اِسی وقت شاہی محل کی طرف روانہ ہوا۔ اور چونکہ پہرہ دار اِس سے واقف تھے۔ کسی نے بھی نہ روکا۔ اندر داخل ہوتے ہی اپنے باپ کے کمرے میں گیا۔ اور خنجر سے اِس کا کام تمام کیا ۔ ع

سرِ فتنہ دارد دگر روزگار
ہمین است اورا شب و روزگار

وہاں سے فارغ ہو کر ملکہ کے کمرہ میں آیا۔ مگر اُسے وہاں نہ پایا۔ ملکہ پہلے ہی اس کی آمد سے خبردار ہو کر چند آدمیوں کے ساتھ نکل چکی تھی۔ چلتے چلتے صبح کے وقت ایک جنگل میں پہنچی۔ اور لوگوں کو منت وساجت سے یہ کہکر واپس کیا۔ کہ اب مجھے مرنے کا کوئی فکر نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی۔ کہ ایک کمینہ قصاب کے ہاتھ سے ماری جاؤں۔ اب اگر میں بھوک۔ پیاس کے صدمہ سے مرجاؤں یا کسی جنگلی جانور کا شکار بنوں تو بہتر ہے۔ لوگ بناچاری تمام روتے دھوتے اور اس کو جس کے پیٹ میں گوہر نایاب تھا۔ وہاں چھوڑ کر واپس ہوئے۔ ملکہ کو اس تنہائی کے عالم میں بہت عرصہ نہیں گذرا تھا۔ کہ ایک صوبہ دار شکار کرتا ہؤا اپنی فوج سے جدا ہو کر وہاں پہنچا۔ اِس حور طلعت کو پریشان حال دیکھا۔ اور ٹھٹھر کر رہ گیا۔ نزدیک آکر سوال کیا کہ تم حور ہو یا پری۔ جس کے جواب میں ملکہ نے کل حقیقت کہہ سنائی۔ فرشتہ خصال صوبہ دار کو رحم آیا۔ اور ملتجی ہؤا۔ کہ میرے گھر کو اپنا گھر تصور کریں۔ اور میرے پاس چل رہیں۔ میں بھی آپ کا نمک خوار ہوں۔ اس کو ملکہ نے بڑی خوشی سے پسند کیا۔ اور اس کے گھر میں بسیرا اختیار کیا +

اِس حالت میں رہتے بہت مدت نہ گذرتی تھی۔ کہ ملکہ کے ہاں لڑکا پیدا ہؤا۔ جس کی پیشانی سے بزرگی کے نشان عیاں تھے +

بیت

کہ کس ندید چناں ماہ در ہزاراں سال	ہے براوج سپہر کمال طالع شد
فرشتہ طلعت وروشن دل ومبارک پے	خجستہ طالع و نیک اختر وہمایوں فال

جب شاہزادہ اس قابل ہؤا۔ کہ تعلیم پا سکے۔ تو ایک قریب کے مکتب میں بھیجا گیا۔ جہاں تھوڑے ہی دنوں میں وہ سب لڑکوں سے سبقت لیگیا

اور باوجودیکہ کوئی اتالیق جنگی کرتب سکھلانے کو نہ تھا۔ مگر تاہم قدرتاً تیرو تفنگ کے استعمال میں مہارت تامہ پیدا کرلی ✦

ایک دن حسب معمول مکتب کو جا رہا تھا۔ کہ راستہ میں ایک کاغذ ایک گھر کی دیوار پر چسپاں پایا تو دیکھا۔ تو معلوم ہؤا۔ کہ شاہِ قصاب نے اِس شخص کے لئے جو سب سے اچھا تیرانداز ہو تین انعام مقرر کئے ہیں۔ یہ دیکھ بستہ بغل میں داب دارالسلطنت کا رُخ کیا۔ جہاں بہت سے آدمیوں کو مقابلے کے لئے موجود پایا ✦

صبح کے وقت موقعہ پر پہنچا۔ تو دیکھا۔ کہ ایک ستون پر چاند ماری کے لئے ایک سیاہ نشان بنا ہؤا ہے۔ رجسٹر میں اپنا نام داخل کرایا۔ اور نشانہ کے لئے طیار ہوکر بیٹھ گیا۔ جب سب اپنے کرتب دکھلا چکے۔ اور کسی کا نشانہ مقصود تک نہ پہنچا۔ تو شہزادہ محبوب عالم (ملکہ اِسی نام سے پکارتی تھی) اُٹھا اور ایسا نشانہ لگایا۔ کہ تیر ستون کو چیر کر پار ہو گیا۔ تحسین و آفرین کا شور ہر طرف سے بلند ہؤا۔ شاہِ قصاب بہت خوش ہؤا۔ اور وزیر کو ساتھ کر کے حکم دیا۔ کہ اِسے اصطبل میں لے جاؤ۔ اور جو گھوڑا پسند کرے۔ دلواؤ۔ اور موروثی خانہ میں سے خلعتِ فاخرہ اور اسلحہ خانہ سے عمدہ ترین ہتھیار مرحمت کرو۔ شہزادہ وزیر کے ساتھ اصطبل میں گیا۔ اور اُس گھوڑے کو کہ جس پر بادشاہ اس کا باپ سوار ہؤا کرتا تھا۔ چن لیا۔ اور موروثی خانہ سے اِس لباس کو جو اِس کا باپ پہنا کرتا تھا۔ اور ہتھیاروں میں سے اِن ہتھیاروں کو جن کو شاہِ مرحوم لگایا کرتا تھا پسند کرکے لے آیا۔ اور گھوڑے پر سوار ہوکر شاہِ قصاب کے سامنے آیا۔ بہت سے لوگ اُسے اِس حالت میں دیکھ کر چلائے۔ کہ ہمارا مقتول شدہ بادشاہ زندہ ہوکر آگیا ہے۔ ادھر تو یہ ہو رہا تھا۔ اُدھر جب رات کے وقت

شاہزادہ نہ آیا۔ تو ملکہ کے حواس اُڑ ے۔ ہر طرف آدمی دوڑا ئے۔ اور خود انتظار میں دروازہ پر آ بیٹھی۔ اِدھر شاہِ قصاب نے جب لوگوں میں اِس قسم کا شور و غل سُنا۔ تو شاہزادہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ مگر شہزادہ نظر بچا کر بچ نکلا۔ اور ایک شبانہ روز میں دوا دوکر کے گاؤں پہنچا۔ اور اپنی والدہ کو دروازہ پر بیٹھا دیکھ کر حیران ہوا۔ اور زیادہ حیرانگی کی یہ وجہ ہوئی۔ کہ وہ شہزادہ کو دیکھ کر ہنسی اور روئی۔ شہزادہ نے دریافت کیا۔ کہ ہنسنے اور رونے کا کیا باعث ہے۔ ملکہ نے جواب دیا۔ کہ تمہاری شکل اب ہو بہو تمہارے باپ کی سی ہے۔ جو اِس ملک کا بادشاہ تھا۔ اِس خیال سے ہنسی تھی۔ اور پھر یہ سوچکر کہ ہم کس مرتبہ سے گر کر کہاں پہنچ گئے ہیں۔ رو پڑی ؎

سخت است پس از جاہ تحکم دیدن
نا بُردہ نازِ جورِ مردم بُردن

جب شہزادہ نے یہ بات سُنی۔ اپنی والدہ سے کہا۔ کہ اب جب تک میں اپنے باپ کا بدلہ نہیں لوں گا۔ میرے لئے یہاں کا آب و دانہ اور آرام حرام ہے۔ ملکہ نے سمجھایا۔ کہ اِس چھوٹی سی عمر میں بدلہ کا خیال رکھنا فضول ہے۔ مگر شہزادہ نے ایک نہ سُنی۔ اور مجبوراً دونوں نے صوبہ دار کی اجازت لی۔ اور اسی گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی سلطنت سے نکل گئے۔ شام کے وقت بھوکے پیاسے اور تھکے ماندے ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچے۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ مگر کہیں بھی آبادی کا نام و نشان نہ پایا۔ حیران ہو کر سونے کے لئے زمین پر بیٹھ گئے۔ مگر کیا دیکھتے ہیں۔ کہ قریب ہی ایک مسجد ہے۔ یہ خیال کر کے کہ وہاں کوئی ضرور ہو گا۔ ملکہ اور شہزادہ دونوں وہاں پہنچے۔ اور ایک فقیر کو ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا پایا۔ شہزادہ نے

اے پیر و مرشد ہم سخت بھوکے ہیں۔ ہمیں کھانے کے لئے کچھ عنایت ہو۔ فقیر نے ایک ٹکڑا اور کوزہ آب کی طرف جو ایک آدمی کے لئے بھی کافی نہیں تھا۔ اشارہ کیا۔ شہزادہ اُسے اُٹھا لایا۔ اور اپنی ماں کو کھانے کے لئے دیا۔ ملکہ نے کہا کہ بیٹا تم کھاؤ۔ میں اگر مر جاؤں گی۔ تو کوئی بات نہیں ہے۔ اِس طرح بہت دیر تک تکرار ہوتا رہا۔ فقیر نے کہا۔ کہ تم جھگڑتے کیوں ہو۔ دونوں پیٹ بھر کے کھاؤ۔ اور ہمیشہ کھاتے رہو۔ پھر بھی کبھی ختم نہ ہوگا۔ دونوں نے کھانا شروع کیا۔ اور سیر ہو کر کھایا۔ مگر وہ ٹکڑا ویسے کا ویسے ہی رہا۔ اور لذیذ اور مفرح اس قدر تھا۔ کہ شاہی دسترخوان پر بھی کبھی نصیب نہ ہو۔ اِسی طرح پانی بھی ختم نہ ہو سکا۔ صبح کے وقت فقیر نے حال دریافت کیا۔ جس پر شہزادہ نے جواب دیا۔ کہ آپ کو سب کچھ معلوم ہے ہم سے کاہے کو دریافت فرماتے ہو۔ فقیر نے کہا کہ تمہارے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ اِس سے آگے جانے کی کسی کو بھی طاقت نہیں ہے۔ شہزادہ نے کہا کہ میں اِس طرح سے قسم کھا چکا ہوں۔ اب میرا واپس ہونا درست نہیں ہے۔ آپ مہربانی کرکے ہماری مدد کریں۔ فقیر اُٹھا۔ جنگل سے دو شاخیں کاٹ لایا۔ اور انہیں دیکر کہا۔ کہ آپ اِنہیں لے کر اس سمندر میں اُتر پڑیں۔ تمہارے ارد گرد چودہ چودہ گز تک پانی پایاب رہیگا ٭

ملکہ اور شہزادہ دونوں شاخیں لیکر سمندر میں اُتر پڑے۔ ایک ان میں سے روشن ہوگئی۔ اور سب سمندر کے جانور نظر آنے لگے۔ جب وسط سمندر میں پہنچے۔ شہزادہ نے کچھ گول گول چیزیں سرخ رنگ کی بہتی ہوئی دیکھیں۔ ملکہ سے کہا۔ کہ اگر اجازت ہو۔ تو ان کو اُٹھا لوں۔ اِس نے روکا۔ مگر شاہزادہ کب مانتا تھا۔ نظر بچا کر ان میں سے ایک کو اُٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

اور سمندر چیر کر ہندوستان میں پہنچ گئے۔ ایک سرائے میں اتر پڑے۔ ملکہ نے
شہزادہ کو کچھ پیسے دیکر کہا۔ کہ کھانے کے لئے کچھ مٹھائی لاؤ۔ شہزادہ بازار
میں گیا۔ اور اس لعل کا خیال آیا۔ اور یہ سوچکر کہ اگر اماں جان کو معلوم ہو جائیگا
تو غصے ہونگی۔ بنئے کو دیکر کہا۔ کہ مجھے مٹھائی دو۔ بنیا تھا عقلمند۔ جھٹ تاڑ
گیا۔ کہ یہ کم از کم ۱۰ لاکھ کی مالیت کا ہے۔ فوراً ۵ سیر مٹھائی اور دس سیر مہریں
اسے دے دیں۔ شہزادہ ملکہ کے پاس لے آیا۔ ملکہ نے جب مٹھائی اور مہروں
کو دیکھا۔ تو حیران ہوئی۔ اور پوچھا۔ کہ کس طرح سے یہ مہریں اور اس قدر
مٹھائی پائی۔ میں نے تو صرف چند فلوس ہی دیئے تھے۔ اگر وہ لعل دیا ہے تو
واپس کراؤ۔ شہزادہ نے سب حقیقت کہہ سنائی۔ پھر ملکہ خود بنئے کے پاس
آئی۔ اور کہا کہ تم نے [illegible] لعل لے لیا ہے۔ اپنی مہریں
لے لو۔ اور لعل واپس کر دو۔ بنئے نے نہایت ادب سے عرض کیا۔ کہ آپ سے جس قدر
ہو سکے مہریں لے جائیے۔ تاہم لعل میرے پاس رہنے دیجئے۔ ملکہ اور شہزادہ
سے جس قدر مال اٹھایا گیا لے آئے۔ اور رہنے کے لئے ایک نیا مکان تعمیر
کرایا۔ اور بہت سے نوکر ملازم رکھ لئے۔ ادھر بنیا وہ لعل وزیر کے پاس لے گیا
اور وزیر نے بادشاہ کو دے دیا۔ اور بادشاہ نے اپنی لڑکی کو پہننے کو دیا۔ لڑکی
دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور پہن کر باغ میں جا بیٹھی۔ اسی درخت پر ایک طوطا
اور ایک مینا بیٹھے ہوئے تھے۔ مینا نے طوطے سے کہا۔ کہ مجھے کوئی کہانی
سناؤ۔ طوطے نے اول تو انکار کیا مگر مینا کے بہت سے اصرار پر اس طرح کہنا
شروع کیا۔ کہ ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی کو ایک لعل دیا۔ جسے وہ پہنکر اس قدر
پھولی ہے۔ کہ جامے میں نہیں سماتی۔ حالانکہ چاہیئے تھا۔ کہ کم از کم ایک درجن
تو پہنکر پھولتی۔ شہزادی فوراً تاڑ گئی۔ اور اسی طرح اپنے کمرے میں غمگین

متوحش ہوکر پڑ رہی۔ بادشاہ کے کوئی لڑکا نہیں تھا۔ شہزادی کو اس حالت میں دیکھ کر حیران ہوا۔ اور دریافت کیا کہ کیا سبب ہے۔ شہزادی نے کہا کہ ایک درجن ایسے لعل مجھے اور چاہیئے۔ بادشاہ وعدہ کر کے دربار میں آیا اور وزیر کو بلوا بھیجا اور کہا کہ ایسے بارہ لعلوں کی اور ضرورت ہے فوراً مہیا کرو۔ ورنہ جان کی خیر نہیں۔ وزیر یہ حکم سن کر بنئے کے پاس گیا اور اسے بہت دھمکایا۔ بنیا جلدی سے اس سرائے میں گیا مگر اسامی کو وہاں نہ پا کر بہت سٹ پٹایا اور تلاش کرنے لگا۔ آخرکار مشکل سے ایک عالی شان مکان کا پتہ شہر کے باہر نکالا۔ بہت سے چوکیداروں کو پہرہ پر پاکر اندر جانے کی جرأت نہ کر سکا۔ اسے سوچتے بہت عرصہ نہ گذرا تھا کہ شہزادہ حسب عادت سیر کر کے اندر داخل ہوا۔ بنئے نے سلام کیا۔ اور بادشاہ کا پیغام کہہ سنایا۔ شہزادہ نے جواب دیا کہ میں بادشاہ کی رعایا نہیں ہوں۔ اگر اسے کچھ مطلب ہے تو خود یہاں آجائے۔ مجھے وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بنئے نے ویسے ہی بادشاہ سے جا کہا یہ سن کر بادشاہ کو غصہ تو آیا۔ مگر غرض کی طرف نگاہ کر کے خاموش ہو رہا۔ اس مکان پر گیا اور بعد ملاقات حرف مطلب زبان پر لایا۔ شہزادے نے چار روز کا وعدہ کیا۔ اور بادشاہ کو رخصت کر کے اپنی ماں کو کل حالات سے اطلاع دی۔ ملکہ نے اجازت دی۔ اور وہی دو شاخیں ہاتھ میں دے کر کہا کہ جزیرہ میں جاؤ۔ اور جتنے لعل درکار ہوں لا دو۔ شہزادہ روانہ ہوا۔ مگر جب وسط میں پہنچا۔ تو یکایک خیال آیا۔ کہ ان کے سرچشمہ کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ یہ کہاں سے آتے ہیں۔ یہ خیال کر کے جدھر سے لعل بہتے آتے تھے ادھر کو روانہ ہوا۔ حتیٰ کہ ایک دریا کے دہانے پر جا نکلا۔ وہاں سے ایک چھوٹی سی ندی پر پہنچا کیا دیکھتا ہے کہ ایک حوض سے پانی اور لعل نکل رہے ہیں۔ بہت دیر تک شہزادہ دیکھتا رہا آخر نہ رہا گیا۔ اس حوض میں کود پڑا

چند منٹ کے بعد جب پاؤں زمین پر ٹکے اور آنکھیں کھولیں تو معلوم ہوا۔ کہ ایک بہت وسیع محل میں ہوں مگر وہاں نہ آدم نہ آدم زاد ہُو کا مقام سکتے کا عالم تھا۔ ایک لاش چھت سے لٹک رہی تھی جس سے خون جاری تھا۔ قطرے ٹپک ٹپک کر پانی میں گرتے اور لعل بنتے جاتے تھے۔ بہت دیر تک دیکھتا رہا کسی کے پاؤں کی آہٹ سن کر ایک پردہ میں جا چھپا۔ اور کیا دیکھتا ہے کہ بہت سی پریوں نے آکر رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ اور نوحہ کرنے لگیں۔ اس لاش کو اُتار کر ایک پلنگ پر لٹایا اور روتی رہیں +

وہ ابھی رو ہی رہی تھیں کہ وہی فقیر جو شہزادہ محبوب عالم کو سمندر کے کنارے مسجد میں ملا تھا وہیں آکر بیٹھ گیا اور محبوب عالم کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ یہ تیرا باپ ہے جس کو قصاب نے قتل کر ڈالا تھا۔ اور چونکہ کسی نے اس کی اچھی طرح سے تجہیز و تکفین نہ کی پریاں اس کو اُٹھا لائیں کیونکہ یہ فارس کے اس بادشاہ کو جس کی تجہیز و تکفین نہ ہو یہاں لے آتی ہیں یہ سُنکر شہزادہ اپنے باپ سے چمٹ گیا شہزادہ کا چمٹنا تھا کہ بادشاہ زندہ ہوگیا۔ پریوں نے اس پیرمرد کے جو حقیقت میں خواجہ خضر تھے حکم سے دونوں کو اُٹھا کر ہندوستان میں محل کے پاس پہنچا دیا۔ شاہ ہند شہزادے کی آمد کی خبر سن کر آیا۔ اور شاہ فارس کو دیکھ کر تعظیم بجالایا۔ شہزادے کو اپنا اقرار یاد دلایا شہزادہ لعل تو نہ لایا تھا۔ مگر اُن کا راز اسے معلوم ہو چکا تھا۔ کہا دیا۔ کہ پانی کا پیالہ لاؤ۔ اور اپنی اُنگلی میں چیرا دے کر خون کے قطرے اس میں ٹپکائے جو لعل بن گئے۔ بادشاہ ہندوستان نے اپنی لڑکی کی شادی محبوب عالم کے ساتھ کر دی۔ اور اس نے پریوں کی مدد سے فارس میں آکر شاہ قصاب کو بُری طرح سے مارا۔ اور تخت شاہی پر جلوس فرمایا +

شیخ چلی

نظارۂ چمن

از منشی دوارکا پرشاد اُفق لکھنوی

ایک زمانہ تھا کہ شعرا ولی اللہ کہلاتے تھے۔ اور ان کی دعا پُر اثر خیال کی جاتی تھی۔ اب نہ تو وہ وقت رہا اور نہ لوگ ان کے قائل ہیں۔ [illegible] منشی دوارکا پرشاد گہر [illegible] الست نمبر میں فخر ہند [illegible] لالہ لاجپت رائے کی [illegible] پر ایک نظم بے بدل تحریر کی تھی جس کے [illegible] سخن فہم حضرات نے بے اختیار داد دی۔ اور ہمارے [illegible] خدایت [illegible] آزاد کو مبارکباد [illegible] خط [illegible] اپنی نظم کو عندلیب [illegible]

عجب بہار ہے [illegible]

[illegible]

خدا نے اس شعر میں کیا [illegible] تھی [illegible] بلبل باغ ہند [illegible] ہو کر آ ہی گیا [illegible] نظر سے باغ ہند کی سیر کرتے ہیں منشی جی کا [illegible] ایک شعر [illegible]

ہوئی ہے پھر نغمہ زن چمن میں قفس سے آزاد ہو کے بلبل
مبارک اہلِ وطن مبارک ملا ہمیں پھر چمن ہمارا
ہوا فراقِ وطن میں کیا کیا دیارِ غربت میں حال اپنا
چمن کی جانب لگی تھی آنکھیں قفس میں خالی تھا تن ہمارا
یہی دل کی آرزو ہے دیارِ غربت میں دم نہ نکلے
چمن کے پھولوں کی پتیاں ہی بس اِک تمنا ہوں کفن ہمارا

چمن کا دیکھ کے جلوہ عجیب بہار افزا — ہوئی ہے بسکہ خزاں دیدہ چشم نرگس وا
گھرے ہیں آج امنگوں کی دلفریب گھٹا — قفس سے چھوٹ کے کہتی ہے بلبل شیدا

ہزار شکر نظارہ ہوا چمن کا نصیب
خوشا نصیب کہ پھر ہوا چمن کا نصیب

قفس میں موسم بہار نہیں آتی تھیں — وطن کی یاد میں اشکوں کا تار تھیں آنکھیں
گلوں کے دیکھنے کو بیقرار تھیں آنکھیں — زمیں پہ فرش رہ انتظار تھیں آنکھیں

وطن کی یاد جب آتی تھی آہ غربت میں
لہو رلاتی تھیں آنکھیں چمن کی حسرت میں

یہ کیفیت تھی ہاں اپنے دل کے داغوں کی — وطن میں جلوہ میں جیسے روشنی چراغوں کی
جہاں تھی نغمہ زنی ہر طرف کلاغوں کی — قفس نصیب دو بلبلیں تھیں باغوں کی

ترس رہی تھیں جو نظارہ چمن کے لئے
تڑپتی لوٹتی حسرت میں تھیں چمن کے لئے

بندھا تھا ہجر میں تاروں کی انجمن کا خیال — چمن کے پھولوں کا نسرین و نسترن کا خیال
قفس میں بھی نہ چھوٹا نہ تھا چمن کا خیال — [illegible] وطن کا خیال

چمن میں طائر دل اور بدن قفس میں تھا
وطن میں روح تھی [illegible] تن قفس میں تھا

قفس میں آگ لگاتی تھی وال جلبلوں کی صدا — [illegible] بہت جلد بیکسوں کی صدا
چمن میں گونجتی ہے آج قمریوں کی صدا — کلوں کے دل کو کھلاتی ہے بلبلوں کی صدا

بہار موسم تو ہمارا چمن مبارک باد
خوشی منائیں بلبلیں وطن مبارک باد

ہزار شکر خدا ہے کہ وہ گھڑی آئی — خوشی بھی جس کی تھی سو جان سے تمنائی

مراد بلبل شیدا نے آج بھر پائی — گلوں سے ملتے ہیں ہمسنگ چمن کے شیدائی

یہ دن یہ وقت یہ پیارا سماں مبارک ہو

یہ خوش گھڑی تمہیں اے مہرباں مبارک ہو

مبارک آج کا دن ہو تمہارے گل بوٹو — بہار گلشن قدرت کے خوش نما پودو

جو گزری ہم سے سنو اپنی سرگزشت کہو — اٹھو گلے لگو آنکھیں ملاؤ ہم وطنو

ہماری یاد نہ شاید تم ایک دم بھولے

تمہارا دیکھ کے ہم حال اپنا غم بھولے

ہمارے بعد کہو حال کیا تمہارا ہوا — فراق کیسے ہمارا تمہیں گوارا ہوا

دل آہ تیغ جدائی سے پارہ پارہ ہوا — کہ قتل عام کو صیاد کا اشارہ ہوا

جو بلبلوں کو نہ تھا وہ کھٹکا نظر آیا

کہیں سے چھپتے ہوئے صیاد بے خطر آیا

کھنچیں شکنجے پہ کیا کیا دم آہیں — زبان تیغ سے پرسش تھی دادخواہوں کی

چڑھی تھیں باڑھ پہ نوکیں سناں گناہوں کی — چھری تھی پھر رہی گردن پہ بے گناہوں کی

عجیب سکتے میں سا کچھ بلبلوں کی حالت تھی

تڑپنے لوٹنے تک کی نہیں اجازت تھی

جو راگ بلبلیں آزادیوں کا گاتی تھیں — چمن میں یاد جھلکے غزل آہ گل لہاتی تھیں

وطن کے راگ میں دردوں کا دل لبھاتی تھیں — نئی بہار کی خوش خوش خبر سناتی تھیں

وہ طائروں کی خوش الحانیاں ہوئیں سب بند

ہمارے بعد غزل خوانیاں ہوئیں سب بند

مدام جوہر تیغ ستم نخواہد ماند — شکایت غم و رنج و الم نخواہد ماند

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند — چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند

جو گل کہ ہیں پژمردہ کاش جلد کھلیں
عجیب نہیں ہے کہ بچھڑے ہوئے سب آن ملیں

درِ قبول تک آخر پہنچ گئی فریاد — ہزار شکر ہوا ہم پہ مہرباں صیاد
خدا کے فضل سے ہم بلبلیں ہوئیں آزاد — وطن کی دھن میں کیوں گائیں اب مبارکباد

چمن عزیز چمن غیرتِ بہشت چمن
وطن عزیز وطن نعمتِ بہشت وطن

جو دور تجھ سے ہیں اور تجھ پہ ہیں نثار وطن — وہی اُمید و خوشی کے ہیں انتظار وطن
عزیز دل سے تجھے ہیں جو ہونہار وطن — وہ اک بار ملینگے چھٹے ہزار وطن

صبا قفس میں سُنا اُن کو جا کے خوش خبری
ہوں کاش جلد وہ آزاد پا کے خوش خبری

خزاں کے بعد بہارِ گل و چمن پھر ہو — ہزار داستاں گلشن میں نغمہ زن پھر ہو
شگفتہ پھول کے مانند انجمن پھر ہو — وہی نظارۂ نسرین و نسترن پھر ہو

چمن میں ہیں یہی دل کش ہزار کے نغمے
عجیب دیتے ہیں لطف انتظار کے نغمے

بنا کے زیبِ تن آزادیوں کا ہم جامہ — منائیں کانگرس اور باغ میں کریں جلسہ
یہ طرہ خود کہے صیاد ہے بجا شکوہ — صبا چمن میں سُنا دے بہار کا مژدہ

شریک کانگرس اب بلبلیں چمن کی ہوں
مموریل میں رقم شکلیں وطن کی ہوں

نفاق و بغض کو ہم سب سمجھ کے باعثِ شرم — دلوں سے دور کریں اختلافِ [illegible]
خروش اعتدالی سے ہوں گے شعلے سب سرگرم — مزاج سخت دلوں کا بھی [illegible]

جو عندلیب چمن کی سنیں خروش امانی

ہوا اب پنچھیوں کے لیے بھی نغمہ شاخوانی

ترقیات کے چمن سے نئے پھول اٹھیں — گلے میں ڈالوں کا ہار بنکے پھول اُٹھیں
چمن میں حسن [illegible] کے پھول اٹھیں — پکار دیں گی کہ [illegible] چمن کے پھول اُٹھیں

خلافت کا ہٹا دیں چمن سے اب پنڈال
رچائیں ایسا سودیشی میں سب پنڈال

ہم اپنی بیکسی سے [illegible] — جو [illegible] ہے ہمیں ہو حالت نیشن
ہمارے بھی ہوں [illegible] — قفس میں بند ہوں اُف پاکے ہم ایجوکیشن

خیال [illegible] کو بجرم [illegible] ہوا
تو ابتدا ہوئے کافور بھی خوبانہ ہوا

جو کانگرس میں [illegible] ہوا ہم — فروغ ماہ ہوں اور جام آفتاب ہوں ہم
مشغول [illegible] اضطراب ہوں ہم — یقیں ہے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں ہم

ہمارے دیس کے ہو جائیں [illegible] میں بھاگ اودے
چمن میں بلبلیں کہیں ہو کانگرس کی جے

گوہر

انوکھی شان پیدا کر نرالی شان پیدا کر — دلِ پر آرزو میں اور بھی ارمان پیدا کر
خدائی کوئی پہلے مجھ سا میری جان پیدا کر — پھر اُس کے دل میں اتنی حسرت ارمان پیدا کر
پریشانی کو دل سے کھو کے اطمینان پیدا کر — اگر کچھ کام کرنا ہے تجھے اوسان پیدا کر
عدو کی خصلتوں کا کوئی تو درمان پیدا کر — فریبی [illegible] ایمان پیدا کر
[illegible] سبق [illegible] بدخواہ دشمن تو — مزے کی کوئی حسرت لطف کا ارمان پیدا کر
جفائیں تیری سہتے ہیں عاشق جگر [illegible] — کوئی تو اس [illegible] تو احسان پیدا کر

قصۂ غم

نشہ کی کہانی - ایک بچہ کی زبانی

پنڈت پیارے صاحب فرزند ارجمند پنڈت برج موہن صاحب [illegible]

جالندھری نے ٹمپرنس سوسائٹی کے سولھویں سالانہ جلسہ پر ایک

مجمع عام میں پڑھی تھی جو بغرض اشاعت [illegible]

بہت مایوس ہوکر آج اس جلسہ میں آتا ہوں کہوں کس کو کہ مجکو غم کہاں تک ہے دردِ غم کو دل میں

چونکہ ہیں چند ہمدردانِ قوم اس مجلس میں آئے ہوئے تو میں سادہ دلی سے قصۂ غم کو سناتا ہوں

تمہیں سے ہے مجھے آس اسے ہمدردو دادرسی کی

جبھی جرأت ہوئی ہے آپکی خدمت میں آنیکی

سحر کو آج گھر سے سیر کی خاطر جو میں نکلا تو اک بازار میں چوپڑ کے جانا ہو گیا میرا

بہت سا جمگھٹا چاروں ہی سمتوں میں نظر آیا جدھر دیکھا ادھر ہی آدمی تھے اور غل بھی تھا

کوئی کچھ بات کہتا تھا کوئی کچھ راگ گاتا تھا

غرض ہر ایک وہ ہر پل اپنا اپنا ہی سناتا تھا

جو دیکھی کیفیت یہ میرے جی میں یہ بات آئی کہا اے دل ارے تماشا گاہِ دنیا کے تماشائی!!

مطالع کام تیرا سیکھنے کا ہے تو شیدائی ذرا تو دیکھ ہر سو جا کے ہیں کیا کیا یہاں بھائی

نظر آتے ہیں یاں بیٹھے ہوئے اچھے ہی سب انساں

نہیں مشکل اگر میں دردِ دل کہہ پا سکوں ارماں

یہ دل میں ٹھان کر میں اک طرف کی بزم میں آیا تو اک دربار عالیشان برپا دیکھنے [illegible]

کئے تھا سر پہ اک باناتی شگیرہ وہاں سایہ · بچھا تھا فرش قالینوں کا ساماں تھا گرانمایہ

کہیں ڈیمنک کی تھیں کرسیاں اور فرش مخمل کا

بڑی بھاری تھی تیاری نہ ساماں تھا کوئی ہلکا

کہیں تھا اطلسی کرسی پہ راجہ جلوہ گر کوئی · کہیں اک نرم صوفے پر پڑا تھا اینٹھ کر کوئی

کوئی نواب او سردار تھا اور تھا کنور کوئی · کوئی راجہ تھا ان میں اور رئیس نامور کوئی

رئیسوں کی سبھا وہ مجلس بارعب کیسی تھی

بڑی رونق نہایت شان و شوکت اس پہ طاری تھی

وہاں جو گفتگو تھی پولیٹکل اور سیاست کی · تھیں باتیں حکمت عملی کی اور ملکی حکومت کی

تمدن کے مسائل پر تھی بحثیں اس جماعت کی · تھیں تقریریں اس عب شہی جواب حکومت کی

بہت کچھ گفتگو تھی جاں نثاری یا وفائی کی

کہیں کوشش تھی کار او پبلک میں صفائی کی

ہوا جب مجکو یہ معلوم تو جی خوش ہوا میرا · لہٰذا دل سے مرے رنج و تفکر یاس کا ڈیرا

مجھے چاروں طرف سے خوش کن امیدوں نے آگھیرا · کہا دل نے یہ مجھ سے لے ہوا سب کام اب تیرا

بڑھا آگے ادب سے اور آداب اک بجا لایا

کڑا جی کر کے میں نے حال دل سب اُن کو بتلایا

کہا میں نے اے سردار ملک و سرور قومی · ہے میری دوست بستا آپکی خدمتیں اک بنتی

سو تم سارے حکومت کے مشیر با افسر کی · بڑا احسان ہو سن لو عرض گر تم ایک لڑکے کی

جناب آیا ہوں کس دل سے بیاں کیا تم کو بتلاؤں

سراپا درد ہوں دل کا تمہیں کیا حال بتلاؤں

مجھے آنے لگا تھا ہوش ابھی کچھ تھا مگر بچہ · مجھے ہے یاد باپا کا مرے تھا اک بڑا عہدہ

بہت عزت تھی اُن کی اور رتبہ اُنکا اچھا تھا · کچہری کو وہ جب جاتے تو ہر اک بندگی کرتا

بڑی تھی ساکھ باپ میرے کی بہت کچھ مال تھا گھر میں
لدی رہتی تھی میری ماں جواہر اور زیور میں

یکایک ہوگئی پاپا کو عادت بادہ خواری کی دھرم کو ہائے چھوڑا اور اُنہوں نے سنگ زنی کی
رہی دو اک برس جو لت انہیں یہ میگساری کی تو اس نے اس بھرے گھر کی صفائی ہائے ساری کی

امانت جن کی ہاتھوں میں تھی سرمایہ بھی تھا جن کا
رہا گھر میں نہ اُنکے ہائے! باقی اب بس اک تنکا

طبیعت ہوگئی پاپا کی جب صد درجہ متوالی تو وہ عہدہ بھی اُن سے چھن گیا جو حضرت عالی
بہت جلدی بھرا گھر ہوگیا وہ سر بسر خالی نہ کھانے کیلئے باقی رہی اب گھر میں اک تھالی

نشے میں اور بیکاری میں اُن کی یہ ہوئی نوبت
جو اک شب پی کے وہ سوئے تو اُٹھی صبح کو میت

بچے گھر میں یتیم اک بچہ میں اور میری بجڑ ماں نہ والی تھا کوئی میرا نہ اُسکا تھا خبر گیراں
یقیں ہے مجھکو مرجاتی کبھی کی میری کھیا ماں تھی میری پرورش مقصود اسے تھی مجھ پہ قرباں

بتاؤں کیا کہ کس مشکل سے ماں نے مجھ کو پالا ہے
رہی مٹی میں ملکر تیل آنکھوں کا نکالا ہے

مصیبت یہ کسی ماں پر نہ اے میرے خدا آئے بنا گھر یوں کسی کا بھی نہ بگڑے بیٹھے بٹھلائے
جو دس بھوکوں کو دیکر کھلائے سو ننگوں کو پہنائے زمانہ اب اُسے یوں کھانے اور کپڑے کو ترسائے

وہ جیتی تھی میری خاطر نہ تھا کچھ دھیان آپے کا
نہ دے یہ رب کسی کو بُرا ہے دکھ رنڈاپے کا

گھر اپنے تو تھا سب کچھ دیا اسکا گلہ کیا تھا کسی شے کی کمی گھر میں نہ کوئی شخص پلتا تھا
بھری جھولی تھا جاتا جو کہ خالی ہاتھ آتا تھا دیا ایشور کی تھی ہم پر نہ کچھ قسمت کا گھاٹا تھا

مگر کھو دی ہمارے گھر کی جڑ اس مے گساری نے

بنایا لاکھ کا گھر خاک ہے ہے بادہ خواری نے

نصیحت رات دن تھی یہ ہی مجکو میری ماما کی　　کہ لے بیٹا پڑیں گر آفتیں سب تجھپہ دنیا کی
تو اسکا کچھ نہیں ہے غم اگر رحمت ہو داتا کی　　کہ پاسکتا ہے لیکن کوئی پیشہ کی کرپا کی
مگر بیٹا نشوں سے تم نہ ہرگز پاس تک جانا
کبھی بہکاوے پر اپنے تم یہ دھبہ زر کو بیٹھانا

نصیحت یہ مری بیٹا اسنو اور اس کو تم مانو　　نشوں کے نقصان تفصیل اپنا فائدہ جانو
خرابی جتنے عالم میں ہیں بہت کچھ ان کو پہچانو　　جہاں تک ہو سکے تم سے نشوں کی خانہ تباہی
نکالو شہر سے ان کو منا دو ان کو دنیا سے
کرو ہمت تو سب مشکل ہو آساں اسکی کرپا سے

نشوں کی میں نے دیکھا چلن ہو تمہیں ... دکانیں ... کی ... تم ... سے ... سیکا
کہیں ... نہایت کی ... غرض ... شہر کو دیکھو نشوں میں ... دیا
... سردار ... تم ... لو
نشہ بکنے نہ پائے کوئی قانون ایسا تم ڈھالو

نہ ہو گو کاشت افیوں کی کہ اشیدہ کی ہو بندش　　نہ دیسی بکنے پائے مے نہ آئے بادۂ انگلش
کرو لے اب ... ذرا سی بھی جو تم کوشش　　تو بجھ جائے ابھی یہ نشوں کی بھڑکی ہی جو آتش
اگر تم لاٹ صاحب سے کہو گے زور سے جا کر
تو مسدودی کا نشوں کی پھرو گے ایکٹ بنوا کر

یہ سنکر عرض میری ایک اک تیوری پہ بل آیا　　ہر اک سردار کا چہرہ مری باتوں سے گرمایا
میں حیراں تھا کہ کس نے مزاج ان کا ہے بھڑکایا　　زباں پر تو مری کوئی نہ گستاخی کا لفظ آیا
کہا پھر یہ انہوں نے تو ہوا ہے پاگل اے لڑکے
تو سیکھ آیا ہے اسکول سے ان سے یا لڑکے

اے ناداں! یہ جلسہ نظامِ سلطنت کا ہے یہاں مضمون جو ہے وہ پولٹیکل مصلحت کا ہے
ہمارا کام شاہی باوفائی مشورت کا ہے مگر جلسہ یہ قایل تیری جرأت اور جلت کا ہے

ہمارا فرض اے لونڈے نہیں ہیں ایسی اصلاحیں
کسی کیواسطے کیوں کام میں اپنے خلل ڈالیں

نشوں کو ہم چھوڑ دیں کیوں سن ذرا اے طفلکِ نادان رہے پھر کس جگہ وسکی برانڈی بیر کی دکاں
نہ ہوگا اس سے کیا محصول کا سرکار کے نقصاں مشیر باوفا کشتیء شاہی کے ہیں پشتیباں

بس اب یاں سے ہٹو اے لڑکے اور اسکول کو جاؤ
نہ وقت اپنا گنواؤ اور ہمارے کان مت کھاؤ

ملا جو یہ جوابِ خشک ایسی بزم عالی سے بہت صدمہ ہوا دل کو میرے آشفتہ حالی سے
نہ پایا ایک بھی ذرہ امید اُس بحرِ خالی سے پھرا اپنا سا منہ لیکر میں اس بزمِ خیالی سے

پلٹ کر میں اُدھر سے دوسری جانب کو اب آیا
اِدھر بھی منعقد اِک جلسۂ ذی حیثیت پایا

سنا تو ہو رہی تھی گفتگو یاں ایجی ٹیشن کی کہیں سینڈ ایلی نیشن کی کہیں کالونی زیشن کی
کہیں قسمت تھی زیرِ بحث ہندوستاں کی نیشن کی کہیں تقلین بھیجی جاتی عرضیاں خصت پنشن کی

کوئی کہتا تھا ہو منسوخ جو اسلحہ کا قانون ہے
کوئی کہتا دامی بندوبست آج اپنا مضمون ہے

ذرا چپ ہوگئے وہ تو ادب سے میں بڑھا آگے جو کہنا آیا تھا بزمِ اولیں میں وہ کہا اُن سے
مگر ناکام ہی رکھنا تھا مجھ کو میری قسمت نے رہے محروم مرہم سے یہاں بھی زخم اس دل کے

کہا یہ میرِ مجلس نے ارے تو طفلِ مکتب ہے
ہمارے مقصد و اغراض کی تجھ کو خبر کب ہے

حقوقِ پولیٹیکل ہم تو حاکم کو جتاتے ہیں حکومت میں حصہ اور نفع ہیں وہ دکھاتے ہیں

قوانین اور آئین جو خلافِ ملک پاتے ہیں نظر میں عام اور سرکار کی ہم اُن کو لاتے ہیں

سدھر جائے گی جب حیثیت پولیٹیکل اپنی

تو مٹ جائیں گی ہیں اس ملک میں باتیں بُری جتنی

چلا میں تیسری جانب جواب صاف یہ پاکر تو دیکھا منیوں تپوں کا ہے اک عارضی مندر

بڑے پنڈت وہاں ہیں جمع اور جوگی بھی ہیں اکثر نہ کُرسی ہے وہاں کوئی نہ ہے کچھ فرش دھرتی پر

کہیں آسن کُشا کا تھا کہیں پر مرگ چھالا تھا

غرض اُن دونوں جلسوں سے یہ جلسہ کچھ نرالا تھا

کہیں ہوتا نرا کار اور کہیں ساکار کا چرچا کہیں تھا آتما اور جیو میں ایشور کا جھگڑا

کہیں تھا سدھیوں کا اور کہیں تھا ذکر ردھی کا اَہم برہم اسمی اور تتوم اسی کا ذکر ہوتا تھا

کوئی شرتی سمرتی کی سند لاتا وہاں کوئی

کوئی درشن تو کرتا تھا اُپنشد کا بیاں کوئی

سکھا اپنی شناسائی اِن کو بھی پرنام کر مینے نشوں کی اُن سے نالش کی جو کی تھی پیشتر مینے

سنایا قصہ بربادیئے مے سربسر مینے دکھائے ہو رہے ہیں جو نشوں سے ضرر مینے

یہ سب کچھ سُن کے اُن رشیوں نے لیکن مجھ سے فرمایا

کہ ہم ہیں دین کے حامی ہمیں دُنیا سے مطلب کیا

ارے مورکھ یہاں دُنیا کے دھندے چھوڑ بیٹھے ہیں پرم برہم ایشور سے اپنے دل کو جوڑ بیٹھے ہیں

تعلق ہم تو اس سنسار سے سب توڑ بیٹھے ہیں مُنہ اِس متھیا جگت سے ہم تو کب کا موڑ بیٹھے ہیں

کہانی کیا سناتا ہے ہمیں تو مے کی افیوں کی

نہیں بھاتی ہمیں یہ داستان لیلیٰ و مجنوں کی

جو یہ سوکھا جواب ایسے مہا پُرشوں سے ہاتھ آیا تو مینے ہو کے مایوس اس طرف سے اپنا رُخ پھیرا

ابھی اک اور جلسہ دیکھنا چوتھا میں باقی تھا کہ دل نے یہ کہا یوں ہی تو زم اب بھی ہے جلنا

لی میں نے راہ اِس رفتار سے اُس جو تھی محفل کی
کہ جیسے چلتی ہے کُرک کے سانس اک نیم بسمل کی

گیا میں جو تھے جلسے میں تو حالت اور ہی دیکھی
یہاں جو تھے انھیں تعلیم قومی کی تھی ہمدردی

کوئی فقرا اُن میں ارا علم قومی کا بدل جائی
کہیں ٹیکنیکل تعلیم کی ... تھی

کہ ... تھارے کورے ... میں تم
کہ آزادی و خود مختاری ... ہے گم

جو ایسا اُن سے بھی جو بیٹھے تھا اطمینان کا پایا
... آپسے میں پاس سوچی میرا گھبرایا

ہجوم غم سے تھا سادہ دل بیکہ بھر آیا
یہاں جلسہ سناتو یاں بھی ... فریاد کو آیا

سنا ہے آپکا ... نشوں کو فنا کرنا
اِس آپ آئیں ... ہستی کو صفا کرنا

یقیں ہے آپسے تو دادا اپنے غم کی پاؤں میں
رکھو گے اُس پہ مرہم جو زخم دل کو لگا ہیا

نشوں نے جو خرابی کی اُسے کیونکر بتاؤں میں
نہ روؤں تم سے یہ ... پاؤں میں

نہیں کی اس نے بربادی فقط میرے گھرانے کی
بزرگو! ہے نشوں سے حالت ابتر اک زمانے کی

تمیز گریۂ معشوق و عاشق چشم تر یوں ہو
کہیں موتی لڑھکتے ہوں کہیں طوفان پیدا کر

عدو کو چاہتا ہے تو یہ میرے منہ سے نکلے گا
کوئی بہتان گھڑ مجھ پر کوئی طوفان پیدا کر

تمیز نیک و بد کیونکر ہو کیا ہو اوبت کمسن
ابھی کچھ ہوش آنے دے ابھی اوسان پیدا کر

نگہ کو حکم دے چل پھر کے بازار محبت میں
جہاں جنس وفا بکتی ہو وہ دکان پیدا کر

دکھا کر جلوۂ رخسار پھر کہدے دلِ عاشق
بہت سی آرزو میں حسرتیں ارمان پیدا کر

نگہبانی کو میرے دیدۂ بیدار ہی رکھ لے
نہیں تو اِس طرح کے ایک دو دربان پیدا کر

لندن کی ہوا

تمہید

منوہر کے چچا بچارے سیدھے سادھے اولڈ فیشن کے آدمی شاہی زمانہ دیکھے غدر کی گولیوں کی آواز اب تک اِن کے کان میں گونجتی ہے۔ ذرا کہیں دنگا فساد یا ڈر بھیں کا شبہ ہوتا ہے۔ بچارے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ ہروقت یہی دعا کرتے ہیں۔ کہ یہ چند روزہ زندگی عزت آبرو سے گذر جائے۔ اِسی لئے کبھی جلسوں میں نہیں جاتے۔ گورے رنگ والوں کا رتبہ اِن کے نزدیک خدا کے برابر ہے۔ شام کو جب کبھی گاڑی میں سیر کرنے کو نکلتے ہیں تو سائیس کو برابر یہی تاکید ہوتی ہے۔ کہ صاحب لوگوں کی گاڑیوں سے بچائے رکھنا۔ جہاں سامنے سے کسی صاحب کی گاڑی آئی۔ اور اِن کی روح فنا ہوئی۔ سائیس سے کہا اسے فوراً ایک طرف کر دبائے رکھنا۔ چلانا شروع کیا۔ گاڑی پاس سے ہو کر گذری اور انہوں نے جھک کر سلام کیا۔ جان نہ پہچان وہ بھلا کیوں خاطر میں لانے لگے بڑی مہربانی ہوئی تو سر ہلا دیا اور اِن کی باچھیں کھل گئیں۔ خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ ساہوکارے کی کوٹھیاں سب بڑے بڑے شہروں میں ہیں ہزاروں روپیہ کی آمدنی ہے۔ عمر بھر میں لے دیکے ایک بھتیجہ ہے۔ بھائی تو غدر کی نذر ہو گئے۔ اِن کی نشانی کو سینے سے لگائے جیتے ہیں +

منوہر ایک تو شروع ہی سے چنچل تھا۔ اِس پر لندن کی آب و ہوا نے اثر کیا تو قیامت بن گئے۔ سنا ہے وہ کبھی کسی کی دبی بات نہ سنی جو جی میں آیا سو کیا۔ بھلا ایسی طبیعت پر جب آزادی کا رنگ چڑھے تو وہ کیا کچھ نہ ہو گی ؟

منوہر کے چچا تو ولایت کب بھیجنے والے تھے۔ وہ تو منوہر نے ہی نیل مچایا۔ اور ڈوب مرنے کی دھمکی دی۔ کھانا پینا حرام کر دیا۔ ڈرے کہ لڑکا ہے ضدی کہیں جان پر نہ کھیل جائے۔ ولایت بھیجدیا۔ اگر وہ جانتے کہ ولایت کی آزادی کی آب و ہوا منوہر کو ایسا نٹ کھٹ بنا دیگی کہ کلکٹر صاحب کو بھی دھیان میں نہ لائے اور صاحب لوگوں کو سلام نہ کرے تو یقین ہے منشی جی منوہر کو ولایت بھیجنے کی کبھی غلطی نہ کرتے وہ تو اسے ویسا ہی بھولا سمجھتے تھے جیسے گاڑی میں بیٹھا ان کا ہاتھ اُٹھتے ہی اپنا ہاتھ بھی سلام کو اُٹھا دیا کرتا تھا۔ اور صاحب کی صورت دیکھکر سہم جاتا تھا +

ولایت کیا بھیجا ایک مصیبت مول لے لی۔ بچارے کلیجہ پکڑے پھرتے ہیں۔ آزادی کی ترنگ میں خدا جانے کیا واہی تباہی بک دیگا۔ بادشاہ رعیت کا مقابلہ کیا؟ اور کہیں لینے کے دینے پڑیں +

منوہر ذہین لڑکا آٹھ سال ولایت رہا۔ تمام یورپ کی سیر کی۔ رات دن آزادی کے چرچے سنے۔ انگریزوں میں بے تکلفی کی ملاقاتیں کیں اخبار پڑھے جلسے دیکھے۔ انگریزی تہذیب کا ایک ایک نقطہ سیکھا۔ وہ بھلا اس زمانہ میں تیرا ہمان۔ خواہ مخواہ کسی کو کیوں سلام کرنے لگا۔ بوڑھے چچا بھی سچے اُنھوں نے جو زمانہ دیکھا تھا اُس زمانہ میں صاحب بڑی چیز تھی۔ وقت نکل گیا اب تو منوہر ہاتھوں سے نکل گئے۔ اب پچھتائے ہوت کیا جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت +

باغیچہ

منشی جی۔ منوہر کے چچا!

ہمایوں مرزا۔ ان کے پرانے دوست!

(۱)

ہمایوں مرزا۔ آداب عرض منشی صاحب۔ کہئے مزاج تو اچھا ہے +

منشی جی۔ بندگی۔ شکر ہے اچھا ہوں۔ زندگی کے دن پورے کرتا ہوں۔

ہمایوں مرزا۔ کیوں کیوں۔ خدانخواستہ آپ اس قدر ہراساں کیوں ہیں۔

منشی جی۔ کیا کہوں اس لڑکے منوہر نے ہمارا ناک میں دم کر دیا۔ ولایت کیا بھیجا گھر برباد کر لیا۔ چنگا بھلا شیشم کے کٹڑے میں مکان تھا۔ آپ لوگوں سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ دو گھڑی رادھا حلوائی کی دوکان پر جا بیٹھتے تھے۔ ہمارے صاحب کیا آئے شہر بدر ہی کر دیا۔ اب یہاں اتنی دور شہر سے باہر پڑے ہیں۔ بچہ تک کی آواز نہیں آتی۔ البتہ کبھی کبھی کوٹھیوں میں کتے بھونکتے سنائی دیتے ہیں نہ ہم میں اتنی ہمت کہ گاڑی کسوائیں اور شہر جائیں۔ نہ تم میں اتنی مروت کہ گھڑی دو گھڑی کو ادھر ہی نکل آیا کرو۔ اچھا بہت گئی تھوڑی رہی۔ یہ بھی اس اُجاڑ میں کٹ جائے گی۔ خوش رہیں ہمارا کیا ہے۔

ہمایوں مرزا۔ بھئی ہم سے تو تمہاری بیجا شکایت ہے۔ ہم تو کبھی کبھار یہاں تک پہنچ بھی جاتے ہیں۔ البتہ تم شہر کی طرف کبھی رُخ نہیں کرتے۔ ایسا بھی کیا ہے کبھی آٹھویں ساتویں نکل آیا کرو۔ باہر تو اچھی ہوا کے لئے آکر رہا ہے نا۔

منشی جی۔ مرزا جی تمہاری بھی بڑھاپے میں عقل بولا گئی ہے۔ بھلا پہلے جو محلوں میں رہتے تھے۔ ان سے کوٹھی میں رہنے والوں کی صحت اچھی ہے۔ اور بھی تو لڑکے ہیں پڑھے بھی لکھے بھی۔ مگر جتنا دماغ ہمارے منوہر کا بگڑا ہے۔ کسی کا نہ ہوگا۔

ہمایوں مرزا۔ ذرا بلوایئے تو سہی ہم بھی ذرا ملاقات کریں۔ میں تو جب سے ولایت سے آئے ہیں ملا ہی نہیں اُس دن اسٹیشن پر ریل سے اترتے دیکھا تھا۔ جب تو کرشٹانوں کی سی وضع بنا رکھی تھی اب تو بھلے آدمیوں کی سی ہوگی۔

منشی جی۔ اجی توبہ کرو۔ بلانے کی بھی ایک ہی کہی منوہر اب وہ منوہر نہیں ہے

کہ مرزا جی کو چچا ابا کہیں اور آواز سنیں تو اندر سے ہی غل مچاتے دوڑے آئیں اب تو اطلاع کرائیے۔ اگر ان کا مزاج چاہے۔ تو گھڑی دو گھڑی بات کریں نہیں پھر تشریف لائیے۔

ہمایوں مرزا۔ ارے۔ تو کیا ہم سے بھی ؟

مرزا جی ابھی بات ختم بھی نہ کرتے پائے تھے۔ کہ منوہر منہ میں سگار لگائے عینک چڑھائے۔ پتلون میں ہاتھ دیئے برآمدے میں آکھڑے ہوئے ایک ہاتھ میں اخبار تھا اور اسے پڑھکر وجد میں آرہے تھے +

ہمایوں مرزا۔ تنے کیوں بھئی ولایت کیا گئے اصر بیبا سلامت کے بھی روادار نہیں۔

منوہر۔ (نظر اٹھا کر) آئیے مرزا صاحب کہئے مزاج تو اچھا ہے۔ معاف کیجئے گا میں نے دیکھا نہیں۔

ہمایوں مرزا۔ شکر ہے۔ اب تو دیکھ لیا۔

منوہر۔ کہئے صاحبزادہ کو ولایت کب بھیجئے گا۔

منشی جی۔ (دبی آواز سے) بخشئے۔ ہم نے آپ کی ولایت سے توبہ کی۔

ہمایوں مرزا۔ تم جو ہو آئے۔ سب کے سب ولایت تھوڑا ہی جایا کرتے ہیں۔

منوہر۔ ہاں سب کو ہی جانا چاہئے۔ کم از کم وہ لوگ جو صاحب مقدور ہیں تو ضرور جائیں۔ تاکہ واپس آکر اپنے ملک ہندوستان کی حالت سنوار سکیں۔ آپ کسی دن تشریف لائے گا۔ میں اس معاملہ میں آپ سے بحث کرونگا۔

ہمایوں مرزا۔ میں ابھی حاضر ہوں۔ ادھر تشریف لے آئیے۔

منوہر۔ مجھے اس وقت فرصت نہیں۔ بہت سے اخبار پڑھنے کو ہیں۔ پھر کبھی تشریف لائیں۔ تو عرض کروں۔ اداب عرض (منوہر اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے)۔

منشی جی۔ دیکھا آپ نے ہندوستان کو سنوارنے کا جنون سوار ہے۔ کوئی ان سے

پوچھے۔ کہ اب ہندوستان میں کیا جوش ملا ہے۔ اور پھر بچارے ایک پیٹی توسنوارنے والے رہگئے ہیں۔ میں ان ہی باتوں سے ڈرتا ہوں۔ کل پرسوں سے دو ایک وکیل آرہے ہیں۔ اور ایک لکچر کی تجویز ہے۔ میری تو روح کانپتی ہے۔ کلیجہ بلیوں اچھلتا ہے۔ زمانہ نازک ہے۔ کہیں اِس بڑھاپے میں مٹی خراب نہ ہو۔

ہمایوں مرزا۔ منشی جی آپ بھی ناحق گھبراتے ہیں۔ جلسے میں جانے سے کیا ہوتا ہے۔

منشی جی۔ مرزا جی تمہیں خبر نہیں۔ یہ کوتاہ اندیش سرکار کے خلاف طوفان باندھتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمیں صاحب لوگوں کے برابر درجہ ملنا چاہئے نہیں تو ہم لکچر دیں گے۔ تمہارا ناک میں دم کریں گے۔ ولایتی چیزیں نہ خریدیں گے۔ بھلا سوچو تو سہی۔ کہیں بادشاہ اور رعیت کا بھی مقابلہ ہوا ہے۔

ہمایوں مرزا۔ ہیں۔ یہ باتیں۔ یہ پڑھکر لکھکر کیا سوجھی۔ سنا نہیں۔ ؎

خلافِ رائے سلطاں رائے جستن
بخونِ خویش باید دست شستن

منشی جی۔ بھئی اپنی اپنی قسمت ہے۔ ؎

بلبل کو دیا رونا تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

میں تو وہ گھڑی نہیں پاتا۔ جب میں نے ولایت بھیجنا منظور کیا۔ مجھے کیا خبر تھی۔ کہ لڑکا یوں ہاتھ سے نکل جائیگا۔ بھائی کی روح مجھے کوستی ہوگی اصل پوچھو تو میں اس معاملہ میں بالکل بے گناہ ہوں۔ تم ہی کہو۔ کہ

میں نے کس مجبوری میں اسے ولایت بھیجنا منظور کیا ہے۔

ہمایوں مرزا ۔ اچھا خدا اسے نیکی دے۔ خود سمجھ جائے گا۔ جہاں تک بنے سمجھاتے رہو۔ لو اب اجازت۔ چلتا ہوں۔

منشی جی ۔ اچھا بندگی۔ ملتے رہا کیجئے۔ زندگی کا اعتبار نہیں۔ چل چلاؤ لگ رہا ہے۔ جو دم مل بیٹھنے غنیمت ہے۔

ہمایوں مرزا ۔ زندگی دوبھر ہوئی تو نہیں، ہاں آؤں گا دل میں، ضرور آؤں گا۔ مجھے تمہارا دُکھ جھانکتا ہے۔ باغی لوگوں کے گھر آنے میں بھی بغاوت میں گر دانا جاتا ہے۔ وہ تو خیر ہوئی میں حمید کو ساتھ نہیں لایا کہیں اسے پتلون کوٹ دیکھ۔ یہاں کا ہی چسکا پڑ جاتا۔ اور مفت میں باغیوں میں دھرا جاتا۔

بازار

مرزا جی کی اپنے ہمخیال سے ملاقات +

(۲)

اجی میر صاحب آئیے۔ ابے روک لے۔ ابے روک لے۔ حسینی روک لے +

میر صاحب ۔ کہئے کہاں سے سواری آئی۔

مرزا جی ۔ کہیں نہیں ذری منشی جی کی طرف گیا تھا وہ تو یوں کہو بڑی خیر ہو گئی۔

میر صاحب ۔ کیوں کیوں کیا ہوا۔

مرزا جی ۔ ارے میاں کان میں سنو۔ میری تو روح اب تک کانپ رہی ہے۔ توبہ توبہ (میر صاحب کے کان میں) منشی جی کا بھتیجا باغی ہو گیا۔

میر صاحب - ہیں؟

مرزا جی - (نہایت دھیمی آواز سے کان میں) اجی انگریزوں کو برا لگا لباس دیتا ہے کلکٹر تک کو تو دھیان میں لاتا ہی نہیں -

میر صاحب - اس لڑکے نے بھی کیا رنگت پلٹی ہے - قسمت - بچارے منشی جی کی کیسے بھلے آدمی ہیں - اولاد کی طرف سے یوں بے خبر رہتے تھے - دیکھیے ایک بچہ تھا جس سے ذرا کلیجہ ٹھنڈا تھا اس نے یہ گل کھلائے خدا بچارے پر رحم کرے -

مرزا جی - اجی اس کا تو ولایت بھیجنا ہی درست نہ تھا - یہ سارے نتیجے اس ایک غلطی کے ہیں -

میر صاحب - ہم نے تو جب ہی کہہ دیا تھا - منشی جی نہ مانے اب اپنے کیے پر پچھتاتے ہوں گے -

میر صاحب ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ مرزا صاحب کی نظر ایک شخص پر پڑی جو دوکان پر کھڑا سودا لے رہا تھا اور حساب اپنی پاکٹ بک میں درج کرتا جاتا تھا - دیکھتے ہی رنگ فق ہو گیا - سانس پھول گیا - گھبراہٹ کے مارے آواز بند ہو گئی - میر صاحب غضب غضب وہ سامنے خفیہ پولیس کا آدمی ہماری باتیں لکھ رہا ہے - میر صاحب نے جو مڑ کر دیکھا گھبرا گئے - چکر آ گیا - آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا - بصد خرابی اسی گاڑی میں سوار ہوئے - کوچوان نے ہنٹر دیا اور گھوڑا بھاگا - میر صاحب اور مرزا صاحب نے گھر جا کر ہی دم لیا - خدا ان کی حالت پر رحم کرے ورنہ خوف کا صدمہ تو سخت ہوا ہے +

منوہر کا بنگلہ

آخر اس میں ڈر ہی کیا ہے -

(۲)

منوہر - اگر تم میرے ساتھ ہوا خوری کو چلا کرو تو بھلا اس میں کونسا عیب ہے - ناکہ کوٹھی

کی ہوا اچھی ہے۔ تم تم تو چار دیواری سے باہر نکلتی ہی نہیں۔

بیوی۔ تمہاری عقل کو تو والا ست ہار کیا جانے کیا ہوگیا ہے۔ [illegible]

میں تو مر جاؤں گی گھر سے باہر [illegible]

ہیں [illegible]

[illegible]

منوہر۔ اس کے جواب [illegible]

ہندی کے [illegible]

خیال ہے [illegible]

کر تم [illegible] اور [illegible]

تمہارے نزدیک تہذیب ترقی کی جتنی باتیں ہیں وہ سب گناہ ہیں۔

بیوی۔ اوہو تو میں بیوقوف ہوں کہ مجھے پڑھنے لکھنے اور سیاہی کی کبھی تمیز نہیں۔ نہ

چلو بس رہنے دو۔ میری زبان نہ کھلواؤ۔ کھلے منہ گاڑی میں بیٹھ کر سیر کرنے ہی میں تہذیب

دھری ہے۔ یہ ترقی دیکھئے کیا کیا دن دکھاتی ہے۔

منوہر۔ آہا تم پر بھی چچا کی باتوں نے اثر کیا۔ تمہارے نزدیک بھی جو کچھ میں اپنی بساط

کے موافق ملک کے لئے کر رہا ہوں مجھے نہ کرنا چاہئے۔ تم لوگ کتنے سادہ لوح

ہو کہ کسی معاملے کو سوچے بغیر ہی اپنی رائے دیتے ہو میں سمجھ کے پھر سوال ہے کیا کیا

بیوی۔ مجھے معاف کرو۔ بھولی منہ سے نکل گئی۔ پہلے چھیڑ تو خود نکالتے ہو جب

کوئی جواب دے تو چڑ جاتے ہو۔

منوہر۔ اجی ہمیں کیا۔ ہم نے اپنا فرض سمجھ کر کہدیا۔ ہماری طرف سے ساری عمر قید میں

گذارو۔ اپنا کیا بگڑتا ہے جب کسی کا قید میں رہنے کو جی چاہے تو کوئی کیا کرے

ہم تو یہی کہیں گے کہ قید سے نکلنے کی کوشش کرو اور جان بوجھ کر قید میں نہ پڑو۔

بیوی۔ جسے تم قید سمجھتے ہو وہ ہمارے لئے جوہر شرافت ہے اور میں جب تک جان
میں جان ہے اس سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتی۔

منوہر۔ اچھا تو یہاں بنگلہ ہی میں ٹینس کا انتظام کرا دیں۔ میرے دوستوں کی بیویاں
اور لڑکیاں آجایا کریں گی دو گھڑی ورزش ہو جائیگی۔

بیوی۔ بس بس رہنے دو مجھے معاف کرو ایسی تمہاری ورزش اور زندگی مجھے پہلوان بننا ہے کیا

منوہر۔ تمہاری عقل ٹھکانے ہے۔ جو ورزش کرتے ہیں وہ پہلوان ہی ہونے ہیں کیا؟ ورزش تو
صحت درست رکھنے کیلئے ہے ہماری عورتیں تب ہی تو سدا دن بیمار رہتی ہیں غریب
عورتیں تو بچاری گھر کا کام کاج کرتی ہیں ... چکی پیستی ہیں ... بس پلنگ پر بیٹھنا حرام۔

بیوی۔ چلو بس رہنے دو میرا منہ نہ کھلواؤ جتنی نقل کرتے ہو وہ تو گھر کا بڑا کام کرتی ہیں نا
او ہو آج تم ولایت ہو آئے۔ ہم نکمے ہو گئے۔

منوہر۔ تمہارا مزاج تو چڑچڑا ہو رہا ہے۔ کہو کچھ سمجھتی ہو کچھ وہ کام نہیں کرتیں تو
ورزش تو کرتی ہیں۔

بیوی۔ تمہاری عقل کو نہ معلوم جانے کیا ہو گیا۔ شرم ہی نہیں ہے جو ورزش کی صلاح دے رہے ہو

منوہر۔ اچھا سب باتوں کو جانے دو مس ایڈنا پاس کے بنگلے میں رہتی ہیں کبھی ان کے
... جایا کرو ... تمہارا ... رفتہ رفتہ تم خود ان باتوں کو
... ؟

بیوی۔ ... مس ایڈنا۔ مجھے جب ... سے ملنے کی سمجھ آ گئی اس سے
پہلے ... اچھا ... بدلحاظوں سے میری بیزاری نہیں ملتی۔

منوہر۔ ... گالیاں ... بیچاری
نے تمہارا ... تم لوگ تہذیب کو ...

... چارپائی ... دیکھا نہیں

تہذیب والیوں کو۔

منوہر۔ آخر اس نے تمہارا بگاڑا کیا تھا۔

بیوی۔ دیکھا برابر وہی خیال ہے میرا تو کبھی آتا ورنہ آیا جب کہا بدتہذیب ہی کہا۔

منوہر۔ (گھڑی دیکھ کر) اوہو چار بج گئے۔ ۴ بجے مجھے کچہری میں پہنچنا ہے۔ تمہارا تو یہی قصہ چھڑا ہے۔

بازار

پچھمن۔ مسٹر منوہر کا قدیمی نوکر۔

حسینی۔ مرزا صاحب کا سائیس۔

(۴)

پچھمن تھا تو گنوار لیکن بہت دلی میں رہا تھا۔ پڑھے لکھوں میں پڑا ہُوا۔ اگرچہ شین۔ قاف درست نہ تھا مگر دلی والوں کی سی بولی تھی ۔

حسینی۔ ہاں ہاں۔ بڑے اینٹھتے ہوئے چلے جا رہے ہو۔

پچھمن۔ کون ہے حسینی۔ آہا۔ ابے ہم بھی کیا کوئی مرزا جی کے نوکر ہیں؟ جو فیسوں کی چال چلیں ہمارے صاحب تو ایک ہی انگلی دکھا دیں تو تمہارے چچا جوں کی کھال اُدھیڑ دیں۔

حسینی۔ ابے یار بس بیٹھا بھی رہ۔ بڑے آئے وہ صاحب نیکے۔ ساری دنیا تھڑی تھڑی کر رہی ہے۔ انگریز کا لنڈا۔ گوریوں کا کھلایا۔ مرزا جی سے کہتا ہے فرصت نہیں کل آنا۔ چھٹی پڑی ہے عقل پر۔

پچھمن۔ حسینی یار۔ ہے تو بڑا ذلیل۔ ابے ان منوہر کے ہاتھوں تو نے کیا کچھ نہیں کمایا۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو اب بھی ایک آدھ کپڑا انہی "ہاتھوں" کا ہوگا۔ ابے جس کا کھانا اُسے ہی گالیاں سنانا یہ کون ایمان ہے۔

حسینی۔ بیٹے ابھی یونہی کے پھیرے میں نہیں آئے جس دن صاحب کی ایک ٹھوکر لگی ساری

خیر خواہی ناک کے رستے نکل جائے گی۔ ابھی ولاتی ٹھوکر کا مزہ نہیں چکھا۔

چھمن۔ تو تو ہے خبطی۔ ولایتی باہر بیٹھے بٹھائے سر چڑھا ہے جو ٹھوکر دیں۔ بھائی جان جس دن سے لات صاحب آیا ہے یہ دیکھ لو کہ ہم لوگوں کے دن بدل گئے۔ دو تو نوکر بڑھ گئے ہیں۔ مالی بہشتی۔ خانساماں۔ چوکیدار رہے الگ۔ بڑے لالہ کا تو بس پسینہ نکلتے دم نکلتا تھا۔ اس نے آتے ہی وہاں بنوا دیں۔ جاڑے میں بھڑکے رہتے ہیں۔ اور میرا تو کام بس یہ رہ گیا ہے۔ جرا میج ویج جھاڑ دی۔ اخبار اکٹھے کر کے رکھ دیئے۔ اور باہر دروازے پر بیٹھے رہے۔

حسینی۔ ہاں بھئی تب ہی تم بہت بڑھ بڑھ کر بول رہے ہو۔ چچا تو جھینک ہی رہا ہے مزاجی کتنے نخے کہ بچارے پر ترس آتا ہے۔ بڑھاپے میں مٹی پلیت ہے۔ تمہاری بلا سے تم تو تر نوالے چکھتے ہو۔

چھمن۔ یہ تو ہے اپنی اپنی قسمت۔ بھئی جس کا کھائیے اُسکا گائیے۔ پرسوں جلسے میں ساتھ لے گئے تھے۔ جھٹ ایک روپیہ انعام کا دلوا دیا۔ بھلا لالہ جی کے وختوں میں یہ باتیں کہاں تھیں۔ اور بھائی حسینی تم تو کبھی سلام کو بھی نہیں آتے۔ تم سے کچھ چھپا نہیں تھوڑی بیتے۔ کچھ دیتے ہی۔

حسینی۔ یار میں کیا اور میری چکیلت کیا۔ وہ امیر کار بچہ اللہ نے او پرتے ر سکو مرتبہ دیا ہے۔ مجھے کب دھیان میں لاتا ہے۔ کئی دفعے جی میں آئی۔ مگر پھر یہی سوچ کے چپکا ہو رہا۔ کہاں جاؤں امیروں کے نیچے طوطے کی سی آنکھیں بدل لیتے ہیں۔

چھمن۔ کبھی آؤ تو ٹھاٹھ دیکھو۔

حسینی۔ اچھا دیکھو آؤں گا۔ عید آئی ہے کچھ دیویں تو وخت نکل جائے۔

چھمن۔ آنا مگر پہلے میرے پاس کہیں سیدھے اندر چلے جاؤ۔ تو سچ مچ بگڑ جاتے ہیں وکے پاس تو کلکٹر صاب بھی بغیر کھبر کیئے نہیں جاتے۔ اور دروازے پر تقیہ

تک کے جانیکا حکم نہیں۔

حسینی۔ چدی میں جو اِس دن مرزا جی کے ساتھ گیا تو تو تھا نہیں میں ورنہ ایسے پھوٹری دیر دیکھا کیا۔ اتنے میں گھنٹی بجی میں گھبرایا کہ یہ کیا بلا نازل ہوئی بھاگا۔

مسٹر منوہر کا لیکچر

تہذیب آباد خاصا بڑا شہر تھا۔ ویسے تو کچھ زیادہ رونق نہ تھی مگر طالبعلموں کی کثرت۔ کالجوں کی زیادتی۔ اور نئی روشنی کے نوجوانوں کی ایک معقول تعداد ہونے کے باعث ترقی یافتہ شہروں میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ کوئی تحریک ایسی نہ تھی جس کی تائید میں یہاں جلسے نہ کئے جائیں۔ اور جس کے شیدائی یہاں نہ نکلیں۔ مسٹر منوہر نے اسے اور بھی مشہور کر دیا تھا۔ اور جب کبھی مسٹر منوہر کے لکچر کی خبر آس پاس کے شہروں میں پہنچ جاتی تھی۔ لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ ہندوستانی تو ہندوستانی انگریز تک اس کا لکچر سننے آتے۔ اور اس کی انگریزی قابلیت پر عش عش کرتے تھے۔ کامل دو ڈھائی گھنٹے بلا تکان بولنا اس کے لئے معمولی بات تھی +

آج "حب الوطنی" پر لکچر تھا۔ سینکڑوں آدمی ہمہ تن گوش بنے سُن رہے تھے۔ مسٹر منوہر نے ایک دلچسپ تمہید کے ساتھ لکچر شروع کیا :۔

"وہ ملک کتنا گرا ہوا ہے جس میں یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ حب الوطنی انسانیت کی شرط ہے میرے عزیزو۔ بزرگو اور بھائیو۔ دنیا میں کونسی ایسی مخلوق ہے۔ جسے خود سے محبت نہیں۔ جو بھلے اور بُرے میں تمیز نہیں کر سکتی۔ جس چیز کو آپ اپنا کہتے ہیں۔ ذرا سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہئے۔ کیا آپ اس سے محبت نہیں کرتے اور اس کی حفاظت کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ ملک اور وہ قوم جس کے افراد اپنے ملک اور اپنی قوم کے متعلق اپنا فرض نہیں سمجھتے۔ تہذیب کو سوں دور ہے

پیارے ہندوستانیوں۔ زندہ دل ہندوستانیوں۔ تمہارے باپ دادا تہذیب کے سرچشمہ تھے۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو۔ کہ تم ان رشیوں کی اولاد ہوتے ہوئے انکی فضیلت پر فخر کرتے ہوئے مہذب قوم نہ کہلاؤ۔ میں سمجھتا ہوں۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا۔ جو اس بےعزتی کے لئے تیار ہو۔ پیارے ہموطنوں اگر تم میں ہمت ہے۔ اور تم اِس بےعزتی کو گوارا نہیں کر سکتے تو کچھ کرکے دکھاؤ زبانی باتوں سے کام نہیں چلتا۔ تمہاری فضیلت کا باعث تمہارا جوہرِ کمال تھا۔ دیکھو وہ کمال ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ کہ انگریزی چیزوں کی چمکیلی اور عارضی بھڑک پر نہ جاؤ۔ بلکہ اپنے ملک کی صنعت کی قدر کرو اپنے باکمالوں کی حوصلہ افزائی کرو۔ تعصباً نہیں تھا کہ بھی غیر ممالک کی صنعتوں کو ترجیح نہ دو۔ دا اِیمن میں کوئی شخص غیر ملک کی چیز نہیں خریدتا جب تک ایسا کرنے کے لئے مجبور نہ ہو۔ یہی ہماری ترقی کا ذریعہ ہے۔ اور یہی تمہارے لئے راہ نجات ہے۔ کتنے لوگ ہیں۔ جو آج سے یہ قسم کھاتے ہیں کہ آیندہ کوئی ولایتی چیز استعمال نہ کریں گے"۔

مسٹر منوہر نے تقریر ختم کیا۔ تالیوں کے شور سے آسمان گونج اُٹھا۔ لوگوں نے قسمیں کھائیں۔ کہ اب ولایتی چیز استعمال نہ کریں گے۔ خوشی خوشی گھر آئے۔ کئی دن تک لوگوں میں منوہر کی قابلیت اور حب وطنی کا چرچا رہا۔

(۵)

منوہر کے چچا تو بھلا جلسے میں کب جانے والے تھے۔ اُن کی تو بیٹھے ہی روح فنا ہو رہی تھی۔ کہ منوہر کی گرفتاری کی اب خبر آتی ہوگی۔ بار بار نوکر کو بلا کر پوچھتے تھے۔ کہ "منوہر آیا"۔ جب انتظار کرتے کرتے بہت دیر ہوگئی تو بولے رہے تھے پھر نہیں رہا جاتا۔ مجھے آج خیر نظر نہیں آتی"۔ اِس لڑکے کو کیا خبط سوار ہوا!

ہے۔ کہ سرکار کو ہی گالیاں دیتا ہے۔ کیا کروں کمبخت موت بھی تو نہیں آتی۔ منشی جی ابھی جی ہی جی میں یہ باتیں کر ہی رہے تھے۔ کہ مسٹر منوہر گاڑی پر سوار آنکلے وہ ایک وکیل بیرسٹر ساتھ تھے۔ منشی جی آداب عرض کرتے ہوئے مسٹر منوہر کے کمرے میں چلے گئے ۔

ایک۔ آج تمہارے چچا بہت بگڑے نظر آتے ہیں۔ بیچارے پرانے وقتوں کے آدمی ہیں۔ ڈرتے بہت ہیں۔

دوسرا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ ڈرتے کس بات سے ہیں؟

پہلا۔ بھئی اُن کی تمہاری سی تو سمجھ ہے نہیں۔ انہوں نے شاہی زمانہ دیکھا ہے۔ اُن کے نزدیک تو سہ

اگر شاہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین

منوہر۔ اوہو۔ اب تو ماشاء اللہ آپ فارسی شعر کوٹ (Quote) کرنے لگ گئے۔ کیا کہنے ہیں۔

پہلا۔ تو ہمیں بھی کیا کوئی وہ سمجھا ہے ۔

منوہر۔ وہ کیا؟

دوسرا۔ اجی وہی۔ اصل پنیش اُل۔ ل۔ وپینش تُو۔

اِن میں تو یونہی ہنسی دل لگی کی باتیں ہوتی رہیں۔ غریب منشی جی جنہیں منوہر کے گھر آجانے سے کسی قدر اطمینان ہوا تھا۔ پلنگ پر پڑے سوچ رہے تھے۔ کہ آخر ولایت میں ایسی کیا بات ہے۔ جس نے سادہ لوح منوہر کو اس قدر بدل دیا۔ اسی خیال میں تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ اب ایک اور نظارہ پیش نظر تھا ۔

۶

خواب

منشی جی ولایت کی سیر کر رہے ہیں۔ لاٹھی ٹیکتے چلے جاتے ہیں۔ ہر ایک چیز میں ایک کشش ہے جو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ٹھیرنے پر مجبور کرتی ہے۔ مگر پیچھے سے بھیڑ کی رو ٹھیرنے نہیں دیتی۔ منشی جی ایک حسرت آلود نظر ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے جہاں جلسہ کا سامان تھا۔ مگر عورتیں ہی عورتیں نظر آتی تھیں۔ منشی جی چکرا گئے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ یہ عورتیں کیسی بے حیا ہیں کہ یہاں منبروں لگائے بیٹھی ہیں۔ کسی کا ادب و لحاظ مرد کی ذرا عزت نہیں کرتیں۔ منشی جی اسی فکر میں تھے کہ ایک لڑکی نے انہیں اجنبی سمجھ کر کرسی دی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ اور کچھ اس مضمون پر تقریریں ہونے لگیں کہ گورنمنٹ کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ عورتوں کو بھی پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی اجازت دے اور حقدار سمجھے۔ منشی جی انگریزی تو کیا سمجھتے۔ مگر خوش قسمتی سے ایک بوڑھی عورت جو ایشیائی زبانوں کی عالمہ تھی اور عرصہ تک ہندوستان میں رہ آئی تھی پاس بیٹھی تھی اس نے سارا ماجرا منشی جی کو سمجھایا۔ اور جلسہ کی غرض بیان کی۔ منشی جی نے جو عورتوں کو گورنمنٹ سے یوں لڑتے دیکھا۔ ہوش ٹھکانے آ گئے اور چلا اُٹھے +

"ہمارے منوہر کا کچھ قصور نہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے درست کہتا ہے میں اب تک غلطی میں تھا۔ عادل حاکم سچائی کی کبھی مخالفت نہیں کرتے" +

پردیسی سیلانی

مخزن میں "رویائے مقصود" کے عنوان سے ایک مضمون شایع ہوا تھا۔ میں نے آزاد کے مقاصد کو اسی انداز میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔



D. E. Wacha.

C. S.P.



Dr. Rosh Behari Ghose.

C. S. P.

فہرست مضامین رسالہ آزاد جلد دوم

جولائی ۱۹۰۷ء لغایت دسمبر ۱۹۰۷ء

ہاف ٹون تصاویر: سر فیروز شاہ مہتہ۔ مسٹر رومیش چندر دت۔ مسٹر جسٹس رانیڈے۔ راجہ راوی ورما۔ سوامی رام۔ سوامی وویکانند۔ نظام حیدرآباد دکن۔ ڈاکٹر راش بہاری گھوش۔ مسٹر واچا۔ مسٹر کھاپرڈے۔

ب

جلد کے نمبر رسالہ میں صفحہ کے نیچے درج ہیں

سال اول

آزاد کی اپنے سرپرستوں سے اپیل

پیارے ناظرین! آزاد بفضل خدا اب ایک سال کا ہوگیا۔ اس قلیل عرصہ میں ہر دلعزیزی جو آپ کے آزاد کو حاصل ہوئی اور جو حیثیت اس نے اپنے معاصرین میں پیدا کر لی وہ حوصلہ افزا امیدیں ہیں جنہوں نے پیدا ہونے والی مشکلات و پریس کی دشواریوں کے آزاد کی خدمت کیلئے میرے حوصلوں کو قائم رکھا اور مجھے اس فرض کو جسے شوق یا شہرت کی نیت سے نہیں بلکہ ملی خدمت کی آرزو نے اپنے ذمہ لیا تھا انجام دینے کی ہمت دی۔ مجھے یاد ہے کہ جب کبھی پریس کی دشواریوں سے مجبور ہو کر میں آزاد کے لئے ایک پریس قائم کرنیکی ضرورت محسوس کرتا اور مالی کمزوری سے اسے ناقابل عمل سمجھ کر اس فرض سے سبکدوش ہونیکا ارادہ کرتا تھا تو آزاد کی ہونہار صورت حسرت آلود نگاہ اور لب خاموش اشاروں سے یہ کہتے معلوم ہوتے تھے کہ "یہ شرط وفا نہیں" آزاد کی اشاعت جن اغراض کی تکمیل کے لئے کی گئی ہے اسکے سامان بہم پہنچ گئے۔ ملک کے مسلم لیڈروں اور نامور ہردلعزیز مضامین نویسوں نے قلمی سرپرستی کا اعزاز بخشا اور میری اپیلیں جو وقتاً فوقتاً بحالت مجبوری ناظرین آزاد سے کی جاتی رہیں۔ بالکل بے سود ثابت نہیں ہوئیں۔ بلکہ بعض احباب نے اپنے حلقہ اثر میں آزاد کو پہنچانے کی کوشش کی جس کا شکریہ ادا نہ کرنا کفران نعمت ہوگا۔ مگر جن مقاصد کی اشاعت آزاد کی اشاعت سے مقصود ہے ان کی تکمیل کے لئے مزید امداد کی ضرورت ہے۔ سال اول کی کارگذاری کی رپورٹ اور نئے سال کے نئے ارادوں کی کیفیت مختصراً ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اور اس کے بعد میں ناظرین آزاد کے فیصلہ پر چھوڑتا ہوں کہ انہیں اپنے آزاد کی کس قدر فکر کرنی چاہئے۔

جنوری ۱۹۱۰ء سے پیشتر اردو میں ایک بھی پولٹیکل رسالہ نہ تھا۔ جو رسالے اچھے انتظام سے شایع ہوتے تھے ان میں زبان آرائیوں اور اردو لٹریچر کی نزاکت کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ کی جاتی تھی۔ دو ایک رسالے لٹریچر کی خدمت کے ساتھ ساتھ پولٹیکل مضامین میں بھی کبھی کبھی زور قلم دکھاتے تھے۔ مگر ایسا رسالہ ایک بھی نہ تھا جس کی اشاعت محض پولٹیکل اغراض سے ہو اور جو ملک میں صحیح مذاق پیدا کرنے کے قابل ہو۔ اہل ملک کے حقوق کی نگہداشت کرے اور ان کی غلطیاں انہیں بتلائے اور جب کبھی اختلاف رائے سے کسی معاملہ میں الجھن پڑ جائے۔ تو کسی ایک فریق کا طرف دار نہیں۔ بلکہ سب قوموں اور تمام ملک کا ثالث بنکر انہیں ایک دوراندیش صلاح کار کی طرح خطروں سے بچائے اور سچائی کا راستہ دکھائے۔ ملک میں اتحاد کی روح پھونکے اور مختلف مذاہب کے اہل قلم کے لئے ہندوستان کے مختلف فرقوں کی مشترکہ اغراض کی تکمیل کے لئے ایک ایسا پلیٹ فارم جس کا مذہب ہندوستان اور عقیدہ خدمت ملکی ہو۔ دنیا میں کوئی شخص ایک وقت میں کبھی سب کو خوش نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہر ایک معاملہ پر رائے زنی کرتے ہوئے اور اپنے پاک فرائض کو انجام دیتے ہوئے ضمیر اور راستی کے سوا کسی کو اپنا رہبر نہ بنائے۔ یہ اغراض کچھ ایسے پسندیدہ ثابت ہوئے کہ آزاد کی اشاعت کا اعلان ہوتے ہی اخباری دنیا میں اس کے متعلق کشمکش ہونے لگی اور اس قسم کے اور رسالوں کی اشاعت یا لٹریچر کے رسالوں میں پولٹیکل رنگ کی جھلک دیجانے کی فکر کی جانے لگی اور میرے اور آزاد کے لئے یہ بات کچھ کم قابل مسرت نہ تھی کہ جو خیال مجھ ناچیز نے پیش کیا اور جس کی اشاعت کا بیڑا آپ کے آزاد نے اٹھایا وہ ملک میں اس قدر پسند کیا گیا کہ اور لوگوں نے بھی اس کی تقلید کی مگر آپ کے آزاد میں باوجود اس تقلید کے بھی کچھ خصوصیت ہے۔ جو اسے اپنے ہمعصروں میں ممتاز بتاتی ہے اور وہ ان معزز احباب اہل قلم کی توجہ ہے جن میں سے بعض نے تو نیاز مند ایڈیٹر کی ذاتی دوستی اور خدمت ملکی اور بعض نے محض خدمت ملکی کے جوش میں غائبانہ طور پر آزاد کی امداد کی اور اس کی سرپرستی سے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ میں جانتا ہوں کہ جب کبھی اہل ملک نیازمند ایڈیٹر کو آزاد کی کامیابی کی مبارکباد دیتے ہیں تو اس سے زیادہ ان احباب کی دماغی قابلیت اور حب قومی کی داد دیتے ہیں جنھوں نے اپنی لگاتار دماغی محنت سے آزاد کو

اپنے معاصرین میں ممتاز اور اپنے اغراض میں کامیاب بنایا۔ یہ ان ہی احباب کی دماغی قابلیت کا نتیجہ تھا۔ کہ امریکہ میں جہاں فن اخبار نویسی درجہ کمال پر ہے آزاد پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا گیا اور وہاں کے اخبارات نے اسکے مضامین کے ترجمے خاص اہتمام سے اپنے کالموں میں شایع کیئے۔ اردو اخبار نویسی کی تاریخ میں یہ پہلی بات تھی جس کا فخر آپ کے آزاد کو حاصل ہوا مگر کیا یہ تمام کامیابی اور ہردلعزیزی ان مقاصد و اغراض کی جنہیں لیکر آزاد شایع ہوا منزل مقصود ہے؟ نہیں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اور اس کی تکمیل کے لیئے جب تک آپ کی امداد شامل نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا جیسا کہ مینے جولائی گذشتہ میں کہا تھا۔ آزاد نے ایسے وقت میں جنم لیا جب زمانہ سینکڑوں اُمیدیں پیش کرتا تھا اور ہر طرف بیداری کے آثار نظر آتے تھے اور پرورش ایسے زمانہ میں پائی جب ہر طرف سے بھیانک اور خوفناک آوازیں ڈراتی تھیں۔ ایک طوفان تھا جو ملک میں مچا ہوا تھا۔ ایک طرف گورنمنٹ کا جبر و تشدد اور بیگناہوں کی گرفتاری دوسری طرف ناتجربہ کار دل کا جوش اور بے چینی کی گرم بازاری۔ وقت آیا اور نکل گیا اور بڑے بڑے اہل الرائے اخبارات اس سے موثر ہوئے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آزاد پر زمانہ کے انقلاب کا کوئی اثر نہیں ہوا اس کے مقاصد اور اغراض میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور یہ اب بھی اسی سچائی کی پولیسی کا حامی ہے جس کا پیشتر تھا۔ اس کے نزدیک کسی معاملہ پر رائے زنی کرنے کے لیئے ضمیر سے بہتر رہبر نہیں اور یہ اسی کی پیروی کرتا ہے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے تو آزاد کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے گو اس چھوٹی عمر میں یہ کام خاصا اطمینان بخش ہے۔

تاخیر اشاعت کا مرض جو عموماً سب ہمارے رسالوں میں پایا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ باوجود سخت کوشش کے آزاد اس سے نہ بچ سکا اور مجھے بحالت مجبوری اس سال دو مجموعی نمبر شایع کرنے پڑے۔ میں حیران ہوں کہ اس بیقاعدگی کی عذرخواہی کن الفاظ میں کروں کیونکہ پریس کی مشکلات اور ایک نئے پریس کے قایم کرنے کی دقتیں جو بجائے خود میرے لیئے خواستگار معافی ہیں ہوتے ہوئے بھی میں ایک لفظ بھی اس تقصیر کے عذر میں کہنا نہیں چاہتا۔ اور میں گنہگار کی طرح خاموشی میں معافی کا طلبگار ہوں جو تقصیر کے جواب میں اپنی نیچی نظروں سے جرم کا اقبال کرتا ہے۔ مجموعی نمبروں کی تلافی تو آزاد کے خاص نمبروں نے کر دی اب تاخیر اشاعت کے لیئے میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ کی امداد شامل حال رہی تو آیندہ یہ ناگوار صورت پیدا نہ ہوگی اور عنقریب جنوری اور فروری کے دونوں نمبر حاضر خدمت ہونگے۔ اور آیندہ

ہر مہینہ کے تیسرے ہفتہ میں آزاد حاضر ہوجایا کرے گا +

سال گذشتہ کی رپورٹ تو پیشتر آپکی خدمت میں پیش کردی اب سال آیندہ کے ارادے عرض کرتا ہوں جن کا آغاز محض آپکی امداد اور قدردانی کی امید پر کیا جاتا ہے ورنہ آزاد کی مالی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی خدا آپکی ہمت میں برکت دے اور آپ اس سال تو کم از کم اپنا خرچ برداشت کرنیکے قابل اپنے آزاد کو بنادیں تاکہ مالی مشکلات میرے حوصلے پست نہ کریں اور وہ ارادے جو آزاد کی خدمت کے متعلق ابھی میرے ذہن عمل میں آسکیں +

(۱) ماہ جنوری سے آزاد کی ضخامت میں اسی قیمت میں ۸ صفحہ کا اضافہ کیا جائیگا +

(۲) تصاویر اور کاغذ میں بھی خاطر خواہ ترقی ہوگی۔ کاغذ سودیشی بڑھیا آزاد کے لئے منگوایا گیا ہے اور اسکے پہنچ جانے پر آیندہ قسم اول کے لئے ولایتی کاغذ استعمال کیا جائیگا +

(۳) اختلاف رائے کے متعلق ایک مضمون بحث طلب ہمیشہ شائع ہوگا۔ اور وہ ایک مستقل باب اور لکھنے والے کا جواب دیئے جانے پر مکمل سمجھا جائیگا +

(۴) بہت سے نئے مستند مضامین نگار جن سے اوراق آزاد ابھی تک محروم ہیں۔ آزاد کے پلیٹ فارم پر اپنے خیالات ظاہر کرینگے +

غرض اس قسم کے بہت سے نئے ارادے ملک کے روبرو پیش کیا چاہتا ہوں جن کی تکمیل محض آپ کی امداد پر منحصر ہے۔ سال گذشتہ آزاد کے لئے مشکلات کا سال تھا خدا کرے یہ سال اطمینان اور ترقی کا سال ہو اور یہ سب کچھ آپ کی طاقت میں ہے جن احباب نے ابھی تک اپنے حلقہ اثر میں آزاد کیلئے کوشش نہیں کی وہ اگر آزاد کی ترقی چاہتے ہیں اور اس کی خدمات کی قدر کرتے ہیں وہ کوشش کریں۔ ایک ایک دو دو خریدار دیدینا کوئی بڑی بات نہیں صرف اسی تحریک کی ضرورت ہے اس نمبر میں دو مطبوعہ فارم خریداری ارسال ہیں تاکہ آپکو اپنے دوستوں سے درخواست لکھوانے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔ ہمت کیجئے اور دیکھئے کہ آزاد کیا کرسکتا ہے +

جن احباب کے چندے ختم ہوگئے ہیں وہ بھی بذریعہ منی آرڈر عنایت فرمائیں۔ یہ بھی بڑی امداد ہوگی۔ کیونکہ ان دنوں کام زیادہ ہے اور وی پی بھیجنے میں وقت کی ضرورت ہے ایک منشی کی تنخواہ بچانا ہی بڑی امداد ہے +

نیازمند

بشن سہائے آزاد مالک و ایڈیٹر

نوٹ: سالانہ اچیت رائے اور مسٹر کھاپرڈے کی تصاویر باوجود انتظار وقت پر نہ پہنچ سکیں اس لئے شامل رسالہ نہیں ہیں۔ آیندہ حاضر ہونگی +

کانگرس نمبر

آزاد

افسانۂ رہنما

از فخر ہندوستان لالہ لاجپت رائے لیڈر پنجاب۔

امید و خوشی۔ رنج و غم تو دنیا کے ضروری مرحلے ہیں مگر ان کی تفریق بھی عجب اثر رکھنے والی ہے۔ وہ امید جو ناامیدیوں سے پیدا ہو۔ وہ خوشی جو رنج کے بعد نصیب ہو۔ وہ رنج جو خوشی کے عالم میں مسرت دکھائے! انسانی طبائع پر سحر کا اثر رکھتا ہے۔ جب ہم اس مصیبت کا خیال کرتے ہیں جب آزاد کے قلمی سرپرستوں کا امتیاز سب ہم سے یکایک چھین لیا گیا۔ اسکے بیش بہا مضامین زینت اوراق آزاد کرنیکی امید کا خون ہو گیا اور ایک ایسی مایوسی دل پر تسلط ہوا جسکا قبضہ نہایت مضبوط معلوم ہوتا تھا تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں! پیارے ناظرین! وہ مایوسی کیسی حوصلہ شکن تھی۔ وہ ایک ایسا وقت تھا جسکا دھیان نہیں [illegible] تو ہمارے دیگر معزز احباب جن کی تحریریں ہمیشہ عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور جنھوں نے آزاد کو اپنے مقاصد میں کامیاب بنایا ہے بروقت ہماری حوصلہ افزائی و امداد کو تیار تھے مگر یہ ایک ایسی کمی تھی جو کسی ظالم کی برچھی کی انی کی طرح دل میں کھٹکتی ہی تھی اور نہ صرف ہمیں بلکہ ہمارے ناظرین کو بیقرار کر رہی تھی۔ بلکہ قلمی سرپرستوں کی انجمن کو بھی افسردہ کر دینے والی تھی۔ مارچ ۱۹ کے آزاد میں جب پریس کی آزادی کا ناتمام مضمون پڑھتے تھے اور اسکے پورا کرنیکا وعدہ خیال کرتے تھے تو جو حالت دل پر

گذر رہی تھی۔ وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس افسردگی کے بعد جو خوشی حاصل ہوا ہے ناامیدی سے جو امید پیدا ہو۔ اس کا دل پر کیا اثر ہوگا۔ ذرا پہلو پر ہاتھ رکھئے اور پوچھئے ہم میں تو اسکے بیان کرنیکی طاقت نہیں۔ مبارک ناظرین آزاد مبارک۔ مبارک اہل قلم مبارک اور اگر اجازت ہو تو ہم خود کو بھی ایکبار مبارک کہ لیں۔ تمہیں تمہارا حبیب عین مایوسی کے عالم میں مل گیا اور وہ گیا ملا علم و فضل اور آرائے نیک کا خزانہ مل گیا جس سے اوراق آزاد مالا مال ہوتے رہے ہیں اور ہونگے۔

جس قدر خطوط آزاد کے قدردانوں نے آزاد کے سرپرست لالہ لاجپت رائے کے مضامین کا سلسلہ شروع ہونیکا وقت دریافت کرنے کے لئے بھیجے تھے ان کا فرداً فرداً جواب دینا دشوار تھا۔ اسلئے ہم جواب نہ دینے کی گستاخی کی معافی چاہتے ہیں۔ اور جواب میں اس قدر عرض کرتے ہیں کہ سلسلہ تو شروع ہو گیا اور ابھی سلسلہ کا آغاز ایک ایسی تصنیف سے ہوا ہے جسے ایام جلاوطنی نے متبرک بنا دیا پس سلسلہ تو نہایت مبارک ہے مگر اس کا انحصار آپکی ہمت اور کوشش پر ہے۔ قدردانی کا بہترین طریقہ توسیع اشاعت ہے۔ (ایڈیٹر)

مانڈلے فورٹ اپر برہما ۲۳۔ جون سنہ ۱۹۰۷ء

آج جس بستی میں میں بدنصیب ہند کے ساتھ پیار کرنے کے جرم میں قید ہوں وہ ۲۲ برس پہلے ایک آزاد۔ خودمختار۔ نیک مزاج مگر سادہ لوح قوم کا دارالخلافہ تھا جس بنگلہ میں بیٹھا ہوا میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ اُس سے ۲۰۰ گز کے فاصلہ پر جنوب کی جانب اُس ملک کے آخری تاجدار کے محلات شاہی ہیں جو اپنی شان۔ اپنی سجاوٹ۔ اپنی سج دھج۔ اپنی بناوٹ۔ اپنی رنگا رنگی اور اپنی کمزوری میں بزبان حال سے اس قوم کی زندہ دلی۔ سادہ لوحی اور رنگین مزاجی کی ساکت شہادتیں ہیں۔ ان محلات کے گرداگرد مختلف موقعوں پر وہ لوہے کی توپیں بڑی اور چھوٹی پڑی ہوئی ہیں۔ جن کو اس قوم کے سادہ لوح مگر عیش پسند حاکم اپنے لئے باعث قوت خیال کرتے تھے۔ مگر ضرورت کے وقت جن کو چلانے کی کسی کو جرأت

تک نہ ہوئی۔ اِن محلات شاہی کے احاطہ میں مختلف قسم کے درخت کھڑے ہیں۔ جو اپنے قدرتی جوبن میں اُس قدرتی خوبصورتی و رنگینی کا گویا نمونہ ہیں۔ جو اِس قوم کا سنگار شمار کی گئی ہے ❖

اگر اِس ملک کے باشندوں کے حالات و روایات صحیح ہیں۔ جو اُن کی پولٹیکل ماتحتی سے پہلے سیاحانِ یوروپ نے قلمبند کئے ہیں۔ تو سچ مچ یہ ملک مولانا آزاد کے تیرنگ خیال کا "ملک فراغ" تھا۔ جہاں تمام اولادِ آدم جو اِس ملک میں آکر جاگزین ہوئی تھی۔ اور جنہوں نے اس ملک کو اپنا وطن مالوف بنایا تھا۔ "مسرت عام اور بے فکری مدام کے عالم میں بسر کرتی تھی"۔ جن کا ملک ملک فراغ تھا جس کے باشندے آرام کے بندے قدرتی گلزاروں میں گلگشت کرتے تھے۔ ہرے ہرے سبزہ کی کیاریوں میں لوٹتے تھے۔ آبِ حیات کے دریاؤں میں نہاتے تھے۔ جہاں ہمیشہ باوجود مشرقی آفتاب کی روشنی وتپش کے وقت صبح کا اور موسم بہار کا رہتا تھا۔ جہاں کے باشندے خدا کے پانی کو شربت و شراب سے زیادہ مزہ دار اور دودھ سے زیادہ قوت دینے والا سمجھتے تھے۔ جن کو سیدھے سادے کھانے اور جنگلوں کی پیداوار بہتر از نعمت کا مزہ دیتی تھیں۔ جن کے لئے آب و ہوا قدرتی غذائیں تیار کر کے زمین کے دسترخوان پر چن دیتی تھی۔ جہاں نسیم کی شمیم میں ہوائی خوش بوٹیوں کے عطر مہک رہے تھے۔ جہاں بلبلوں کے چہچہے۔ خوش آواز جانوروں کے ترانے دن رات سنائی دیتے تھے۔ خوبصورت چرند پرند آس پاس کلیل کرتے پھرتے تھے۔ جابجا درختوں کے جھرمٹ تھے۔ اُن کے سایہ میں بے بہا اولے چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ عیش و آرام کے قدرتی سامان اِس بہتات سے تھے۔ کہ ایک شخص کی فراوانی سے دوسرے کے لئے کمی نہ ہوتی تھی۔ اور کسی طرح ایک کو دوسرے سے رنج نہ پہنچتا تھا۔ سب کی

طبیعتیں خوشی سے مالا مال اور دل فارغ البال تھے ۔

مگر ہائے افسوس یہ زمانہ ناہنجار کبھی کسی کو مدت مدید تک ایک حالت میں نہیں رہنے دیتا۔ آخر اس باغ عدن کی مہک خوشبو سنڈلالچ کے شہر در شہزادوں کو کھینچ لائی۔ اول اول تو لوگ اِس گلزار میں گلگشت کے بہانے سیر و تماشا کے لئے آنے لگے۔ آہستہ آہستہ فریب کے جاسوس اور سینہ زوری کے جنات اپنی شعبدہ بازیاں دکھلانے لگے۔ حتیٰ کہ چند روز کے بعد کھلم کھلا غارت تاراج۔ لوٹ۔ مار آن پہنچے۔ اور ڈاکے مارنے لگے۔ ۲۵ برس پہلے جن کو اہل ملک سینہ زوری کے جاسوس۔ زیادتی کے ایجنٹ سمجھے جاتے تھے۔ یا یوں کہو۔ کہ ۲۵ برس پہلے جو ملک کے مالک تھے۔ وہ آج اگر چون و چرا کریں۔ تو ڈاکو ہیں۔ اور اُس وقت جو ذرا سی حیل و حجت پر سفاکوں کی طرح گردن زدنی تھے۔ وہ آج ملک کے مالک ہیں۔ اُن کا حکم چار دانگ برہما میں قانون کی منزلت رکھتا ہے۔ اُس کی حکم عدولی جرم ہے۔ اُن کے قانون کی خلاف ورزی قابل سرزنش اور اُن کی حکومت و سلطنت کی بدخواہی بغاوت اور سیڈیشن ہے۔ سچ ہے دنیا میں یہ نقشہ قدیم سے چلا آیا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ زمین گول ہے۔ زمانہ اور قسمت بھی گول ہیں۔ آج جو اوپر ہیں۔ کل وہ نیچے۔ آج جو آزاد کل وہ پابند۔ قدرت کا قانون ایسے ہی کھیل اور تغیر دکھاتا ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ باوجود ان تبدیلیوں اور تغیرات کے قدرت بھی قانون کی پابند ہے۔ اُس کا ہر ایک نظارہ قانون کی اسی بنا پر بنا ہوا ہے۔ اور مستقل۔ کبھی نہ بدلنے والے اور نہ ٹلنے والے اصولوں و قوانین کا پابند ہے۔ قدرت کی خوبصورتی۔ اور اُس کی دلچسپی۔ اُس کے تغیرات اور اُس کے استقلال دونوں میں ہے۔ وہ مستقل بھی ہے اور چنچل بھی ہمیشہ حرکت کرتی ہے۔ اور اُس کی تمام حرکتیں مقررہ

مقررہ قوانین کے تابع ہیں۔ ہمیشہ بدلتی ہیں مگر تمام تبدیلیاں کبھی نہ بدلنے والے اصولوں کے ماتحت ہیں۔ اس ملک برہما میں جو تبدیلی اِس ۲۲ سال کے عرصہ میں وقوع میں آئی۔ اور جس کی رفتار روز بدن تیزی پر ہے اُس کا مطالعہ ابن آدم کے لئے دلچسپی اور منفعت سے خالی نہیں ✦

۲۲ برس ہوئے اپر برہما منجملہ اُن چند ایشیائی ممالک کے تھا جس کے باشندے گذشتہ دو ہزار برس کے اندر یا یوں کہو۔ کہ تاریخی زمانہ کی روشنی میں حضرت آدم کی طرح اپنے باغ عدن میں رہتے تھے۔ جنہوں نے نہ کبھی کسی پر فوج کشی کی اور نہ کبھی کسی بیرونی طاقت کے سامنے سرخم کیا۔ نہ کبھی کسی پر چڑھ کر گئے اور نہ کسی سے مار کھائی۔ نہ کسی کے پیراہن آزادی کو داغی کیا اور نہ اپنے دامن خودمختاری پر کوئی دھبہ لگنے دیا۔ حیرانی تو یہ ہے کہ بدبخت ہندوستان کی ہمسائگی میں ہونے کے باوجود۔ نہیں نہیں اُس کی بغل کا ملک ۔ ہونیکے باوجود بھی برہما کس طرح اُن غیر قوموں کی دست برد سے بچا رہا۔ جنہوں نے ہندوستان کو تہ و بالا کیا۔ اور باری باری اپنی دلاوری۔ ہمت۔ شجاعت۔ سینہ زوری اور چالاکی کا نشانہ بنایا۔ ہمارے ناظرین جانتے ہیں۔ کہ ملک برہما ہندوستان کی مشرقی حد میں صوبہ آسام سے ملا ہؤا ہے۔ آسام اور برہما کے درمیان ایک معمولی سا سلسلۂ کوہستان حدفاصل ہے۔ جنوب میں برہما کی حد برہم پوتر سے سیراب کردہ علاقوں سے ملتی ہے۔ خلیج بنگالہ کی طوفان زدہ لہریں جس طرح ہندستان کے مشرقی کنارے کو دھوتی ہیں۔ اُسی طرح برہما کے جنوب مشرقی ساحل سے بھی ٹکراتی ہیں پس باوجود اِس قربت و نزدیکی ہمسائیگی کے بھی اگر برہما اِس قدر عرصہ دراز تک آزادی کے دامن عصمت کو محفوظ رکھ سکا۔ اور غیر اقوام کے لالچ و حسد بھری نگاہوں کی تاثیر بد سے بچا رہا۔ تو اِس کا سبب اور کوئی نہ تھا۔ سوائے اِسکے

کہ ہندوستانی ایک گونہ اُس کی حفاظت کا باعث ہوئے۔ ایشیائی ممالک میں جس قدر پولیٹیکل طوفان آئے وہ مغرب کی جانب سے آئے۔ یا کبھی کبھی شمال سے بھی۔ ہندوستان پر جس قدر بیرونی حملہ آور آئے۔ وہ مغرب کی طرف سے۔ شمال سے جب کبھی کسی تندخو قوم نے دخل دیا۔ تو صرف اس طرح پر اور اس قدر جیسی آندھی آتی ہے۔ اور چلی جاتی ہے۔ کچھ خس وخاشاک چھوڑ جاتی ہے۔ اور باقی اُڑا لیجاتی ہے۔ مگر مغرب سے جو پولیٹیکل لہریں اُٹھیں۔ اُنھوں نے ملک پر مستقل اثر چھوڑا۔ ہندوستان پر جو لوگ چڑھے وہ عموماً اس کی دولت کے لالچ میں آئے اور آتے ہی اُن کے دامن مراد اس طرح بھر گئے۔ کہ کبھی اُن کو آگے جانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ہندوستان میں اس بہتات سے اُن کو دولت وعیش وعشرت کے سامان حاصل ہوئے۔ کہ یا تو طبیعت سیر ہو گئی اور یا اُن کے مزے کبھی ختم نہ ہوئے۔ جو چیز پائی ضرورت سے زیادہ پائی۔ یہاں تک کہ جس قدر محنت ومشقت اُس کے حاصل کرنے میں درکار تھی اُس سے زیادہ اُس کو رکھنے میں ضروری معلوم ہوئی۔ اگر آرزو کا دامن نہ بھرا تو اور زیادہ حاصل کرنے کے لئے میدان ہمیشہ کافی ووافی ملتا رہا۔ اور اگر من مانی حکومت مل گئی۔ تو اُس کو رکھنے کے لئے ہمیشہ مستعد وخبردار رہنے کی ضرورت معلوم ہوئی علاوہ اِس کے نئے دعوے داروں کی آمد بھی ہمیشہ ہندوستان کی حدود سے آگے بڑھنے کی مانع ہوئی۔ چنانچہ یورپین اقوام نے بھی جس وقت ایشیا کی طرف اپنی عنان توجہ کو پھیرا۔ تو سب کی نظر ہمیشہ اوّل ہندوستان پر ہی پڑی۔ ہندوستان ہی سب کی ہمت الوالعزمی اور حوصلہ کا نشانہ رہا۔ واسکوڈی گاما نے جب مشرق کی طرف رُخ کیا تو ہندوستان ہی اُس کا منزل مقصود تھا۔ اُس کے بعد اہل پرتگال ڈچ اہل فرانس اور

انگریزوں نے جب مشرق کا رُخ کیا۔ تو سب سے پہلے ہندوستان کو ہی اپنا مدعا بنایا۔ پس ہندوستان کا ہی سایہ تھا۔ جس نے مشرقی ایشیا میں جاپان اور چین کے سوائے برہما۔ سیام اور انام جیسے چھوٹے ممالک کو غیر قوم کے دخل و تصرف سے بچایا۔ ہر ایک صاحب نظر انسان کے لئے ایسے ملک کے حالات کا مطالعہ پُر از دلچسپی و فائدہ ہونا چاہئے۔ جو تاریخی زمانہ میں کبھی کسی غیر قوم کی پولیٹیکل ماتحتی میں نہیں آیا +

عبارت مندرجہ بالا میں ہم نے لفظ "پولیٹیکل ماتحتی" کا استعمال ارادتاً کیا ہے۔ کیونکہ گو برہما پولیٹیکل طور پر اس سے پہلے کبھی کسی غیر قوم کا ماتحت نہیں ہوا مگر اس میں کچھ شبہ کرنے کی گنجایش نہیں۔ کہ مذہبی۔ اخلاقی اور سوشیل (سماجک) تاثیرات کی وجہ سے مدت مدید سے وہ ہندوستان کا شاگرد ہے۔ دنیا میں اگر ۲۵ برس پہلے کوئی ملک ایسا تھا یا اب بھی ایسا ہے جہاں پر ہم ساکھی منی گوتم کی تعلیم کا اثر پورے زور میں دیکھ سکتے ہیں۔ تو وہ ملک برہما ہے۔ کیونکہ جس روز سے برہما نے بدھ مذہب کو اختیار کیا۔ اُس روز سے آج تک اور کسی مذہب کو اس ملک میں کسی قسم کا دخل حاصل نہیں ہوا۔ وہ ہزار برس ہوئے۔ جب مہاتما بدھ کی تعلیم برہما پہنچی۔ اُس روز سے آج تک اُس کا خالص تسلط اُس ملک اور اس کے باشندوں کی آتماؤں (روحوں) پر رہا۔ نہ یہاں پر "ہشنتوازم" کی کوئی شعاع پہنچی۔ اور نہ مہاتما "کنفیوشنس" کی تعلیم کا کوئی پرتو پڑا۔ اسلام اور یہودی اور عیسائی مذاہب کا بھی کبھی یہاں اثر نہیں پہنچا۔ ہندوازم کی تاثیرات بیشک کچھ کچھ پائی جاتی ہیں۔ مگر وہ بھی اس قدر جس قدر بدھ ازم اپنے ساتھ لایا۔ چونکہ بدھ مذہب خود اپنی اصلیت میں "ہندوازم" سے نکلا تھا۔ اس لئے لازمی تھا کہ ہندوؤں کے قانون اور اُن کے رسم و رواج اور اُن کی تہذیب اپنا اثر اس

ملک پر ڈالتے۔ بدھ دھرم کی ملقین ہندو دھرم کے نشانات سے پُر ہے۔ اسلئے بدھ تہذیب بھی ان نشانات سے خالی نہیں ہوسکتی تھی۔ پس برہما میں ہم ایک عجیب نظارہ پاتے ہیں۔ نسل سے اہل برہما منگولین تبلائے جاتے ہیں۔ یعنی اُسی شاخ نسل انسانی کے بچے شمار کئے جاتے ہیں۔ جس سے اہل جاپان۔ اہل چین اور اہل تبت ہیں۔ برہما کے مشرق اور شمال اور جنوب میں چاروں طرف منگولین نسل آباد ہے۔ اس لئے لوگ اہل برہما کو انسانی شجرہ نسب میں جاپانیوں چینیوں اور تاتاریوں کے بھائی بند کہتے ہیں۔ لیکن اپنی طرز معاشرت اور رسوم ورواجات میں تو وہ یقیناً انڈین ہیں۔ ہر ایک اہل برہما اپنے آپ کو منو جی[۵۱] کے قانون کا پابند کہتا ہے۔ اہل برہما کی زبان بھی منگولین ہے۔ یعنی اُس نسل سے ہے۔ جس سے جاپانی اور چینی اور تبتی پیدا ہوئے ہیں۔ گو برمن زبان اور برمن تحریر میں آرین سنسکرت کی تاثیرات بکثرت پائی جاتی ہیں۔ تاہم شاید یہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔ کہ اگرچہ اہل برہما کا خون اور اُن کا جسم اور اُن کی زبان منگولین ہیں۔ مگر اُن کا دل ودماغ اور اُن کا مذہب انڈین ہے۔ نیپال کے گورکھا لوگوں کی نسبت بھی یہی کہا جاتا ہے۔ لیکن ہماری نگاہ میں تو گورکھا لوگوں کی نسبت اہل برہما کی شکل وصورت ہندوستانیوں سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ بہت سے برمن ایسے ہیں۔ جن کو پستہ قد ہندوستانیوں سے تمیز کرنا مشکل ہے۔ اُن کے ناک ویسے چپٹے نہیں ہیں جیسے گورکھا لوگوں کے۔ اور نہ اُن کی آنکھیں بالکل جاپانیوں اور چینیوں کے مشابہ ہیں۔ تاہم شاید یہ کہنا درست نہ ہوگا۔ کہ اپنی شکل وصورت۔ خط وخال میں اہل برہما۔ جاپانی اور چینی لوگوں

[۵۱] - گو منو کا قانون مروجہ برہما ہندوستان میں مروجہ منو سمرتی سے مختلف ہے ۔

کی بہ نسبت ہندوستانیوں سے نزدیک تر ہیں۔مگر یہ کہنا بالکل غلط نہ ہوگا۔کہ اپنے رسم و رواج اور طرزِ معاشرت میں وہ بمقابلہ جاپانیوں اور چینیوں کے ہندؤں سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں ؂

ان وجوہات سے اہل برہما کے حالات اور اُن کے زوال کی تاریخ ہندؤں کے واسطے خصوصاً بہت دلچسپ ہے ؂

بودھ مذہب نے ہندوستان میں جنم لیا۔ ہندوستان میں پرورش پائی۔ ہندوستان میں وہ اپنے زوروں پر آیا۔اور یہاں سے وہ باقی دنیا میں پھیلا۔مگر سات سو آٹھ سو یا ہزار سال کی برتری کے بعد ہندوستان میں اُس کا نشان نہ رہا اور وہ اپنی مذہبی حیثیت سے جلاوطن ہوگیا۔تاہم کون ہندو اِس امر سے انکار کرسکتا ہے۔کہ پوراتک ہندوازم پر یا اُس کے بعد کی ہندو تہذیب اور معاشرت اور تمدن پر بدھ مذہب اور اُس کی تعلیم نے اپنا گہرا اثر نہیں چھوڑا۔ہمارا تو یہ یقین ہے۔کہ قومی حیثیت سے بدھ مذہب ہندوستان کی بربادی اور اُس کی پولیٹیکل تنزل کا کارن ہوُا۔بدھ مذہب کے جملہ کمزور پہلو ہندوازم میں سرایت کرگئے۔ بدھ مذہب کو نکالنے اور جڑ سے اُکھاڑنے کے جوش میں ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کے پیشواؤں نے اُن تمام کمزوریوں کو اختیار کرلیا جن سے بدھ مذہب عوام لوگوں کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہوچکا تھا۔حتےٰ کہ بدھ مذہب کی تاثیرات سے موثر اور کمزور شدہ ہندو تہذیب نے ہندوؤں کے دل و دماغ کو ایسا غیر حقیقی اور کمزور کردیا۔کہ ہندو طاقت اُس سے کھوکھلی ہوکر پھر کبھی پنپنے نہ پائی۔مگر سب سے زیادہ کمزوری ہندوازم کو اپنے ہی اختلافات سے حاصل ہوئی۔ہندوازم کی "Tolerance" بے حد آزاد خیالی اور بے انتہا فرقہ بندی اُس وقت میں ہندوازم کی بربادی کا باعث ہوئیں۔جبکہ ہندوازم

میں سے پولیٹیکل طاقت کے اصول سلب ہو چکے تھے۔ اور جبکہ دنیا کے نوجوان مذاہب اپنے عالم شباب میں جوانی کی مضبوطی اور عالی حوصلگی کے زعم میں دنیا میں پولیٹیکل برتری کے دعویدار تھے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ دنیا کے تمام کاروبار مذہبی احکام سے منضبط ہوتے تھے۔ اور جبکہ مذہب دنیا کے انتظام میں اختیار کامل رکھتا تھا۔ اور سراسر حکومت کرتا تھا۔ ہندو ازم کی عمر رسیدہ عمارت جس کو بدھ ازم[1] نے اپنے حملوں سے ضعیف اور کمزور کر دیا تھا۔ دنیا کے نئے مذاہب کے سامنے تاب مقابلہ نہ لا سکی +

نتیجہ یہ ہوا۔ کہ گو نئے تسخیر کردہ ممالک میں مدت مدید تک بدھ مذہب کا بول بالا اور قومی کیرکٹر پر اُس کا اثر غالب رہا۔ مگر ہندوستان میں اُس کی بنیادیں بیخ و بن سے اکھڑ گئیں۔ (باقی آئندہ) +

لاجپت رائے

ناظرین آزاد یقیناً میرے ساتھ اس خوشی میں شریک ہونگے۔ کہ آزاد نے اپنی زندگی کا پہلا سال بخیر و خوبی ختم کیا۔ اس قلیل عرصہ میں جو جگہ ناچیز آزاد نے اہل ملک میں اپنے لئے پیدا کر لی ہے وہ نہایت مسرت بخش ہے۔ یہ تمام کامیابی معزز احباب اہل قلم کی لگاتار و ماغی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ جب اہل ملک نیاز مند کو آزاد کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُن احباب کی کوششوں کی داد دیتے ہیں جن کے بیش بہا خیالات وقتاً فوقتاً آزاد میں ظاہر ہوتے رہے اور جنہوں نے آزاد کو اس درجہ پر پہنچایا۔ جس پر آج ہم فخر کرتے ہیں۔ پیارے ناظرین ان کوششوں کی قدردانی کا طریقہ صرف توسیع اشاعت ہے۔ ایڈیٹر

[1] مہاتما بدھ کی پاک تعلیم نہیں بلکہ اُس وقت مذہب کی طرف اشارہ ہے +

ہندوستانی طلبا انگلینڈ میں

از بھائی پرمانند ایم۔اے مقیم لندن

ہمارے معزز دوست بھائی پرمانند ایم۔اے سے ناظرین آزاد بخوبی آشنا ہیں۔ آپ ان ہونہار محبان وطن میں سے ہیں جن سے ہندوستان کی بہتری کی امید کی جاتی ہے۔ ڈی۔اے۔وی کالج لاہور کیلئے آپ بغرض تکمیل تعلیم ولایت تشریف لیگئے ہیں اور واپس آکر بے نام تنخواہ پر کام کرینگے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس طرح اپنی زندگیاں مبارک کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ ذیل کے مضمون میں ہمارے دوست نے ان اثرات کو بیان کیا ہے جو ایک نوجوان کے دل پر ولایت پہنچکر ہوتے ہیں۔ ایڈیٹر

انگلینڈ یا یورپ میں ایک دفعہ پھر جانا ہمارے ہاں ایک خاص عزت اور لحاظ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ یہ عزت اور لحاظ بہت درجہ تک بجا ہے۔ یورپ کی سوسائٹی کی تصویر ہماری سوسائٹی سے اس قدر مختلف ہے۔ کہ اس تصویر کا دیکھ لینا زندگی میں ایک خاص دلچسپی اور فائدہ رکھتا ہے۔ اور میں اس سے بڑھ کر کوئی ضروری بات نہیں سمجھتا۔ کہ ہمارے بزرگ بھی ایک دفعہ اسے دیکھیں۔ اس کو دیکھے بغیر موجودہ دنیا اور زمانہ کی رفتار کو سمجھنا۔ یا اُس کا نقشہ دل میں ذہن نشین کرنا ناممکن سا امر نظر آتا ہے +

اس مدعا کو سامنے رکھ کر انگلینڈ یا یورپ میں آنا اور بات ہے۔ اور نوجوان طلبار کو یہاں روانہ کرنا بالکل اور۔ ہمارے نوجوانوں پر انگلینڈ کے دو مختلف اثر ہوتے ہیں۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ کوئی نوجوان ان اثروں سے بچ سکتا ہو +

اس کا ایک پہلو تو نہایت عمدہ اور مفید ہے۔ جوں ہی کہ ایک نوجوان

ہندوستان کی چاردیواری سے قدم باہر رکھتا ہے ۔ اُس کی ایک طرح سے آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اُسے انسانی درجہ اور برابری کا علم ہوتا ہے ۔جس کا وہ ہندوستان کے اندر رہ کر اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔تب اپنا سارا ملک جوکہ وسعت میں اتنا لمبا -چوڑا اور چلتے پھرتے جیوؤں سے بھرپور ہے ۔ اُسے ایک وسیع جیل خانہ نظر آتا ہے ۔جس میں سے انسان کی عظمت کا نام ونشان ہی گم ہوگیا ہے اور جس کے رہنے والے مہربانی ۔ رحم اور حقارت کی تو ہر گوشہ سے امید رکھ سکتے ہیں۔مگر عزت اور پیار کی ہرگز نہیں ٭

دنیا میں اُن سے کوئی اتنا بھی ڈر نہیں رکھتا۔جتنا کہ بھیڑ اور بکری سے ''بھیے بچہ پریت''کہیں بھی دستیاب نہیں ہوسکتی۔جونہی کہ جہاز بحرالہند سے نکلتا ہے۔ وہی انگریز اصحاب جوکہ ہندوستان میں اُس کی شکل دیکھنا گوارا نہ کرتے ۔اور جن کو دیکھ کر اُس کا ہاتھ خود بخود سلام کے لئے اُٹھ جاتا تھا۔اب اُس کے ساتھ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں۔لیکن ابھی تک اُسے یہ تبدیلی صرف ذاتی مہربانی یا خوش اخلاقی کے طور پر نظر آتی ہے۔جہاز سے انگلینڈ میں اُترا۔تو اُسے محسوس ہونے لگ جاتا ہے۔کہ وہ بھی ایک انسان ہے جسے دوسرے انسانوں کے ساتھ خواہ وہ سفید رنگ کے ہی ہوں۔ برابری کا دعوےٰ ہوسکتا ہے ۔ ریلوے گاڑی میں۔گھوڑے کے امینی بس[لہ] میں وہ انگریز اصحاب اور مستورات کے ساتھ بیٹھتا ہے۔جوکہ سب اُس سے مہربانی اور اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ پہلے چند دن تو اُسے دل میں حیرانی اور جھجک محسوس ہوتی ہے ۔مگر تھوڑے عرصہ میں اُسے اپنے درجہ کا ٹھیک یقین ہوجاتا ہے۔ایک میرے دوست نے جوکہ بی ۔ اے ہیں ۔یہاں آتے ہی مجھ سے ذکر کیا۔کہ انہیں اس بات کو دیکھ کر تعجب سا ہوا۔کہ یہاں پر غریب لوگ بھی رہتے ہیں۔جوکہ ہمارے نوکروں کا کام کرتے ہیں۔بیان کرنے میں تو یہ سیدھی سادی

۳۰ لہ ایک قسم کی گاڑی ہوتی ہے جس میں بہت سے آدمی ایک وقت بیٹھ سکتے ہیں ٭

بات ہے۔ مگر اِن شخصوں کے لئے جنہوں نے ہندوستان کی غلامی تک قوم باہر نہ رکھا ہو۔ یہ صرف وہم وقیاس ہی رہتا ہے +

کہا جاتا ہے۔ کہ دنیا میں سفر کرنے سے تجربہ اور علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ درست ہے۔ مگر آج کل میں تو ہندوستان کے لئے سب سے بڑا یہ فائدہ سمجھتا ہوں۔ کہ اُسے انسانی درجہ کا ٹھیک علم حاصل ہو جائے +

تھوڑے عرصہ کے بعد اُسے یہاں کی سوسائٹی کی اونچ نیچ معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں پر بھی ادنےٰ جماعتیں ہیں۔ درمیانہ جماعت ہے۔ اور اونچی جماعتیں ہیں۔ ان میں خود ہی اُسے بعض قسم کے لوگوں کے ساتھ ملنے سے عار پیدا ہو جاتا ہے۔ اپنے مزاج کے مطابق اُس کا خاص قسم کے لوگوں سے میل ملاپ پیدا ہو جاتا ہے۔ ان سوشیل تمیزوں کے علاوہ یہاں پر ایک خاص قسم کی پولٹیکل تعلیم بھی خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ وہ بذریعہ اخبارات اور عام جلسوں۔ لکچروں اور بڑے بڑے Demonstrations کے +

یہاں کے اخبارات اور جلسے ہماری طرح وہمی، وخیالی مضمونوں اور مباحثات سے بھرے ہوئے نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر ایک بات وہ ہوتی ہے۔ جس کا عام پبلک کی زندگی سے تعلق ہوتا ہے۔ اور ہر ایک شخص اس کے بارہ میں اپنے حقوق اور فرائض کو سمجھتا ہے یا سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر روز اخبار میں اِن معاملات پر بحث کرتی ہیں۔ جو کہ اِس وقت ملک اور گورنمنٹ کے سامنے ہیں۔ تھوڑے دن ہوئے یہاں پر ایک بڑا معرکہ ہوا۔ سارے ملک میں ایک ہل چل پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ جھگڑا ریلوے کمپنیوں اور کام کرنے والے آدمیوں میں تھا۔ مختلف کمپنیوں نے حصے اکٹھے کر کے روپیہ جمع کیا۔ اور ریلوے لائن بنائی۔ روپیہ کے لئے علاوہ محنت دوسری ضروری چیزاِن کے بنانے میں خرچ ہوتی ہے۔ تھوڑے

عرصہ سے اِن کام کرنے والوں نے اپنی سوسائٹی بنا کر اپنے آپ کو اکٹھا کر لیا۔ اِس سوسائٹی نے چند شکایات کمپنیوں کے سامنے پیش کیں۔ کمپنیوں نے سوسائٹی کو یہ جواب دیا۔ کہ تم کون ہو۔ جو ہمارے اور ہمارے نوکروں کے درمیان دخل دیتے ہو۔ جھگڑا سارا اس بات پر آگیا کہ سوسائٹی کا کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ ہمارے کام کرنے والے اِس بات پر آمادہ ہو گئے۔ کہ کام یک لخت چھوڑ دیں۔ اگر اُن کی سوسائٹی کی ہستی کو مان لیا نہ جاوے۔ لاکھوں آدمیوں نے بذریعہ رائے کے کاغذ کے (جو کہ سوسائٹی کی طرف سے جاری کیا گیا) اِس پر تیاری ظاہر کی۔ کمپنیاں (جو کہ دولتمندوں کی بنائی ہوئی ہیں) اِس بات پر بضد تھیں۔ کہ وہ سوسائٹی کو نہ مانیں گی۔ دو چار روز اگر یہ جھگڑا جاری رہتا۔ تو کام کرنے والے کام چھوڑ دیتے۔ ریلیں بند ہو جاتیں۔ اور انگلینڈ کی اندرونی اور بیرونی تجارت کئی سالوں کے لئے بالکل تباہ ہو جاتی۔ پارلیمنٹ کے بورڈ آف ٹریڈ کے پریزیڈنٹ نے اِس میں دخل دیا۔ اور دونوں پارٹیوں میں ایک بیچ کا راستہ نکالا۔ ایک صلح کرانے والی کمیٹی بنا دی گئی۔ جس کے پاس کمپنی اور ریلوے سوسائٹی اپنے اپنے امور فیصلہ طلب پیش کرے۔ اس کا فیصلہ دونوں کے لئے حاوی ہو چند ماہ تک سارا ملک اِس جھگڑے میں پھنسا ہوا تھا۔ اور جلسے اور لیکچر اِس پر ہوتے تھے۔ اور اخبار بھی اسی پر مضمون لکھتے تھے +

آج یہاں انگلینڈ کی بیرونی پالیسی کا معاملہ درپیش ہے۔ جرمنی کا شہنشاہ لندن میں آیا ہوا ہے۔ کچھ سالوں سے انگلینڈ اور جرمنی کے درمیان اندرونی کشمکش ہے۔ انگلینڈ کسی نہ کسی طرح جرمنی کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ یوروپین قوموں کو آپس میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ اُن کی طاقت بڑھانے کے لئے وسیع میدان ایشیا اور افریقہ میں پڑا ہے۔ جرمنی انگلینڈ کے پھیلاؤ کو پسند نہیں کرتا۔ پوشیدہ طور پر کہا جاتا ہے کہ فارس کو مدد دیتا رہا ہے

اسی طرح انگلینڈ افریقہ میں کانگو میں سے (جو کہ بلجیم کے ماتحت ہے) اپنی ریلوے لائن بنانا چاہتا ہے۔ تاکہ شمال سے جنوب تک افریقہ میں انگریزی ریلوے ہو جاوے جرمنی بیچ میں ہے۔ اور وہ اس کے برخلاف اپنی آواز اُٹھائیگا۔ انگلینڈ کے مدبروں کی شروع سے ایک پالسی رہی ہے۔ کہ اگر میٹھا دینے سے دشمن مر جائے تو زہر دینا فضول ہے۔ آج کل جرمنی کے شہنشاہ کی ہر طرح سے دلجوئی کی جارہی ہے۔ اور ہر ایک انگریز سمجھتا ہے۔ کہ ایسا کرنے میں اُس کے ملک کی بہتری ہے اخبارات اسی بات پر زور دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس بات پر طیار کرتے ہیں شہنشاہ کی سواری لنڈن میں سے گذری۔ لاکھوں۔ کروڑوں آدمی چیرز دینے کے لیے ساری سڑک کے کناروں پر موجود تھے۔ اسی طرح ہندوستانی معاملات اور پالیسی پر بحث اور لکچر ہوتے ہیں۔ الغرض ایک تحریک زندہ ہے۔ اس پولٹیکل زندگی کو بھی یہاں پر قومی زندگی سمجھا جاتا ہے۔ اِس لئے جو ہندوستانی نوجوان اس زندگی میں رہتا ہے۔ اُسے خود بخود اس سے موثر ہونا پڑتا ہے۔ پبلک رائے کی کس قدر یہاں قدر ہے۔ رخصتوں میں پارلیمنٹ کے ممبر جا بجا اپنی پالیسی کے لکچر دے رہے ہیں۔ تا کہ ملک کو خاص اصلاح کے لیئے طیار کریں۔ خود وزیر اعظم اور اُس کے دوسرے ساتھی جگہ بجگہ پھرتے ہیں۔ اور اپنے خیالات کا ایک طرح سے پرچار کرتے ہیں۔ ہر ایک شخص اُن سے سوال پوچھنے کا مجاز ہے +

جب کوئی ایسا بل پارلیمنٹ میں پیش ہو۔ جس کے برخلاف پبلک رائے ہو۔ تو ہزاروں۔ لاکھوں مل کر ڈیمانسٹریشن کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کو وہ بل چھوڑنا پڑتا ہے۔ الغرض یہاں رہکر یہ یقین ہوتا ہے۔ کہ حقیقت میں گورنمنٹ کوئی خدائی چیز نہیں۔ بلکہ لوگوں کے اپنے آرام و حفاظت کے لیئے ایک اختراع ہے۔ یہ اِدھر اُدھر کی باتیں میں نے اِس لئے یہاں عرض

کیں۔ کہ یہاں کی سوسائٹی ایک زندہ سوسائٹی ہے۔ اور ہمارے نوجوان بھی اس
سے تھوڑی بہت زندگی حاصل کرتے ہیں +
لیکن ہزاروں نوجوان یہاں سے واپس ہو کر گئے ہیں۔ اُنہوں نے پھر وہاں
جا کر اپنی قوم و ملک کو اسی حالت میں لانے کے لئے تو کچھ کیا معلوم نہیں دیتا ؟
اس کی خاص وجہ ہے۔ کہ ہمیں اس دوسرے پہلو پر غور کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہے
کہ جہاں پر ہماری علمیت عامہ میں اس قدر بے بہا ایزادی ہوتی ہے اُس کے ساتھ
یہاں کے طریقے ایسے ہیں۔ کہ اس کے اندر ہمارا کریکٹر (Character)
تباہ ہو جاتا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ اس سے کوئی مستثنےٰ نہیں۔ مگر عموماً کوئی ہی ایسا
نوجوان ہوگا۔ جو اس زہریلے اثر سے بچا ہو۔ اُس جگہ میں جہاں ہم تھوڑی
بہت آنکھیں کھولتے ہیں۔ ہمارے چلن کی بیخ کنی کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اول
تو کتنے ہی طالب علم ہیں۔ جنہوں نے کبھی ماس نہیں کھایا ہوتا۔ وہ فوراً ماس
کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اُن میں سے بہتیرے ممنوع چیز کا بھی استعمال
کرنے لگ جاتے ہیں۔ میرا تو یہ تجربہ ہے۔ کہ آدمی ماس کھائے بغیر گذارہ کر سکتا
ہے۔ تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ مگر جب ہم تھوڑی سی تکلیف
سے بچنے کے لئے اپنے اصول یا دھرم کو چھوڑ دیتے ہیں۔ تو میں اسے کیرکٹر کی
بڑی کمزوری سمجھتا ہوں۔ آگے چلئے۔ یہاں پر کھانا کھاتے وقت عموماً لوگ
پانی کی جگہ شراب وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو میں نے دیکھا۔
جو کہ خود بخود دل میں شرما کر تھوڑا تھوڑا شراب وغیرہ کا استعمال بھی شروع کر دیتے
ہیں۔ میں یہاں یہ نہیں عرض کرتا۔ کہ کھانے پینے کا دھرم سے کیا تعلق ہے
بلکہ صرف یہ کہ ہمارے نوجوان کس طرح آہستہ آہستہ اُن باتوں میں پڑتے ہیں
جن کا استعمال وہ ہرگز وہاں پر نہ کرتے۔ اس سے آگے چلکر وہ یہاں کے لباس

کے علاوہ رواجوں میں بھی پڑنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اُن کا بہت سا روپیہ اور وقت اس کے دھیان میں چلا جاتا ہے +

سب سے بڑھ کر بُرا اثر ہماری اخلاقی حالت پر ہوتا ہے۔ یہاں کی سوسائٹی کی معمولی حالت ہماری سوسائٹی کی حالت سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں شروع ہی سے بچے چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ ملتے ہیں۔ پھرتے ہیں اور اُن سے ہی دوستی کرتے ہیں۔ اِس میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ بڑے ہو کر بھی لڑکیوں کی سوسائٹی میں رہنا اُن کے لیے معمولی بات ہے۔ شروع سے ہی ایک خاص حد کا ضبط وہ قدرتاً سیکھ لیتے ہیں۔ ہمارے نوجوان جو اس قدر عرصہ بالکل ضبط میں پلے ہوں۔ دوسری لڑکیوں سے کبھی میل ملاپ نہ رکھا ہو۔ اچانک ایسی سوسائٹی میں آ پڑتے ہیں۔ جہاں پر یہ میل و ملاپ معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ اُن کی ضبط کی زنجیریں بالکل ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور اس خاص حد سے گزر جاتے ہیں۔ جو کہ یہاں کی سوسائٹی میں ایک ضروری اور معمولی بات ہے اس کا اثر بہت زہریلا ہوتا ہے۔ کئی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ اچھے شریف زادے اِس سے بالکل اخلاقی اور جسمانی طور پر تباہ ہو گئے۔ اِن دل کش ترغیبوں میں پھنسکر ہمارے نوجوان انگریزی کریکٹر کی وہ خوبیاں جو کہ اِس قوم کو بڑا بناتی ہیں نہیں سیکھ سکتے۔ کیونکہ یہ کمزوریاں کریکٹر کی بنیادیں کمزور کر دیتی ہیں مثلاً ہمارے نوجوان جو کہ یہاں سے واپس ہو کر جاتے ہیں عموماً وہ مذہب سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ خوبی اُنکے اندر کہاں سے آ جاتی ہے انگریزی قوم کے رگ و ریشہ میں اپنے مذہب کی محبت بھری پڑی ہے ہر اتوار کو کوئی ہی ایسا شخص ہوگا جو کہ اپنے چرچ میں نہ جاتا ہو اور کچھ تھوڑا بہت ان باتوں میں نہ دلچسپی + بڑے بڑے اچھے بھلے نوجوان یہاں آ کر بالکل تبدیل ہو جاتے ہیں اسلئے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ گو ہمارے نوجوانوں کے یہاں آنے میں مختلف اور بیشمار فائدے ہیں مگر ان کا کمزور یا تباہ ہو جانا سب سے بڑا خطرہ ہے +

پی ۔ سی ۔ وشنو

ہماری بہبودی کا مدار

از لالہ اَمولک رام پلیڈر راولپنڈی

ہمارے محترم دوست ان محبان وطن میں سے ہیں جنکے پہلو میں ایک ہمدرد دل قومی تنزل کے درد سے بیقرار ہے اور راستی کی پیروی میں جو تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اُن کا مردانہ وار ہمت و استقلال سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اور اُف نہیں کرتے۔ پولیس کی غلط بیانیوں کی بدولت راولپنڈی میں جس مصیبت کا سامنا ہوا۔ اس سے منہ موڑا۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستانی امتحان راستی میں تکالیف کی پرواہ نہیں کرتے۔ ذیل کے مضمون میں ایک قابل تقلید نصیحت کی گئی ہے۔ ایڈیٹر

اِس میں تو کلام نہیں۔ کہ فی زمانہ ہندوستان کی حالت خواہ پولٹیکل۔ سوشیل یا اِکنامک [illegible] بہت ہی گری ہوئی ہے۔ اور اگر یہی حالت رہی۔ تو وہ ہندوستان جو ہزاروں سال کی غیروں کی مطابعت کے باوجود آج تک زندہ ہے مر جاوے گا۔ گذشتہ اور حال کی عمل داری اغیار میں بڑا فرق ہے۔ یہ ہم کو ایک بڑا سبق دینے والی بات ہے ہمارے بزرگان آریہ فاتحان ہند نے پہلے پہل وہ تمیز فاتح اور مفتوح اقوام میں قایم کی۔ جس کی تجدید ایک دوسری شاخ خاندان آریہ ہماری تہذیب اور بربادی کا باعث بن رہی ہے۔ مگر پھر بھی سابقہ زمانہ کی تمیز ایسی بری نہیں تھی۔ جیسےکہ موجودہ تمیز ہے۔ سابقہ زمانہ میں فاتح قوم اِس ملک میں آباد ہو گئی تھی۔ اور گو اُس نے وَیش اور شودر کو ذلیل قرار دے دیا تھا۔ تاہم ایک گونہ اُن کو اپنے اقتدار کی ترقی اور فاتح قوم میں قومیت کا فخر حاصل کرنیکا موقع خواہ لفظاً نہیں عملاً دے دیا تھا۔ جن صاحبان نے ہندوستان کی اتھنالوجی یعنی

علم اختلاط قومی کا مطالع کیا ہے۔ اُن کو معلوم ہے۔ کہ بہت سی اقوام منجملہ اصلی باشندگان ہند آریوں میں شامل ہو گئیں۔ آپس میں شادیاں بھی ہو جاتی تھیں۔ اور اسیہ قوم کے طریق رہائش اور رواج کے اختیار کرنے سے آہستہ آہستہ وہ آریوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ یہ با وجہ یاد رکھا جاتا ہے۔ کہ راجپوت جنہیں اگنی کل بھی کہتے ہیں۔ اصلی آریہ نہیں تھے۔ مگر ضرورت کے وقت برہمنوں نے اُن کو آریہ کا رتبہ دے دیا۔ اسیریا اور بیبلون کی فتوحات کا چنداں حال اب تواریخ موجودہ سے نہیں ملتا۔ مگر یونانی فاتح جو ہند کے قرب و جوار میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ بھی آریہ قوم سے تعلق و معاشرت کے ذریعہ ملتے گئے۔ مسلم فاتح بھی اِس ملک میں ٹھہر گئے تھے۔ اور خواہ عافیت جان و مال ایسی اُن کے زمانہ میں نہ ہو جیسی اب ہے۔ مگر چونکہ وہ بھی اسی کشتی میں سوار تھے۔ اور کسی اور ملک کو اپنا گھر نہیں سمجھتے تھے۔ ہندوستان کی بھی حالت موجودہ زمانہ سے بدرجہا بہتر تھی۔ کسی غیر فاتح قوم نے ہندوستان کی آرزوؤں اور اُمنگ کو ایک خاص احاطہ کے اندر جکڑا نہیں تھا۔ جیسا کہ یہ آج کے زمانہ میں جکڑے گئے ہیں۔ یونانی اور ہندوستانی تو آپس میں رشتہ کرتے تھے۔ یہ ایک خیال ہو سکتا ہے۔ کہ باقی مدارج میں اُنھوں نے کوئی تمیز رکھی ہو۔ زمانہ اسلام میں سلاطین مغلیہ نے ازدواج کے ذریعہ تعلقات باہمی بڑھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ یک طرفہ اور قلیل مقدار میں ہی رہی۔ کیونکہ اُنہوں نے قاعدہ قدرت کو چھوڑ کر زور سے اس مرحلہ کو طے کرنے کی کوشش کی۔ مگر اور کسی طرح کی تمیز فاتح اور مفتوح قوم میں نہیں تھی۔ مغلوں کے بڑے جرنیل۔ مالی افسر اور صوبجات کے گورنر ہندو تھے۔ غرضیکہ مفتوح قوم کے افراد کی آرزو اور اُمنگ کے واسطے کوئی قید نہیں تھی۔

ممکن ہے۔ کہ عملاً۔ اوسطاً اُن کو فاتح قوم کے افراد کے مساوی موقع نہ ملتا ہو مگر اصولاً اُس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ حاکم وقت اپنی عنایات کی تقسیم میں اپنی ذاتی واقفیت کو بہت عمل میں لاتے تھے۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ چونکہ اہل ہنود کو عام طور پر بارگاہِ حاکم وقت میں اتنا دخل نہیں ہوگا۔ جتنا کہ اہل اسلام کو۔ اُنکے حق داروں کو حصہ کم ملتا ہو۔ مگر قسم عنایات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ زمانہ حال اور سابق میں ایک اور بڑا فرق یہ ہے کہ زمانہ سابق میں کسی بادشاہ نے خواہ وہ کتنا ظالم کیوں نہیں تھا مفتوح ہندوستانیوں کو اختہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جیسا کہ فی زمانہ کمال کامیابی سے کی جاتی ہے۔ انگریزی مثل ہے۔ کہ Opportunity makes a man انسان کی پوری طاقت اور قابلیت کے ظہور کے واسطے موقع درکار ہے۔ اگر ایک قوم کو چند پشت اور صدیوں تک اپنی قابلیت اور طاقت کے اظہار کا موقع قطعاً نہ دیا جاوے۔ تو وہ جہاں تک اسی طاقت اور قابلیت کا تعلق ہے مردہ ہو جاوے گی ٭

گزشتہ تواریخ کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے۔ کہ بنگالی قوم میدان جنگ میں بڑی بہادر ہو چکی ہے۔ اتفاقات زمانہ کے باعث وہی قوم تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ کہ بزدلوں میں اول سمجھی جاتی تھی۔ اب ہندوستان میں ہندوستانیوں کو اعلےٰ مدارج مالی۔ فوجی۔ تعلیمی وغیرہ میں اپنی قابلیت یا لیاقت کے اظہار کا موقع دینا تو ایک طرف اُن کو صاف الفاظ میں لارڈ کرزن نے کہدیا ہے۔ کہ وہ اُس کی اُمید ہرگز نہ رکھیں۔ ہر صیغہ میں امپیریل Imperial اور پراونشل Provincial ملازمت کی تمیز کر دی گئی ہے۔ اس کر پیشتر گو عمل کچھ بھی ہو مگر قیصر ہند کا اعلان ۱۸۵۸ء کچھ ڈھارس دیتا تھا۔ اب تو

جا تا رہا۔ موجودہ اس عام یوں تو باعث خوشی ہے۔ مگر غور سے دیکھو
ؔ سابق کی غیر مکمل حکومت اور انتظام میں کسی نہ کسی قاعدہ ایوولیوشن
[illegible] کے مطابق سر اُٹھانے کا موقع ملجا تا تھا۔ سکھ
۔ راجپوت اور مرہٹہ نے سلطنت مغلیہ کے ایام میں ادبار میں یہانتک
پا لیا تھا۔ کہ سر ولیم ہنٹر کی یہ رائے کہ انگریزوں نے ہند مسلمانوں سے فتح
کیا۔ بلکہ اہل ہنود سے بالکل صحیح ہے۔ اب یہ امکان بھی معدوم ہوگئے
وال یہ ہے کہ ہم کریں تو کیا ؟
پولیٹکل معاملات میں سوائے عرضداشت کے اور کچھ نہیں۔ اور
داشتوں کا قبول ہونا اپنے ہاتھ میں نہیں۔ جب تک وہ قانونی طور پر
محروم رکھ سکتے ہیں۔ آپ کو کسی حق کے ملنے کی اُمید نہیں۔ سماجک
یل معاملات میں ضروری ہے کہ تعلیم ملک میں خوب پھیل جاوے۔ ہماری
سلسلہ غیروں کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کو پوری مقدار میں بڑھانے
سطے ابھی دیر ہے۔ الغرض تعلیم کا سلسلہ ہماری کل بہبودی کا مدار ہے
۔ ہمیں کامیاب ہونا ہے۔ تو اس کو جلدی ایک قومی بنیاد پر قایم
عالمگیر کر دینا چاہیئے۔ مگر ہمارے تمدن کا ایک اور پہلو ہے۔ جو بالکل
ے ہاتھ میں ہے۔ اور اگر اُس کے واسطے ہم کسی قدر قربانی پر طیار ر
[illegible] تو ہم جہاں تک ہماری
کل [illegible] غلامی ہے۔ وہ ختم ہو جاوے گی
لامی کی مختصراً تواریخ دینے کی ضرورت ہے۔ عملداری سرکار انگریزی
یشتر ہندوستان نہ صرف یہاں کے باشندوں کی ضروریات اور
یش اور آرام کے مہیا کرنے کے لئے کافی تھا۔ بلکہ کل دُنیا کی حاجتوں کو

بڑی خوبی سے پورا کرتا تھا۔ اور کپڑا وغیرہ ہر ایک چیز یہاں کے کاریگر ایسی نفاست اور افراط سے تیار کرتے تھے۔ کہ وہ غیر ممالک میں جا کر اتنا سستا بکتا تھا۔ کہ وہاں کے کاریگر اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ بیوپار اپنے باشندوں میں لیا۔ اور کل یورپ اور دیگر ممالک میں ہندوستان کی طیار کردہ اشیا اس افراط سے جانے لگیں کہ انگلستان کے کاریگر بھوکوں مرنے لگے۔ یہاں کی نفیس اشیاء کے مقابلہ میں اُن کی بھدی دستکاریاں کون پسند کرتا تھا۔ خصوصاً جب یہ اُن کے مقابلہ میں سستی ملتی ہوں۔ انگلستان کے کاریگروں کے واویلا پر ہندوستان کی اشیا پر ۵۰ لغایت ۱۰۰ بعض اوقات ۳۰۰ فیصدی ٹکس لگایا گیا۔ تاکہ یہ اشیاء انگلستان میں سستی بک نہ سکیں۔ صرف یہ ہی نہیں اہل دول لوگ پھر بھی ہندوستان کی عمدہ تیار شدہ اشیاء کو ترجیح دیتے رہے۔ جس کے روکنے کے واسطے یہ ضروری سمجھا گیا کہ جو شخص ہندوستان کی تیار کردہ اشیاء استعمال کرے گا وہ مستوجب سزا جرمانہ اور قید ہو گا۔ اسی طرح کی قیود امریکہ میں رائج کی گئیں۔ امریکہ کی تیار شدہ اشیاء انگلستان میں آنے نہیں پاتی ہیں۔ مگر انگلستان کی تیار شدہ اشیاء اُن کو بلا محصول لینی پڑتی ہیں۔ بڑا باعث جس نے امریکہ نو آبادی اور سلطنت انگریزی میں لڑائی کرائی۔ اور امریکہ کو آزادی حاصل ہوئی یہ ہی تھا۔ انگلستان کے اس سلوک کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہندوستان کے کاریگر کمزور ہو گئے۔ اور غیر ممالک کی تجارت اُن کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ انگلستان کے کاریگر جب اُن کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ رہا۔ زور پکڑتے گئے۔ اور جب وخانی طاقت اُن کے ہاتھ آگئی۔ تو ہمارے کاریگروں کو تباہ کرنے کے واسطے آزادی تجارت Free Trade کا بہانہ لگا دیا۔ انگلستان نے

صرف اسی پر اکتفا نہیں کی ۔ بلکہ جب ہندوستان میں بھی کچھ کپڑا دخانی طاقت سے بننے لگا ۔ تو [illegible] [illegible] کو لا داخل کیا ۔ اس کا مطلب یہ ہے ۔ کہ ہندوستان کی تیار شدہ اشیاء انگلستان کی تیار شدہ اشیاء سے سستی نہ بک سکیں ۔

ان حالات کے معلوم کرنے کے بعد کون کہہ سکیگا ۔ کہ بائیکاٹ کا قاعدہ جو حال میں ایک حصہ ہند نے اختیار کیا ہے ۔ کہاں تک بلا سند ہے انگریزوں نے اس پر بڑی شد و مد سے عمل کیا ۔ اور اسی کے ذریعہ اپنی اکنا کل آزادی [illegible] حاصل کی ۔ امریکہ نے بھی اسی پر عمل کیا ۔ آیرلینڈ بھی اسی پر عمل کر رہا ہے ۔ ہمارے اور آئرلینڈ اور دیگر ممالک میں فرق یہ ہے ۔ کہ جہاں انگلستان اور دیگر ممالک کو ان معاملات کے متعلق قانون بنانے کا اختیار ہے ۔ ہندوستان کی ضروریات کو گورنمنٹ ہند قوانین بنانے کے وقت خاص طور پر ملحوظ نہیں رکھتی بلکہ اس کی نظر میں معیار قومی قانون سلطنت انگریزی کی بہبودی ہے ۔

جن ممالک میں اپنی حرفت اور صنعت کو محفوظ رکھنے کے واسطے قوانین بنائے جاتے ہیں ۔ وہاں کے باشندوں کو بھی کسی قدر قربانی کرنی پڑتی ہے ۔ مگر چونکہ وہ معنوی طور پر [illegible] عمل میں آتی ہے ۔ محسوس نہیں ہوتی ۔ مگر اپنی ہستی کے واسطے ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم اپنی حرفت اور صنعت کی حفاظت کریں ۔ اور اس کے واسطے ہر ایک تکلیف اور خرچ برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں ۔ تکلیف اور خرچ بھی چنداں زیادہ نہیں ۔ کچھ عرصہ تمہیں موٹے موٹے کپڑے پہننے پڑیں گے ۔ اور بعض اشیاء کا مول زیادہ دینا پڑے گا ۔ مگر یہ کوئی بڑی بات نہیں ۔ روز کے قحط اور جانوں

کے ضائع ہونے کا باعث صرف افلاس ہے۔ ہندوستان کا کوئی حصہ اب ایسا نہیں۔ جہاں غلہ ہر ایک قسم کا کافی مقدار میں نہ ملجاوے۔ خواہ امساک بارش کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ قحط کی زیادتی کا باعث صرف یہ ہے۔ کہ میدان مزدوری بہت تنگ ہوگیا ہے حرفتوں اور صنعتوں کی بیقدری کے باعث ہمارے جولاہے۔ موچی۔ سنار۔ آہنگر۔ ہنرمند مٹ گئے۔ یا تو مرکھپ گئے۔ یا زمینداری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ زمینداری کا میدان اتنا وسیع نہیں کہ غیر محدود تعداد کی روزی مہیا کر سکے۔ اس۔ لئے اس افراط سے زمینداروں کی آمدنی کم ہو گئی۔ اور سرمایہ کے اجتماع کا موقع جاتا رہا۔ ذرا امساک بارش ہوئی۔ زمیندار کے پاس پیسہ نہیں جس سے اور جگہ کا آیا ہوا غلہ خرید سکے۔ اور بھوک سے مرنا شروع ہوا۔ افلاس کے باعث انسان کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ہیضہ۔ طاعون۔ بخارات موسمی وغیرہ امراض کے باعث اموات کی تعداد بڑھ گئی۔ بنگال کی حالت دیکھو۔ تھوڑے سے بائیکاٹ سے ہزاروں جولاہے موچی وغیرہ جو زمیندار بن گئے تھے اور ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اپنے قدیمی پیشہ پر واپس آگئے۔ اور اب پیٹ بھر کر روٹی کھا رہے ہیں۔ اگر ہندوستانی چاہتے ہیں۔ کہ ان کی ہستی قائم رہے۔ تو اُن کا یہ فرض ہے۔ کہ بائیکاٹ کے ذریعہ اپنی حرفت اور صنعت کی حفاظت کریں۔ اِس لفظ میں کوئی ممانعت قانون نہیں۔ اور اِس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ؕ

امولک

سورت[1] کا نظارہ

سورت وہ سورت جو آج ملک و قوم کے پجاریوں کا تیرتھ ہے اور جہاں آج وہ جاتری جن کا سال بھر انتظار رہیں گذرتا ہے عقیدتمندی کی صورت بنے ایک کشش سے کھینچے جاتے ہیں۔ اُن شہروں میں سے ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تاریخ کے شوقین کو سورت کی صورت میں وہ نقش دکھائی دیتے ہیں۔ اور وہ اوراق پریشان نظر آتے ہیں جنہیں وہ شوق سے دیکھتا اور دلچسپی سے پڑھتا ہے۔ سورت کا درجہ جیسا تاریخ میں ممتاز ہے ویسا ہی اس نے کانگرس کی تاریخ میں ایک قابل یادگار واقعہ پیش کیا ہے کانگرس کی اُنیس سالہ زندگی میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ کانگرس کا انعقاد مقررہ مقام سے بدلا ہوا اور اُس نے ایک میزبان کی مہمانی سے انکار کرکے کسی دوسرے میزبان کی دستگیری کی ہو۔ اگرچہ یہ واقعہ ایک افسوسناک بات ہے۔ کیونکہ مہمان اور میزبان دونوں کبھی خوشی سے اس طریق کو پسند نہیں کر سکتے۔ کانگرس کا مقررہ مقام تبدیل کرنے میں غلطی یا مصلحت تھی گئی۔ اس مضمون پر اس وقت

[1] ہندوستان اینڈ انڈیا بادہ برگوں "سٹی آف گجرات" "انڈسٹریز سٹرن انڈیا" بمبئی گورنمنٹ ریویو نمبری وہ کلکتہ ریویو جلد و کیمپ بزنس "بمبئی گزیٹیئر" ہربرٹ "انڈین جرنل" "لطف اللہ کی سوانح عمری" مالا باری کی "گجرات اور گجراتی" مربز "ہینڈبک آف بمبئی پریذیڈنسی" "پاسٹ اینڈ پریزنٹ" مطبوعہ ۱۹۱۶ء ہربرٹ کا سفرنامہ "سٹیفنز" بمبئی سے دہلی" +

ہم بحث کیا نہیں چاہتے۔ کیونکہ یہ ایک علیحدہ مضمون ہے۔ مگر ہم اس واقعہ سے اس نتیجہ پر ضرور پہنچتے ہیں۔ کہ کانگرس کو ابھی بہت سی ابتدائی منزلیں طے کرنی ہیں۔ اور ازاں جملہ ایک مستقل فنڈ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر ایسے ہی مواقع کانگرس کو اپنا مقام تبدیل کرنے پر مجبور کر دیں اور دوسرا کوئی میزبان دعوت دینے کے لئے تیار نہ ہو۔ جو دوسرے کے مہمان کو جگہ دے سکے (اگرچہ کانگرس کی ہر دلعزیزی کے باعث یہ ایک دشوار امر ہے) تو اس وقت کانگرس کا انعقاد کس شہر میں ہوگا؟ اور اس کے کثیر اخراجات کا کون متحمل ہوگا؟ اگر مستقل فنڈ ہوگا۔ تو وہ ایسے موقعوں پر کام میں لایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس فنڈ کی مدد سے وہ صوبے بھی جن میں یا تو جان نہیں یا اتنی توفیق نہیں۔ کہ کانگرس کو مہمان کر سکیں۔ کانگرس کے انعقاد سے فائدہ اٹھا سکینگے اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ وہ محروم رکھے جائیں۔ محض اس لئے کہ یا تو اُن میں توفیق نہیں یا ایسے باہمت لوگ موجود نہیں۔ جو اس اہم ذمہ واری کو اپنے ذمہ لے سکیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ اوروں کی نسبت زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان میں بھی کانگرس کو مقبول بنانا ضروری ہے۔ انہی خیالات کی کشمکش میں ریل جو اپنی کھٹ پٹ سے ہمارے خیالات کی تائید کرتی رہی۔ سورت جا پہنچتی ہے۔ اور وہ متبرک نظارہ ہمارے سامنے پیش کر دیتی ہے جس کی تصویر کا عکس عرصے سے ہمارے دماغ میں تھا +

سورت گجرات کے علاقہ میں خاصا بڑا شہر ہے اور مغربی احاطہ میں بمبئی کے شمال کی طرف ۱۶۷ میل کے فاصلہ پر دریائے تاپتی کے کنارے بمبئی۔ بڑودہ۔ سنٹرل انڈیا ریلوے کے علاقہ میں واقع ہے۔ سورت میں رہائش کی قلت ہے۔ دریا کے کنارے صرف ایک چھوٹا سا ڈاک بنگلہ ہے۔ اور

ریلوے سٹیشن پر جس کے ویٹنگ روم نہایت خوبصورت ہیں چند رہائشی کمرے ہیں۔ روئی کے کئی کارخانے جو بلند حوصلہ تجاروں کی ہمت کی تصویریں ہیں شہر کی رونق کو دوبالا کرتے ہیں +

شام کو سیر کو نکلیئے۔ تو بازار میں عجیب نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ کہیں کمخواب بُنی جا رہی ہے۔ کہیں زردوزی کا کام ہو رہا ہے۔ کہیں جڑیے اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور کہیں صندل پر نقش کئے جا رہے ہیں۔ یہ چیزیں گجرات کا تحفہ ہیں۔ اور ان کے کاریگروں کو کام کرتے دیکھنا خالی از دلچسپی نہیں +

فورسٹ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "ان مسافروں کے لئے جنہیں برطانیہ کے عروج کی تاریخ سے دلچسپی ہے۔ بمبئی کے بعد سیر کا مقام سورت ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں قوم برطانیہ کے اولالعزم بہادر ان مدت کی سرگردانی کے بعد پہنچے اور یہاں ایک چھوٹی سی فیکٹری قائم کی۔ جو بعد میں ایک عظیم الشان ایشیائی تجارتی کمپنی کی بنیاد ثابت ہوئی۔ یہ چھوٹی سی فیکٹری ایک صدی بلکہ اس سے بھی کم عرصہ میں ایک ایسی عظیم سلطنت بن گئی جس کی عظمت و شوکت رشک "روم" ہے" +

یہ باتیں سورت کی تاریخی عظمت کا پتہ دیتی ہیں۔ موجودہ تاریخ میں بھی اس نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ مگر چونکہ ہماری غرض سورت کی تاریخ بیان کرنا نہیں۔ بلکہ اس کے نظاروں کی سیر کرنا ہے۔ اس لئے ہم اپنے ناظرین کی توجہ اس طرف منعطف کرتے ہیں +

سنہ ۱۵۴۰ء میں ایک مغل افسر نے جسے شاہ گجرات کی خدمات کے صلہ میں یہ خطہ زمین ملا تھا۔ اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور ایک عظیم الشان محل بنایا تھا۔ جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ یہ محل سنہ ۱۸۶۲ء تک انگریزی فوج کی رہائش کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔ شہر کے گرد جو فصیل ہے جو قریباً چھ میل میں پھیلی ہوئی ہے

ہے جس پر برج بنے ہوئے ہیں۔ مگر اب سب شکستہ پڑے ہیں۔ اِس فصیل میں بارہ دروازے ہیں۔ اور محل کی حفاظت کے لیئے فصیل کے اندر ایک اور دیوار ہے موجودہ شہر جسے پرانے شہر کا دھندلا سا نقش کہنا چاہئے بہت آباد ہے۔ بڑے بڑے بازاروں کے دونوں طرف جو بد قسمتی سے اکثر اگنی دیوتا کی بھینٹ ہو چکے ہیں۔ خوبصورت مکانوں کی قطار ہے۔ جن کے نقش و نگار والے لکڑی کے برآمدے نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ بازاروں اور گلیوں کے سوا مسٹر مالاباری کہتے ہیں کہ سورت میں کوئی قابل دید چیز نہیں۔ ان کا بیان ہے۔ کہ "سورت اپنی گذشتہ سورت کا عکس ہے۔ اس میں تجارت کا شوق مٹ چکا ہے صاحب ثروت لوگوں کو بیکار پڑے رہنے سے کام ہے۔ اور اس کا تمدن دن بدن گرتا جاتا ہے"۔ یہ سب کچھ ممکن ہے۔ ۲۰ برس پیشتر جب مسٹر مالاباری نے سورت کے حالات قلمبند کیئے تھے۔ درست ہوگا۔ مگر اِس میں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ شہر اور اِس کے باشندوں نے نہایت تیزی سے نمایاں ترقی کی ہے اور کانگرس کے انعقاد کا اِس قدر جلد انتظام ہو جانا بجائے خود ان کی ترقی کا زبردست ثبوت ہے۔ ماسوا اِس کے یہ امر واقع ہے۔ کہ موجودہ سورت نے اپنی سلطنت مغلیہ کے زمانہ کی عظمت کو قائم رکھا ہے۔ مسٹر مالاباری کہتے ہیں۔ کہ "سورت ایک صدی پیشتر ایک دلکش نظارہ پیش کرتا تھا۔ اگرچہ وہ بھی اس کے زوال کا زمانہ تھا۔ اِس قدر معلوم کرنے پر قدرتاً یہ اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔ کہ آخر اِس کی بربادی کیونکر ہوئی۔ جواب میں صرف یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ ساری بربادی طوفان اور آگ کی بدولت ہے۔ بلکہ طوفان نے آگ کی نسبت اِس کے برباد کرنے میں زیادہ حصہ لیا ہے۔ بربادی کے بواعث میں دریائے تاپتی کا خشک ہو جانا۔ اور جزیرہ بمبئی کی شان و ترقی بھی ہے"۔ وہ شہر جو آگ اور طوفان سے برباد ہوا ہو آثار کے مقابلے میں قابل تعریف

نہیں ہوسکتا۔ اور جہاں تک قابل سیر مقامات کا تعلق ہے مسٹر مالا باری یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ "سورت میں بہت کچھ دیکھنے کے قابل نہیں" +

مسٹر فورسٹ لکھتے ہیں۔ کہ "سیلانی کے دل پر گذشتہ عظمت وشوکت کی یاد تازہ کرنے کے لئے اب صرف قبرستانوں میں قبروں کے نشان باقی ہیں۔ جنہیں فن سنگ تراشی کا اعلےٰ نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ ان نشانوں میں سے جو انگریزی قبرستان میں ہیں۔ سب سے بڑا مینار کرسٹوفر اور سر جورج آکسینڈن کی قبر کا ہے اگرچہ جورج آکسینڈن کی قبر میں بناوٹ کے لحاظ سے کوئی دلفریبی نہیں۔ مگر یہ کہنے میں تامل نہیں۔ کہ یہ اس دلاور شخص کی شان کے قابل یادگار ہے جس نے انگریزوں کی مٹھی بھر فوج سے ساری مرہٹہ فوج کا مقابلہ کیا۔ اور اپنی فیکٹری کو اُن کے حملوں سے بچایا۔ یہ عالی شان مقبرہ ایک مربع قبر ہے۔ جس کی بلندی ۴۰ فٹ اور جس کا قطر ۲۵ فٹ ہے۔ چاروں کونوں پر بڑے بڑے ستون ہیں جو گنبد کو سر پر لئے کھڑے ہیں۔ ان گنبدوں پر جانے کے لئے سیڑھیاں اور راستے ہیں۔ انگریزی قبرستان کے بعد ڈچ قبرستان کا درجہ ہے۔ اِس میں صرف ایک قابل دید قبر مشہور عالم بیرن وان ریڈ کی یادگار ہے۔ یہ قبر ہشت گوشہ ہے۔ اوپر دو بڑے بڑے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ اور نیچے اوپر ستونوں پر گیلری بنی ہوئی ہے۔ بقول مسٹر فورسٹ سیلانی کے دل میں اُن شہروں کی یاد تازہ کرنے کے لئے جن پر ڈچ لوگوں کا تسلط تھا۔ اب کچھ باقی نہیں سوائے اِس کے کہ اُن کے قلعوں کے چند شکستہ برج دکھائی دیتے ہیں۔ یا پرانے قبرستان میں چند بڑی بڑی قبریں دریا کے کنارے دکھائی دیتی ہیں یا بمبئی اور مدراس میں پرانے کاغذات کا جو ذخیرہ ہے۔ اُن میں اِن کا ذکر ہے +

قبرستان کے بعد ہم اس محل کی طرف لوٹتے ہیں۔ جسے یہاں کے لوگ قلعہ کہتے ہیں۔ یہ ایک تاریخی دلچسپی کا مقام ہے۔ شہر کے وسط میں دریا کے کنارے کھڑا آسمان سے باتیں کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ اصل میں چھوٹے چھوٹے متعدد قلعوں کا ایک بے قاعدہ مجموعہ ہے۔ کونوں پر برج بنے ہوئے ہیں۔ جن کے اوپر سے شہر کا نہایت عمدہ نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ محل بجائے خود ایک قابل دید چیز ہے۔ اس کی دیواروں کا آثار ۸ فٹ ہے۔ اور قریباً ایک ایکڑ کے فاصلہ میں بنا ہوا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مینار قریباً ۸۰ فٹ بلند ہے۔ بقول مسٹر مالاباری یہ محل پتھر کی ایک مضبوط چٹان ہے۔ جو حوادث زمانہ کا مقابلہ کر رہی ہے۔ یہ قلعہ مسلمانوں کی صناعی کا نمونہ ہے۔ اور دیکھنے کے قابل ہے محل کے پاس ہی بالکا سجیلا وکٹوریہ گارڈن ہے۔ جو قریباً ½ ۸ ایکڑ میں پھیلا ہوا ہوگا۔ جس میں گجراتی گل بوٹے اجنبی کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں گلگشت چمن میں ہوپ برج کا دلکش نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ اور پانی کی چمکیلی لہریں تماشائی کو محو کرتی ہیں۔ یہ پل دریائے ٹاپٹی پر بنا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ ہندوستان میں سب سے اچھا رین کا پُل ہے۔ اس کا پیارا نام ضلع کے ہردلعزیز حاکم سر تھیوڈر ہوپ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ پُل کی ساخت عجیب ہے۔ نہایت مضبوط لوہے کی ، جالی دار محرابیں ڈھلے ہوئے لوہے کے ستونوں پر بنی ہوئی ہیں۔ اور یہ ستون ریت اور دلدل میں ۴۳ فٹ گہرے گاڑے گئے ہیں۔ لاگت کا اندازہ ۵، لاکھ روپیہ سے زیادہ کیا جاتا ہے۔ محل سے ایک سیدھی سڑک ریلوے سٹیشن سے ہوتی ہوئی گھنٹہ گھر جاتی ہے۔ یہ نہایت عالی شان ۱۰۰ فٹ اونچا مینار ہے۔ جو ۱۸۷۱ء میں تعمیر ہوا تھا۔ اسکی ۸۵ سیڑھیاں ہیں۔ مگر اس پر سے جو نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ اُس کے لحاظ سے

اس پر چڑھنا چنداں ناگوار نہیں معلوم ہوتا۔ اس سے ذرا آگے بڑھ کر ٹاؤن ہال ہے۔ یہ ایک خوبصورت چوگوشہ عمارت ہے۔ جو ۱۷۲۳ء میں جب قوت اپنی شان میں تھا۔ مسافرخانہ کے طور بنائی گئی تھی مگر اب ضرورت کے مطابق تبدیل کر لیا گیا ہے۔ ڈچ۔ انگریز اور اہل پرتگال کی فیکٹریاں جو نہایت عالیشان اور مضبوط بنی ہوئی ہیں۔ اب بطور رہائشی مکانات کے استعمال ہو رہی ہیں +

معابد کی حالت کچھ اچھی نہیں۔ ان کی بابت مسٹر کین نے سچ کہا ہے کہ "زمانہ سلف کی صناعی کا کوئی اعلےٰ نمونہ نہیں" جامع مسجد میں ایک خصوصیت ہے جس کے لحاظ سے اسے دیکھ لینا چاہئے۔ یہ مسجد چینیوں کے بڑے مندر کی جگہ بنائی گئی ہے۔ نیچے کے حصہ میں اب تک چینیوں کے زمانہ کے ستون دکھائی دیتے ہیں۔ اور مندر کے سب سے بڑے بت کو سرنگوں راستہ میں دروازے پر لگایا گیا ہے۔ تاکہ صلح کل اور خدا پرست "نمازی" اس پر پیر رکھ کر مسجد میں جائیں۔ یہاں سید اور اُن کی مسجد کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے جو ۱۲۳۹ء میں بنائی گئی تھی۔ اور جس کا مینارہ صورت میں غیر معمولی طور پر قابل دید چیز ہے۔ مندروں میں صرف ایک قابل تذکرہ ہے۔ اور وہ سوامی نارائن کا مندر ہے۔ اُس کے تین برج شہر میں ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ ہسپتال مویشی بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ بیمار جانوروں کا علاج کیا جاتا ہے۔ کمزوروں کی پرورش کی جاتی ہے۔ اور انہیں آس پاس چراگاہوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ نکمے پالے جاتے ہیں۔ اور وہ بیمار جانوروں کی تیمارداری کرتے ہیں۔ یہاں بازاری کتوں کے پنجرے بھی ہیں۔ اور یہ نظارہ دل دکھانے والا ہے۔ ناامیدی کے عالم میں مایوسی سے چیختے ہیں۔ مگر ان کی آہ و بکا۔ نالہ و فریاد کون سنتا ہے۔ بیل بھیڑ بکریوں۔ بیمار پالتو پرندوں بلکہ کھٹمل جو سپتال میں تو کیڑوں مکوڑوں کی بھی پرورش کی جاتی

ہے۔ جیسے کہ کھٹمل۔ پسو اور چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے نہایت شوق سے پالے جاتے ہیں +

یہ ہیں موجودہ سورت کے مناظر کے مختلف حالات۔ وہ لوگ جو اس شہر کی تاریخ کے شوقین ہوں۔ اور گجرات کے اِس مشہور شہر کے عروج وزوال کا فسانہ پڑھنا چاہتے ہوں۔ اُن کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ جو ہم نے مضمون کے شروع میں نوٹ میں درج کی ہیں۔ اور ان سب میں سب سے زیادہ دلچسپ برگ صاحب کی سٹی آف گجرات سٹریٹ ۱۸۹۷ء (City of Gujarat 1897) ہے۔ جس میں سورت کے تاریخی حالات آباد ہونے کے زمانے سے لیکر موجودہ زمانہ تک نہایت وضاحت سے لکھے ہیں +

تاریخ ہند۔ لالہ جیا رام ایم۔ اے اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج نے ایشری صاحب کی تاریخ ہند کا اردو ترجمہ کیا ہے جسے مسرز کیرن اینڈ کمپنی نے ایک خوبصورت کتاب کی صورت میں چھپایا ہے۔ کتاب کی خوبصورتی اور جگہ بہ جگہ تصاویر کی دلفریبی نے جہاں کتاب کو دلچسپ بنایا ہے۔ وہاں پروفیسر صاحب نے صحیح اور بامحاورہ ترجمہ سے اردو زبان کی تصانیف میں ایک قابل قدر اضافہ کرنے میں پوری کامیابی حاصل کی ہے پروفیسر صاحب کا نام ہی کسی تصنیف کے قابل قدر ہونے کے لئے کافی ہے۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ سررشتہ تعلیم پنجاب مدارس کے لئے متعدد کاپیاں خرید کر مصنف کی حوصلہ افزائی نہ کرے +

نصائح وفا کے نام سے ہمارے نوجوان دوست نواب محمد عمر خان وفا رئیس اعظم حیدرآباد دکن نے جن سے ناظرین آزاد بخوبی آشنا ہیں۔ اور باوجود اس صغیرسنی کے متعدد کتابوں کے مصنف ہو چکے ہیں۔ ایک دلچسپ اور سبق آموز کتاب تصنیف کی ہے جس میں آپ کے بہت سے مضامین کے علاوہ ایک دلچسپ انتخاب بھی ہے۔ چھپائی لکھائی کے لحاظ سے کتاب نہایت پاکیزہ ہے۔ اور ہر طرح مصنف کی حوصلہ افزائی کی مستحق +

کانگریس و معراج کانگریس

از منشی ہر گوبند پرشاد نگم ایم۔اے

کانگریس کیا تھی؟ کیا ہے؟ اور کانگریس کو اب کیا ہونا چاہیئے؟ اور کانگریس کا معراج اصلی کیا ہے۔ جس کو مد نظر رکھ کر کانگریس ترقی کرنا چاہتی ہے اور جس کے حصول کے واسطے حامیان کانگریس اس قدر پاپڑ بیل رہے ہیں؟ چند سوال ہیں۔ جن کا جواب اس مضمون میں دینے کی کوشش کی جائے گی۔ سوالات نہایت غور طلب ہیں۔ اور جن کے جوابات ماضی تو خیر جو واقعی ہیں۔ وہ ہونگے مگر آیندہ کی بابت جوابات نامکمل اور قیاسی ہی ہوسکتے ہیں اور بمصداق اینکہ ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

میرے خیالات ناقص ہونگے۔ جن کو ناظرین والاتمکین کمال شوق سے اصلاح دیں اور درست کریں +

میں چند باتیں پیش کرتا ہوں۔ اور ضروری بات ہے۔ کہ ردّ و بدل و بحث مباحثہ قومی کے بعد بزرگ لیڈران قوم کی رائے سے یہ طے ہوں۔ میں پالٹکس کے میدان میں شہسوار تو درکنار پیادہ بھی نہیں۔ بالکل پا افتادہ ہوں۔ تاہم اخبار وغیرا میں تھوڑا بہت پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ بزرگان قوم و لیڈران ملک کے سایۂ عاطفت میں کچھ ترقی کر سکوں۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اس وادی دشوار گذار کی منزلوں کو کٹھن اور ناقابل گذر سمجھ چھوڑیں نہیں کچھ نہ کچھ ہو ہی جائیگا۔ ؎

مرد باید کہ ہراساں نشود مشکلے نیست کہ آساں نشود

ایک شخص جب قوی ارادہ کر لیتا ہے۔ تو اس کو مشکل آسان اور ناممکن ممکن نظر آتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک قوم کے افراد کام کریں۔ تو ممکن نہیں کہ پہاڑ کو بھی اُکھاڑ کر نہ پھینک دیں۔ سمندروں کو نہ پاٹ دیں۔ ندیوں کے رُخ نہ پھیر دیں ۔ دنیا کے ماضیات کو نہ بدل ڈالیں۔ اور تواریخ دنیا کے ہزاروں نئے صفحے نہ رنگ دیں ۔ ع

ہمتِ مرداں مددِ خدا

کانگریس کیا تھی؟

کانگریس کی ابتدا عجیب طرح سے ہوئی۔ اور یہ آغاز گو بادی النظر میں عجیب ہے۔ مگر مبصرانِ مدبرین اور واقف کارانِ تواریخ ماضی و حال کے واسطے محض معمولی۔ کیونکہ ہر کام کی ابتدا حقیر اور ہر بڑی تحریک کا شروع معمولی ہوتا ہے۔ اور اوسط طبقوں کے لوگ اِس کی خصوصیت اور عظمت کو نہیں سمجھتے ۔ سب سے عجیب بات کانگریس کی ابتدا کی یہ تھی۔ کہ ایک محب بنی نوع انسان انگریز اس کا اصلی بانی ہے۔ مسٹر ہیوم کے دل میں یہ خیال آیا۔ کہ ہندوستانی قوم کی پولیٹکل اصلاح اور قومی جہت کے واسطے کوئی ریپریزنٹیٹو باڈی ہونی چاہئے لیڈران قوم بھی اِس بات کے واسطے آمادہ تھے۔ مگر ناتجربہ کاری اور مدتوں کی غلامی نے اِنہیں اتنا پائمال کر رکھا تھا۔ کہ سر نہ اُٹھا سکتے تھے۔ دل ہی دل میں سمجھتے تھے۔ سوچتے تھے اور خون جگر کھا کر خاموش ہو جاتے تھے ۔ قصہ مختصر سہرا ایک انگریز ہی کے سر رہنا تھا۔ واقعی اس امر کی ضرورت تھی کہ آزاد قوم انگریز کا کوئی سلجھا ہوا محسن بنی نوع انسان ہندوستانیوں کو آزادی کا راستہ دکھلائے۔ اور اس کی تدبیر کا بنیادی پتھر اپنے آزاد اور محسن ہاتھوں سے

رکھے۔ تعلیم کی کمی۔ بزدلی اور غلامی کے خیالات کی زیادتی کی وجہ سے جو حالت اس وقت عوام کی تھی وہ ناگفتہ بہ ہے۔ تعلیم یافتہ گروہ میں بہت کم اور جاہل اور کم تعلیم یافتہ خصوصاً سرکاری نوکریوں کے متلاشیوں اور دولتمندوں نے اس کی مخالفت کی۔ اور یہ مخالفت بجا تھی۔ کیونکہ گورنمنٹ نے اس وفادار اور وفا شعار مودب مجمع کو شک کی نظر سے دیکھا۔ اور ان لوگوں پر مغایرت اور تحقیر کا فتوے پاس کیا۔ جو اس کے حامی تھے۔ پس لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ چند اُن لوگوں نے جن کی تعلیم کم تھی اور نوکری سرکاری کی تلاش رکھتے تھے۔ یا جو اس قسم کے کم تعلیم یافتہ گروہ کے سرپرست و والی وارث تھے۔ اِس کی مخالفت علانیہ کی اور حکام سرکار کو خوش کیا۔ اور اپنی خودغرضی اور مطلب پرستی میں کامیاب ہوئے۔ جو امرا تھے ان کو خطابات اور ملاقات اور شیک ہینڈ (مصافحہ) کی ایسی چاٹ پڑی تھی۔ کہ وہ ہرگز قومی تحریک میں شریک ہو کر حکام کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے بھی مخالفت کی۔ اور اِن میں اکثر صاحب دول تھے۔ رہے وہ عوام جو نہ خطابوں کے طالب تھے۔ اور نہ سرکاری ملازمت کی لیاقت اور خواہش رکھتے تھے۔ اور نہ اِن کو اپنی دولت کی ضبطی کا خیال تھا۔ وہ اِس سے بوجہ اپنی جہالت اور نادانی کے خائف رہے۔ مخالفت تو کر ہی نہ سکتے تھے۔ مگر اتنا نہ سمجھے۔ کہ یہ درد سر اُن ہی کے فائدہ کے واسطے مول لیا گیا ہے۔

پنجاب میں ایک شخص بھی ایسا نہیں۔ جس کو کانگریس کے بانی ہونے کا فخر حاصل ہو۔ ممالک متحدہ میں صرف ایک دماغ دار لاثانی شخص تھا۔ جس کا نام کانگریس نہ صرف کانگریس بلکہ ہندوستان کے صفحۂ تاریخ پر مثل آفتاب عالم تاب کے چمکے گا۔ جس کے نام سے مردہ رگوں میں جان دوڑتی ہے۔ اور جس کی روح ہندوستان کے گرے ہوئے بچوں کو اُٹھانے کی کوشش کر رہی

ہے - یعنی وہی زبردست مقرر پنڈت اجودھیا ناتھ جس کی نورانی تصویر ہر محب وطن کے دل اور مکرہ میں موجود ہے - اور جس نے اپنی دلیرانہ تقریروں سے اُردو زبان میں عوام کو اس طرح سے چتایا کہ سب نے کہا خوب! ان کو تبلا دیا کہ تمہارے حقوق کیا ہیں - اور ان کا طلب کرنا برٹش جیسی انصاف پسند حکومت میں بالکل جرم نہیں - لوگوں کی توجہ ادھر مبذول ہوئی - اور سوچنے لگے - مگر فلک کج رفتار کو کچھ اور منظور تھا - ہم سے ہمارے زبردست کام کرنے والے کو چھین لیا - اور پنجاب و ممالک متحدہ دونوں کو بیدست و پا کر دیا - منشی گنگا پرشاد ورما ایڈیٹر ایڈووکیٹ (انگریزی) و ہندوستانی (اُردو) سے پختہ مغز اور دیرینہ تجربہ کار ایڈیٹر بھی کانگریس کے بانیوں میں سے ہیں - اور آپ کا کام خاموشی اور راستی کے ساتھ رفتہ رفتہ خوب ہو رہا ہے - خداوندا! ان کو ہمارے سر پر مدت مدید تک قائم رکھے تاکہ اپنی روشن رائے سے ہماری رہبری کرتے رہیں ۔

بعد مسٹر اجودھیا ناتھ کے تقدیر ممالک متحدہ نے ایسا پلٹا کھایا - کہ باوجود اس کے کہ تعلیم اس صوبہ میں عام بھی ہے - مگر آدمی عنقا ہو گئے - کام کرنے والے مفقود کوئی لائق ذی استعداد ہوا بھی تو اس نے روپیہ رولنے اور آنریبل بننے کا پیشہ اختیار کیا - اور جو شہرت کا طالب ہوا - اس نے اپنی انگریزی و ہندی گویائی کو قوت دی - اور مختلف مذہبی اور زبانی معاملوں میں شریک ہو کر نام (بدنام) حاصل کیا - اور اصلی پولٹیکل ریفارم کے میدان میں نہ صرف پیچھے ہی رہ گئے - بلکہ چلے بھی نہیں - کسی اور ہی راستہ پر پڑ گئے - ان کی شہرت ان کو مبارک اور ان کی گویائی ان کے واہ واہیوں کو مبارک - ملک کو اس سے کیا فائدہ ؟

پارسی - بنگالی اور مرہٹہ لیڈروں کے زیر سایہ جن کے ہاتھوں نے اس پودے کو لگایا تھا - کانگریس نشوونما پاتی رہی - اور وہ زمانہ آگیا کہ گورنمنٹ کو معلوم

ہونے لگا۔ کہ کانگریس ایک قومی قوت ہوتی جاتی ہے۔ اور گذشتہ دو سال میں کانگریس کے حامیوں اور مخالفوں دونوں نے محسوس کیا۔ کہ واقعی کانگریس نے تعلیم یافتہ لوگوں میں قومیت کا ایک ایسا رشتہ مضبوط پیدا کر دیا ہے۔ کہ اس کا کہیں کہیں سے بھی توڑنا مشکل نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کو ہندوؤں سے برابر علٰحدہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور اس کا بھی موٹو (Motive) یہی ہے۔ کہ گورنمنٹ ہم سے خوش ہو۔ مگر اس جدوجہد کے مفاد و منفعت کو سمجھنے والے ہندو اور مسلمان بلاخیال اختلاف مذہبی شیر و شکر و گوشت و پوست ہیں اور بخوبی جانتے ہیں۔ کہ ہمارے پولٹیکل مقاصد ایک ہیں۔ اور ہم کو نفاق رکھنے میں سراسر زیان ہے +

کانگریس کیا ہے؟

کانگریس کیا تھی۔ کیونکر اس نے رفتہ رفتہ باوجود صدہا طرح کی مخالفت کے اپنے مستقل مزاج پارسی۔ مرہٹہ اور بنگالی۔ مدراسی لیڈروں کے زیر سایہ ترقی کی عرض کیا گیا۔ لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ اور حکام انگریزی کی خفگی سے ایسے خائف تھے۔ کہ باوجود ہمدردی کے اس میں شریک ہونے کا نام نہ لیتے تھے۔ تعداد ڈیلیگیٹیان کم ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں امراء اس سے مصلحتاً گریزاں رہتے تھے اور رہتے ہیں۔ اوسط درجہ کے لوگ کچھ تو اپنا پیٹ کاٹ کر جاتے تھے۔ اور کچھ بچارے ایسے مجبور ہوتے تھے کہ باوجود شوق کامل معذور رہتے تھے۔ ہر شہر اور ضلع سے جس نے چالیس پچاس روپیہ خرچ کرنے۔ بچارے اُس ہی کو اہالیان شہر نے ڈیلیگیٹ کر کے روانہ کر دیا۔ مگر اس میں ایلیکٹو سسٹم (طریقۂ انتخاب) بالکل خاک میں ملجاتا ہے۔ اب تک بھی یہی طریقہ ہے اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے۔ کہ

کانگریس فی الحال ایک مجمع کثیر ہوتا ہے۔جس میں صحیح انتخاب اور ریپریزینٹیشن کی مطلق پرواہ نہیں۔اور موجودہ حالت میں اس کو ایک بڑا میلہ یا تماشہ کہنا چنداں بیجا نہیں۔انتہا یہ ہے۔کہ ڈیلیگیٹ کارروائی نہیں سن سکتے اور مغموم ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔کہ جو کچھ ہوگا اخبار میں پڑھ لیں گے۔اب بتلایئے کیونکر اہل الرائے رائے دے سکتے ہیں۔اور کیونکر مدبران قوم فکر و خوض کر سکتے ہیں؟

کانگریس کو اب کیا ہونا چاہیئے؟

پس کانگریس کو اپنی موجودہ شکل (کونسٹی ٹیوشن) کو بدلکر کوئی نئی صورت اختیار کرنی چاہیئے۔اور وہ صورت کیا ہے؟ سب سے بڑا سوال ہے جسکا اس مختصر سے مضمون میں اختصار کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔مگر اس سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔کہ معراج کانگریس کو واضح اور روشن کرکے اپنے سامنے رکھ لیا جائے۔

مقصد کانگریس روز اول سے ہند اور ہندوالوں کی پولیٹیکل بہبودی اور ریفارم ہے۔اور یہ مقصد بیش و کم اٹھارہ انیس سال تک پیدا ہوتا رہا ہے تا کہ رہبران قوم اور مدبران ملک کی ایک ایسے معراج پر نظر پڑی۔جو واقعی کانگریس کا معراج ہونا چاہیئے۔اور جس کو کلکتہ کی مشہور کانگریس کے برگزیدہ پریسیڈنٹ بزرگ اعظم ہندیاں مسٹر دادا بائی نوروجی نے اپنے دہن مبارک سے اس وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کیا۔کہ یاد و شاید اور ملک اور قوم کا بچہ بچہ پکارنے لگا۔کہ بیشک سوراج ہمارا معراج قومی ہے۔اور اس سے کمتر کوئی چیز ہم کو تسکین و تشفی نہیں دے سکتی۔اور یہ آرتدیہ معراج ایسا فطرتی اور جبلی تھا کہ لایق حیوان مائی کورٹ

کلکتہ نے بھی فیصلہ دیا۔ کہ سوراج کا طلب کرنا ہندوستانیوں کی بجا آرزو ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی بغاوت کی بو نہیں۔ اور واقعی یہی معراج کانگریس کا ہے۔ اور رہیگا۔ اور حامیان قوم اور انام قوم اس امر کے متمنی ہیں۔ کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے۔ جب تک ہم کو سوراج نہ مل جائے +

اب معراج کانگریس تک پہنچنے کے واسطے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ کانگریس کو ایک کارآمد اور واقعی جمہور کے وکلا کا مجموعہ بنایا جائے۔ اور اس کا قرار واقعی انسداد و انتظام اس طرح سے ہوسکتا ہے۔ کہ ہرکس و ناکس کو ڈیلیگیٹ کانگریس ہونے کی اجازت نہ دیجائے۔ بلکہ ہر شہر اور ہر صوبہ کو ایک خاص تعداد ڈیلیگیٹان بھیجنے کی اجازت دی جائے۔ اور عوام کے ووٹوں سے ان ڈیلیگیٹیوں کا انتخاب ہو۔ جو شخص منتخب شدہ لوگوں میں سے صاحب ثروت ہوں۔ وہ اپنے کرایہ اور اخراجات سے تشریف لے جائیں۔ اور جو فقط خدمت قومی کے عوض منتخب ہوئے ہیں۔ اور جن کے ذرائع عمدہ نہیں ہیں۔ ان کے سفر خرچ اور زاد راہ اور فیس ڈیلیگیشن کی متعلق عوام اور عوام کی ایسوسی ایشنز اور کلب بار وغیرہ ہوں۔ تاکہ ایک فرد واحد بھی ایسا منتخب نہ ہو۔ جو کسی ایسی غیر ضروری وجہ سے شریک اجلاس کانگریس نہ ہوسکے۔ مجمع کانگریس کو دو یا صد ڈھائی ہزار سے متجاوز نہ ہونے دینا چاہئے۔ کیونکہ اس سے زیادہ مجمع تک نہ آسانی سے آواز پہنچ سکتی ہے۔ اور نہ اس سے زیادہ لوگوں کا مجموعہ کسی غور اور خوض کے کام کو آسانی سے انجام دے سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی ضرورت ہے۔ کہ کانگریس کی کارروائی ایسی زبان یا زبانوں میں ہو۔ کہ جملہ ڈیلیگیٹان منتخب شدہ کل کارروائی کو ٹھیک سمجھ سکیں۔ نہ کہ مفت میں تالیاں پیٹ کر یا زور وعاد

تقریروں سے جو چاہتا اس کو اپنے گروہ کو تقویت دیکر پاس کر دینے سے ہر ایک لیڈر کو اجتناب کرنا چاہئے - اور یہ کانگریس جو اس وقت ایک مجمع بے ترتیب اور ہجوم فضول کا تماشہ ہوتا ہے - ضرور ہے کہ اُس قومی پارلیمنٹ کا بنیادی پتھر ہو جس کا سوراج کے حصول کے وقت بنایا جانا لازمی ہوگا +

نیز یہ کہ اس امر کی بھی اشد ضرورت ہے - کہ اس سالانہ کانگریس کے ساتھ ساتھ ایک اسٹینڈنگ کمیٹی کانگریس بھی ہو - جس میں چند سر برآوردہ لیڈران بذریعہ انتخاب جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز نہ ہو بنائی جائے - گو اس وقت بھی اس قسم کی کمیٹی موجود ہے - مگر اس کا عدم وجود برابر ہے - اور اس کی کارروائی باقاعدہ نہیں ہے - جیسا کہ امسال اس کی کارروائی سے بخوبی روشن ہے - جب اس امر کی اشد ضرورت تھی - کہ اس کمیٹی کا اجلاس کر کے گورنمنٹ کی خدمت میں کچھ التماس کی جائے - یہ کمیٹی بجائے اسٹینڈنگ کے لیٹی رہی - اور مطلق کوئی کارروائی عمل میں نہ آئی - جس کمیٹی کی تجویز راقم سطور ہذا پیش کرتا ہے - وہ ایسی باقاعدہ اور ایسے مستعد اصحاب و حامیان قوم کی ہونی چاہئے - جو فوراً چندروز کے نوٹس سے بلا خیال ذاتی منفعت و نقصان کے شریک کمیٹی ہو کر ضرور اُن باتوں پر غور کریں - جن پر غور کرنے کی اُسوقت ضرورت ہو - پس اس میں بھی جو صاحب ممبران صاحب ثروت و اہل دول ہوں - وہ ذاتی اخراجات کے خود کفیل ہوں - اور جو صاحب خدمت قومی کے شیدا دولت و ثروت کمانے کی فکر سے برتر و افضل ہوں - اُن کے اخراجات کی کفیل قوم ہو - اور وہ قومی فنڈ سان کو روپیہ مہیا کرے جو اس کمیٹی کی استقامت کے واسطے جا بجا سے وصول کیا جائے +

اس امر کی اشد ضرورت ہے - کہ یہ کمیٹی ہر وقت کام کرتی رہے - اور

اس کا دفتر باقاعدہ ہو۔ اور اس کا ایک پریسیڈنٹ ہر سال منتخب کیا جائے۔
یا ہر تیسرے سال منتخب کیا جائے۔ اور وہ اور دفتر ایک ہی مقام پر مقیم رہیں ۔
پریسیڈنٹ کا کام جملہ امور اور مختلف سیکرٹریان کے کام کی دیکھ بھال اور جانچ
پڑتال ہو۔ اور کئی سیکرٹری منتخب کئے جائیں یا ملازم رکھے جائیں جو کلرکوں کی مدد سے
مختلف مدات سرکاری کی دیکھ بھال کرکے اور ان کے حسن وقبح کو نوٹ کرکے پریسیڈنٹ
کی خدمت میں پیش کریں۔ اور اس طرح پر ان کی اور ان کے ذریعہ سے کل ملک کی
معلومات سرکاری معاملات کی نہایت باقاعدہ مکمل ہو۔ اور یہ مصالحہ ہر اجلاس
کانگریس کے واسطے تیار کیا جائے۔ اور اگر اثنا و سال میں کوئی شدید واقعہ پیش
آئے یا کسی خاص قانون کے خلاف آواز بلند کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ تو
اسٹینڈنگ کمیٹی فوراً اپنے ممبروں کو جمع کرکے باقاعدہ کارروائی کرے۔ اس سے
گورنمنٹ کو معلوم ہوگا۔ کہ ہمارے خلاف ایک کمیٹی ایسی باقاعدہ کام کرنے والی
اور ہمارے کام کی جانچ پڑتال کرنے والی موجود ہے۔ جس میں جملہ اہالیان قوم کے
پسندیدہ اور برگزیدہ اصحاب شریک ہیں۔ اور جن کا ہاتھ قوم کا ہاتھ اور جن کی زبان
قوم کی زبان ہے۔ تو ذرا گورنمنٹ کو بھی اور خصوصاً حکام گورنمنٹ کو مثلاً سیکرٹری آف
سٹیٹ اور وائسرائے اور مختلف صوبجات کے گورنروں اور لفٹنٹ گورنروں کو نیز
حکام ادنےٰ کو معلوم رہیگا۔ کہ ہمارا کوئی مدمقابل ہمارا کوئی ادیب موجود ہے۔ اور
وہ بیقاعدگی اور ظلم اور جبر کرتے ہوئے شرمائیں گے۔ نہیں خوف کریں گے۔ خوف
اس امر کا نہیں۔ کہ یہ اسٹینڈنگ کمیٹی جملہ ہندوستان کو کھڑا کر دے گی۔ بلکہ اس بات
کا کہ ہم مہذب ملک کے رکن۔ باشندے اور ایک اعلےٰ درجے کے پارلیمنٹ کے
مقرر کردہ حکام ہیں۔ اور ہماری اور ہمارے ملک کی تہذیب کے یہ شایاں نہیں۔
کہ ہیانکتہ چینی اور حرف گیری کا موقعہ دیا جائے۔ پس ان کو اس امر کا خوف ہوگا۔

کہ کہیں ہم ایسا نہ کر بیٹھیں۔ جس سے ہماری قوم پر دھبہ آئے ۔

موجودہ حالت میں گورنمنٹ اور حکام گورنمنٹ کی خلاف ورزیوں کے دکھانیوالے چند اخبارات ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض کے ایڈیٹر واقعی صاحب رائے اور مدبر تجربہ کار ہیں۔ مگر اکثر اس قسم کے ہیں جو یا تو گورنمنٹ کو خوشامد کر کے دھوکے میں ڈالتے ہیں۔ اور رعایا کی تکالیف کو راست راست بلا کم و کاست بیان کرنے کی اخلاقی جرأت نہیں رکھتے۔ اور بعض اس قسم کے ہیں۔ جو خواہ مخواہ جا و بیجا نکتہ چینی اور حرف گیری سے گورنمنٹ کو نفس تنگ کرتے رہتے ہیں جس سے گورنمنٹ۔ اور پبلک دونوں میں سے ان کا اعتبار اٹھ جاتا ہے اور انکے قول کی شتر سے زیادہ پروا نہیں کی جاتی۔ پس ضرورت ہے اس بات کی کہ باقاعدہ ٹھنڈے دل اور دماغ سے اپنی ملکی ریفورم اور ڈسپلن کی کوشش کی جائے۔ تاکہ تعلیم اور تربیت ملکی کے میدان میں ہم اپنے حاکموں سے بہت پیچھے نہ رہیں اور مدبرانہ طور سے ملک اور قوم کی ضروریات اور گورنمنٹ کے نقص اور رخنوں کو دیکھ سکیں اور ان کو رفع کرنیکی کوشش کرتے رہیں۔ اس کارروائی میں ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ مدت مدید صرف ہوگی۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ ایسے اہم کام کیواسطے ضروری ہے۔ کہ وقت صرف ہو۔ ہتھیلی پر سرسوں جمانا ناممکن ہے۔ آج اگر غل مچانیوالے دس ہزار آدمی بھی پیدا ہو جائیں تو کیا ہو سکتا ہے اور اگر واقعی کام کرنیوالے ایک ہزار بھی پیدا ہو جائیں تو ملک اور قوم کی حالت معتدبہ ترقی کر سکتی ہے مگر باقاعدہ کام کرنیسے واقعی وقت کم صرف ہوگا۔ المختصر کانگریس کو ایک تاش کی اینٹوں کی عمارت سے اٹھا کر اسکے معراج عظیم یا سوا راج عظیم پر پہنچانا ہے تو ضرور رفتہ رفتہ کوشش کرنی چاہئے اور بلا قاعدہ کام ہوا تو بیشک یا اہم کام سہل اور بظاہر ناممکن منزل ممکن ہو جائیگی۔ اور تا نزدیں کامیابی کی ایک غوغائی ہیسر ہوئی چٹکیوں کا کھیل ہو جائے گا۔

میر گوبند رنکم

فرمان شاہی

از منشی دوارکا پرشاد صاحب افق ملک الشعرا

ہندوستانی صرف ایک بنا پر جھگڑتے ہیں - اور وہ ۱۸۵۸ء کا فرمان شاہی جس میں ملکہ معظمہ مرحومہ نے ہندوستانیوں سے کچھ وعدے کئے تھے - ہمارے مہربان منشی دوارکا پرشاد افق نے اس فرمان کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے جو ایک مرتبہ چھپ چکا ہے مگر بہت سے لوگوں تک نہیں پہنچا - اس لئے منشی جی ہمیں اشاعت کے لئے عنایت فرماتے ہیں - جسے ہم شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں - ترجمہ لفظی ہے اور مطلب میں سرمو فرق نہیں - ایڈیٹر -

کوئین وکٹوریہ کا شاہی فرماں	بہ مقصد ہند میں کرتا ہے اعلاں
ہو معلوم اہلِ دیہیم و نگیں کو	یقیں ہو والیان سرزمیں کو
جو عہد ان سے کئے ہیں کمپنی نے	جو کچھ ہیں صلح کے سوچے قرینے
وہ سب کے سب ہیں اینجانب کو منظور	رہینگے قایم و دائم بدستور
جمیگا ایک دلی کا کارخانہ	برابر کار رہیگا دوستانہ
قلمرو فضلِ حق سے جو ملی ہے	بہت تائید یزدانی وہی ہے
نہیں وسعت ہمیں درکار اس میں	ہیں کافی اپنے کاروبار اس میں
نہیں کچھ دست اندازی جو منظور	جو ہے مطلب کہ بدنظمی ہو کافور
حقوقِ دوستی قایم رہیں گے	مراسم باہمی دایم رہیں گے
جو عزت والیان ہند کی ہے	جو ثروت حکمران ہند کی ہے
وہ ہوگی مابدولت کے مساوی	نہیں منظور ہم ہوں اُس پہ حاوی
ہوں ملکی حکمراں یا ہو رعایا	مبارک سب کو اینجانب کا سایا

خوشی اپنی ہے ان سب کے ظاہر سے
یہ ہے پورے سخن فرماں کا سب سے

کہ ہیں جس حالت عشرت میں انگریز
ہے جیسا ان کا نخلِ عیش گلریز

اسی صورت مفادِ ہند ہوگا
ہرا نخلِ مرادِ ہند ہوگا

سبق سوشل ہر اک کو یاد ہونگے
امان و امن سے دل شاد ہونگے

جو ہوگا امنِ ملکی اندرونی
ترقی ہوگی ہندوستاں کی دونی

ہے ذاتِ ما بدولت خاص پابند
ہے شاہی الفت و اخلاص پابند

کہ جو کچھ انگریزوں پر ہیں الطاف
انہیں سب پر روا رکھیگا انصاف

نہ غیریت کا دل میں دھیان ہوگا
برائے یکدلی سامان ہوگا

مقاصد یہ نہ چھوٹینگے ادھورے
فرایض ہونگے اس جانب سے پورے

مسیحی دین کی صدقِ ارادت
جو اپنجانب کو ہے تاج سعادت

ہے اس کا صدق دل سے شکر احساں
ہے اس کی برکتوں پر اپنا ایماں

اس ایمان اور خالق کے کرم سے
امید ہر رکھیں لوگ ہم سے

ہم اپنا پاس دینداری کریں گے
یہ انصاف کو جاری کریں گے

حکومت ہوگی بے لوثی کی شاید
نہیں مطلب نہ زاہد ہو کہ زاہد

نہیں ہرگز کسی صورت سے منظور
کسی مذہب کے پلٹے جائیں دستور

رعایت ہوگی یکساں جزو کل کی
رہیگا پاس استحقاق ملکی

حفاظت ہوگی قانونی مساوی
نہ کوئی بھی کسی پر ہوگا حاوی

جو ہوں گے افسرانِ پایۂ تخت
یہ شاہی حکم ہے ان کے لئے سخت

وہ سمجھیں کل مذاہب کے مدارج
ہوں سمجھیں کہ دا جوں بیش نارج

اگر کچھ دست اندازی کریں گے
نہ اس فرمان کا جو دم بھریں گے

نگاہِ قہر میں ہوں گے خطاوار
عتابِ سخت کے ہونگے سزاوار

علاوہ اِس کے ہے مرضیِ شاہی | ہیں جب تک شاملِ الطافِ الٰہی
ہے یعنے مینک این جانب کا اکمل | رہینگے سب کی بہبودی کے ساماں
بلا تفریقِ ذاتِ ملت و عام | لیاقت کا دیا جائے گا انعام
وہ عہدے پائینگے جو ذی علم و فن ہیں | دیانت دار لائق خوش چلن ہیں
بخوبی ہم کو یہ معلوم ہے بات | ہے جس کی قدر بھی ملحوظ دل سات
کہ سب متوطنانِ کشورِ ہند | جزو کل ساکنانِ کشورِ ہند
وراثت پا کے اجدادِ کہن سے | محبت رکھتے ہیں اپنے وطن سے
ہم اِس اُلفت کو دل سے مانتے ہیں | حقوقِ واقعی پہچانتے ہیں
تحفظ سب کا دل سے ہم کرینگے | جو فیلنگ ہوگی اُس کا دم بھرینگے
توجہ خسروانہ ہے جو حامی | ہے اینجانب کی مرضیِ گرامی
کہ جب قانون بنیں آئین ہوں جاری | حقوقِ ہند کی ہو پاسداری
کُل استحقاقِ موروثی کا ہو دھیان | رواج و رسم کا ہو پاس ہر آن
اِن امروں پر توجہ خاص ہوگی | نگاہِ الفت و اخلاص ہوگی
جب افضالِ خدا کی رہنمونی | کرے گی قایم امنِ اندرونی
تمنائے دلی یہ ہے ہماری | بڑھائیں ہندیوں کی دستکاری
ہر اک صنعت کو حرفت کو بڑھائیں | قلمرو کی فضیلت کو بڑھائیں
ہمارے کُل اصولِ حکمرانی | مفادِ جزو و کُل کے ہونگے بانی
جو ہونگے ساکنانِ ہند خوشحال | ہمارا ہوگا اوجِ بخت و اقبال
رہینگے ہند والے جب رضامند | ہمارا ہوگا استحکام دہ چند
جو ممنون خیل خاص و عام ہوگا | ہمیں اک قیمتی انعام ہوگا
خدا جو مالکِ کون و مکاں ہے | جو قادر اور خلاقِ جہاں ہے

ہمیں توفیق وہ بخشے وہ طاقت ۔ وہ دے ارکانِ دولت کو لیاقت
کہ اس فرماں کا پورا مدعا ہو ۔ کل اہلِ ہند کا جس سے بھلا ہو
افق بس ہو چکا ارمان پورا ۔ ہوا زیبِ رقم فرمان پورا
خدا بخشے کوئن وکٹوریا کو ۔ ہماری امپرس آف انڈیا کو
جنھوں نے ہم کو یہ نعمت عطا کی ۔ دکھائیں برکتیں ظلِ خدا کی
اُنھوں نے مرتے بھی رشتہ نہ توڑا ۔ ہمیں ایڈورڈ کے سایہ میں چھوڑا
ویسے ایڈورڈ کو شاہی جو ساماں ۔ وراثت میں ہے یہ بھی ایک فرماں
شہ ایڈورڈ اسے سمجھیں وصیت ۔ رعایا کو دکھائیں حسنِ نیت
رعایا بھی ہے پابندِ احکام ۔ وفاداری سے سو ول سے کرے کام
بزرگوں کا جو کہنا مانتے ہیں ۔ سند اس قول کو وہ جانتے ہیں
ادب تاجیست از لطفِ الٰہی ۔ بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

افق سب کی سعادت ہے اسی میں
جزو کل کی لطافت ہے اسی میں

دوارکا پرشاد

سودائے زلف ضامن بہرِ خدا نہ کرنا ۔ سر پر بلا نہ لینا دل پر جفا نہ کرنا
دیکھا زبان و دل بھی باہم رقیب نکلے ۔ افشائے رازِ اُلفت پھر برملا نہ کرنا
بیتابیٔ محبت اک شعبۂ جنوں ہے ۔ میرے کہے سُننے پر تم اعتنا نہ کرنا
رنگِ پریدۂ رُخ تفسیرِ بے دلی ہے ۔ عرضِ نیازِ اُلفت اس کے سوا نہ کرنا
کہنا یہ ہائے اُن کا "اتنا ہی حوصلہ تھا ۔ ذکرِ وفا دوبارہ اے بے وفا نہ کرنا"
جیتے ہیں جینے والے مرتے ہیں مرنے والے ۔ عاشق کے غم میں دیکھو تم زلف وا نہ کرنا

ہندوستان کی تین ضرورتیں

از منشی ڈپٹی لعل نگم بی۔اے

اِس سے پہلے مدت تک اہل ہند کے دل میں یہ خیال جما ہوا تھا۔ کہ ہماری حالت ایسی ردی ہوگئی ہے۔ کہ کسی طرح بھی اُس میں اصلاح نہیں ہو سکتی۔ یہ تو رونا دن رات کا تھا۔ کہ ہائے ہم یہ نہیں ہم وہ نہیں۔ غیر[1] ممالک کے لوگ ترقی کر رہے ہیں۔ ہم رُو بتنزل ہیں۔ بیرونجات کے رہنے والے صنعتی اور حرفتی کاریگری میں کمال حاصل کر رہے ہیں۔ اور ہم نے جو کمال حاصل کیا تھا۔ وہ بھی ہاتھ سے کھو دیا۔ غرض انواع واقسام کے خیالات سوہان روح بنے ہوئے تھے۔ اور جی کو عجیب کوفت تھی۔ لیکن اس تباہی اور ادبار سے نجات پانے کی کوئی راہ نظر آتی تھی۔ آخر جاپان نے تیس سال کے قلیل عرصہ میں شبانہ روز محنت اور جانکاہی کے بعد وہ کرشمہ اور وہ معجزہ دنیا والوں کو دکھایا۔ کہ لوگ حیرت میں آگئے۔ اور پولیٹکل سوشل اور حرفتی کاموں میں وہ ترقی حاصل کی ہے۔ کہ جاپان کی شہرت کا ڈنکہ چاردانگ عالم میں گونج رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ہندوستان بھی جاگا۔ اور اُس نے سمجھا۔ کہ یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے کچھ نتیجہ نہیں۔ اپنی قسمت پر شاکر رہنے سے بدقسمتی کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور مالی حالت روز بروز معرض خطر میں پڑتی جاتی ہے۔ اہل ہند نے بھی کمر ہمت باندھی۔ اور جاپان کی مثال کو پیش نظر رکھ کر اس بات میں ساعی

[1] غیر ممالک یعنی یورپ۔ امریکہ۔ جاپان وغیرہ ۔

ہوئے۔ کہ ہم بھی ملک کی بہبودی کے لئے کوشش کریں۔ چنانچہ جا بجا سودیشی تحریک، کا چرچا ہؤا۔ اور لوگوں میں دیسی اشیاء کے استعمال کا مذاق بڑھا۔ مخالفین نے سودیشی تحریک پر پولیٹکل رنگ جمایا۔ اور سودیشی کے حامیوں کو ملکی باغیوں کے نام سے نامزد کیا۔ گورنمنٹ بھی ایک لمحہ کے لئے اِن مخالفین کے کہنے میں آگئی۔ اور کچھ عرصہ تک جو تشدد اور مظالم بہی خواہان ملک پر کئے گئے وہ عیاں ہیں حاجت بیان نہیں۔ آخر ان اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنیوالے مخالفین کی دیر تک دال نہ گلی۔ اور گورنمنٹ نے اپنی صریح غلطی کا اعتراف کیا۔ اور گورنمنٹ کے بعض معززین اور مقتدر صاحبان انگریز نے صاف الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا۔ کہ سودیشی تحریک اچھی ہے۔ اور ملک کی بہبودی کے لئے بہترین وسیلہ ہے۔ غرض سودیشی کا چرچا اور بھی زور شور سے بڑھا۔ اور دیسی چیزوں کے استعمال کرنے کے شوق کو اور بھی استحکام ہؤا۔ اگر اسی طرح دیسی اشیاء کو غیر ممالک کی اجناس پر ترجیح دی گئی۔ تو اُمید ہے۔ کہ ہندوستان کی مالی حالت میں ترقی ہوگی۔ اور ہمارے افلاس کی وجہ سے جو نت نئی بیماریاں اور پلیگ جیسے موذی امراض ملک میں پھیل گئے ہیں۔ ہمارے دولت مند ہوتے ہی اُن کا کلی طور پر قلع قمع ہو جائے گا۔ فی الحال ہم کو تین ضرورتیں محسوس ہو رہی ہیں۔ جن کے پورا ہونے سے سودیشی تحریک ملک میں مستحکم طور پر قایم ہو جائے گی۔ وھو ھذا:۔

(۱)۔ ملک کی بہبودی کے لئے ملکی سنیاسیوں کا ہونا۔

(۲)۔ ملک میں صنعتی اور حرفتی کالجوں اور مدرسوں کا کھلنا۔

(۳)۔ لوگوں میں جسمانی ورزشوں کا رواج دینا۔

---

(۱)۔ ملکی سنیاسی

ملکی سنیاسیوں کا یہ فرض ہونا چاہیئے۔ کہ تمام عمر شادی نہ کریں۔ اور ملک بہ ملک پھر کر صنعتی اور حرفتی کام سیکھیں +

یہاں کے ہر والدین کے لیئے یہ اشد ضروری ہے۔ کہ وہ اپنا نوجوان اور سب سے لایق بیٹا ملک کی خدمت کے لیئے نذر کرے۔ اگر کسی شخص کے چار فرزند ہیں۔ تو اُس کو اپنا فرض سمجھنا چاہیئے۔ کہ ایک نوجوان اور عالم بیٹا ملک کی نذر کرے۔ اِس نوجوان کو چاہیئے۔ کہ شادی نہ کرے۔ کیونکہ شادی ایک ایسا جنجال ہے۔ جس سے اُس کے خانگی تعلقات بڑھتے جائیں گے۔ اور وہ اس مصرف کا نہ رہیگا۔ کہ غیر ملک میں پھر کر صنعتی اور حرفتی ہنر حاصل کرے۔ بیوی اور بچوں کی محبت ملک کی محبت کے بیچ میں حائل ہو جاتی گی۔ اور اُس کو ملک کی بہبودی پر فدا ہونے سے باز رکھے گی۔ اس ملک میں عورتوں کی سوسائٹی ایسی گری ہوا ہے۔ کہ وہ اس قابل نہیں۔ کہ ایسے عالم سمجھدار نوجوانوں کی ہم خیال ہو سکیں اور اِن نوجوانوں کی شادی اُن عورتوں سے ہرگز نہیں کرنی ہوگی۔ جو اِن کی ہم خیال نہ ہوں۔ ورنہ اِن کے فرائض منصبی میں ایک مزاحمت پیدا ہو جائیگی اِس لیئے فی الحال اِسی اصول پر کاربند ہونا چاہیئے۔ کہ اِن نوجوان سنیاسیوں کی شادی نہ کی جاتے +

یہ ضروری نہیں۔ کہ سب کے سب ملکی سنیاسیوں کو غیر ممالک میں بھیجا جائے۔ بلکہ بعض کی ضرورت ملک کے لیئے بھی ہوگی۔ اِس لئے اِن کو یہاں رہ سکھنا ہوگا۔ اور اگر کسی خاص تعلیم کی ضرورت ہوئی۔ تو اُن کو اُس قسم کی تعلیم بھی دینی ہوگی۔ باقی ملکی سنیاسیوں کو ملک سے چندہ جمع کر کے ممالک غیر میں صنعتی اور

حرفتی تعلیم کی تحصیل کی غرض سے بھیجنا چاہئے ۔

(۲) صنعتی اور حرفتی کالج اور مدرسے

جب ملکی سنیاسی غیر ممالک سے صنعتی اور حرفتی کاموں میں طاق ہو کر یہاں آجائیں۔ تو پھر انہیں صنعتی اور حرفتی کالجوں اور مدرسوں میں معلم مقرر کر دینا چاہئے۔ فی الحال اہل ہند میں تعلیم یافتہ لوگوں کی بہت کم تعداد ایسی ہے۔ جنہوں نے صنعتی اور حرفتی ہنر یورپ میں جا کر حاصل کیا ہو۔ اس لئے ابھی یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ملک کے صنعتی اور حرفتی کالجوں اور مدرسوں میں اسی ملک کے ماہران فن مقرر ہوں۔ ہماری رائے میں ایسے کالج اور مدرسے فوراً کھول دیئے جائیں۔ خواہ غیر ممالک مثل جاپان۔ انگلستان اور امریکہ وغیرہ سے پروفیسر اور معلم کیوں نہ بلائے جائیں۔ جب تک ملکی سنیاسی غیر ممالک سے دستکاری اور صنعتی کاموں میں ماہر ہو کر آئیں۔ اُس وقت تک کے لئے غیر ممالک ہی کے پروفیسر اور معلم صنعتی اور حرفتی کالجوں اور مدرسوں میں مقرر کر دیئے جائیں تو چنداں ہرج نہیں۔ اگر ایسا کیا جائیگا۔ تو صرف دافع الوقتی کے لئے کیا جائیگا۔ اس غرض سے نہیں کہ وہ مستقل طور پر ان کالجوں اور مدرسوں میں معلم ہونگے ۔

ہندوستان کے ہر صوبہ کے لیڈر کو اپنا پہلا کام یہ سمجھنا چاہئے۔ کہ نہایت سرگرمی سے کوشش کرکے اپنے اپنے صوبہ میں صنعتی کالج اور مدرسے قائم کرے۔ لیڈر کا صرف یہی فرض نہیں ہے۔ کہ جوشیلی تقریریں کرے۔ اور عملی کام کچھ بھی نہ کرے۔ صرف پرزور تقریروں سے ہی ملک کی گری ہوئی حالت میں فرق نہیں آسکتا۔ بلکہ ہمیشہ عملی کاموں کے نتائج اچھے ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے لیڈروں

نے ملک کی ضرورتوں کو باحسن الوجوہ ہمارے ذہن نشین کر دیا ہے۔ لیکن افسوس کہ عملی کام یا تو ہؤا ہی نہیں ہے یا ہؤا بھی ہے تو بہت کم ٭

(۳) جسمانی ورزش

ان صنعتی اور حرفتی کالجوں اور مدرسوں کے نصاب میں اس بات کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے۔ کہ مطالعۂ کتب اور صنعتی کاموں ہی میں اتنا وقت نہ صرف ہو جائے۔ کہ پھر جسمانی ورزش کے لئے کچھ بھی موقع نہ ملے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ اس زمانہ میں ہماری جسمانی طاقت بہت کم ہو گئی ہے۔ ہم مختلف علوم و فنون میں کمال اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں۔ جبکہ ہماری جسمانی صحت درست ہو گی۔ اس لئے ان کالجوں اور مدرسوں میں مردانگی کے کرتبوں اور جسمانی ورزشوں کو اشد ضروری قرار دینا چاہیئے۔ اگر ہماری جسمانی صحت کی چندے یہی حالت رہی تو ہم بہت جلد ہی موت کا شکار ہو جائیں گے۔ اور ہم میں سے ایک بھی عمر طبعی تک نہیں پہنچ سکتا۔ یا یہ ہو گا۔ کہ درندے ہم کو کمزور دیکھ کر اپنا نوالہ بنائینگے ایک مجمع میں مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہؤا۔ کہ ذرا سی بھیڑ نے لوگوں کو مضطرب کر دیا۔ اور کسی کو بھی اتنی جرأت نہ ہوئی۔ کہ بھیڑ کا مقابلہ کر سکتا۔ غرض ہماری جسمانی صحت کے ساتھ ہی ہماری مردانگی کا بھی خون ہو گیا ہے۔ اور اگر ہماری مردانگی اور جسمانیت کا یہی حال رہا۔ تو حشر یہ ہو گا۔ کہ ہم مختلف امراض میں مبتلا ہو کر پیش از وقت نیست و نابود ہو جائینگے کیا ہم ہی کمزور نحیف لوگ بھیشم پتامہ اور درونا چارج جیسے سورما بہادروں کی اولاد میں سے ہیں۔ کیا ہم ہی ارجن اور بھیم جیسے پہلوانوں کے نام لیوا ہیں؟

ہمارے لئے سخت شرم کا مقام ہے۔ کہ اب ہم ایسے بزدلے اور کمزور

ہو گئے ہیں۔ کہ بھڑ۔ سانپ۔ بچھو وغیرہ کیڑوں کو بھی دیکھنے سے ہمارے اوپر دہشت چھا جاتی ہے۔ اب ہمیں چاہئے۔ کہ اپنی خانگی زندگی کے طرز کو بدلیں۔ اور سب سے اہم اور ضروری بات جسمانی ورزش اور مردانگی کے کرتبوں کو سمجھیں۔ ہماری جسمانی صحت کی خرابی کی وجہ سے اب ہمارے دماغوں کی ایجاد کی قوت بالکل سلب ہوتی جاتی ہے۔ ابھی وقت ہے۔ کہ ہم سنبھل جائیں۔ اور فنا کے تاریک غار میں جان بوجھ کر نہ گریں +

ڈاکٹر رودرفورڈ ممبر آف پارلیمنٹ جب دہلی میں تشریف لائے۔ تو آپ نے اپنی مختصر سی تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ "میں دیکھتا ہوں۔ کہ ہندوستان کے باشندے مقابلتاً انگلستان کے باشندوں سے زیادہ مفلس اور کمزور ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان بیچاروں کو آئے دن طاعون اور دیگر امراض گھیرے رہتے ہیں" +

ابھی موقع ہے۔ کہ ہم خبردار ہو جائیں۔ اور جسمانی صحت کی طرف غیر معمولی شوق سے متوجہ ہوں۔ ورنہ خوب سمجھ لیں۔ کہ "فنا کی تاریک غار" ہمارے سامنے موجود ہے +

ڈپٹی لال

پھر کیا تمہارے دل کے اندرونی حصہ میں کوئی باقاعدہ عمل محرک موجود نہیں ہے۔ جو تمہیں آرام نہیں لینے دیتا۔ جب تک کہ تم اس کا اتباع نہ کرو۔ بے شکایت نہ ہو۔ دیکھو تمہارے ساتھ کے کام کرنے والے زندگی جاوید کے غیر فانی مخلوق کے مقدس گروہ میں شریک ہیں" +

بھنور میں ناؤ

از حکیم برگگوبند سہائے شادان وبریان جہان آبادی

ہوں مناور خواہ ہوں ٹھاکر دوارے برملا
خانقاہیں اور مندر مسجدیں ہوں جابجا

خواہ ہو از بر نمستے خواہ از بر رام رام
ہو علیک و بندگی ہو یا کہ تسلیم و سلام

میلے ٹھیلے یا کہ میلا یا کہ اُتسب باسنت کا
یا کہ عرس و تعزیہ داری ہو و تقریبِ مزار

سب زبانِ وید ہو یا ہو پرانوں کی زباں
یا کہ تفسیریں عیاں ہوں یا کہ ہو مصحف عیاں

ہم کو کیا کچھ ہو عقیدہ کچھ نظر کا کام ہو
خواہ ہو صبح بنارس یا اودھ کی شام ہو

ہم کو کیا کچھ شیخ ہو یا کچھ بھی ہو ہر برہمن
جامۂ احرام یا زنار ہو زیب بدن

بعد مردن نعش کو پھینکو جلادو کچھ کرو
دفن کردو یا کہ دریا میں بہادو کچھ کرو

یا بنو جوگی پجاری یا کہ رندِ بادہ خوار
پیر و مُلّا یا بنو یا زاہد شب زندہ دار

ہو کتھا کا شغل ہو اپدیش یا کچھ بھی سہی
وعظ ہو ہو خطبہ خوانی یا کہ ہو ذکرِ نبیؐ

ہم کو پر اِن سے غرض کیا مدعا کچھ اور ہے
ادعا کچھ اور ہے ہاں ماجرا کچھ اور ہے

اور وہ یہ ہے کہ جس کو آہ سنیئے تو ذرا
"ناؤ" ہے کیا کیا "بھنور" میں ہے نہیں وہ ناخدا

ناؤ کیا ڈوبے گی ہے ہے کیا نہ بچنے کی نہیں
ناخدا اس کا نہیں تو کیا خدا تو بھی نہیں

صاف کہدیں ناؤ کیا ہے ہے بھنور کا نام کیا
پھر بتادیں یہ بھی ہم ہے ناؤ کا جو ناخدا

ناؤ ہیں ہندو مسلماں انکی آن بن ہی بھنور
اتفاق ملک ان کا ناخدا ہے سر بسر

ایسی ہے گویا بھنور میں آسماں تک نسا ہے
پھر بھنور کیسا کہ طوفاں خیز سا ہر پا ہے

نام طوفاں کا ہے فیشن یا بُری تقلید ہے
نام یا بیشک تعصب کی غضب تائید ہے

اور ہیں طوفاں کے پیچھے یہ بلائیں دوستو!
نام گن گن کر تمہیں جنکا بتائیں دوستو!

کم نگاہی - ناسپاسی - بزدلی - ناراستی　　خود نمائی - غیر آزادی - فضولی - کاہلی

اور کم اژدر مخالف سے نہیں قحط و وبا　　ایسی حالت میں کہاں ممکن ہو ساحل کا پتا

اب بیاں حسرت بتا رہیں یہ بھی کیا ہے ناؤ میں　　کیوں نہ ہم ظاہر کریں جو کچھ بھرا ہے ناؤ میں

اسکے اندر غور سے دیکھو نہیں کچھ بھی کمی　　کیمیا ہے - ہے جیالوجی - ریاضی موسیقی

فلسفہ ہے سب کا سب تاریخ و ہیئات اس میں ہے　　اس میں ہے سائنس و منطق سارے حکمت اسمیں ہے

ہر فلاحت اس میں ہے پوری زراعت اس میں ہے　　صنعت و حرفت ہے اس میں ہے تجارت اسمیں ہے

کیا کہیں کیا کیا نہ کرتب ہیں سب آلات ہیں اوزار ہیں　　سارے دھندے ہیں اسی میں سارے کاروبار ہیں

ہیں ترقی فرزند عفت اور عصمت اس میں ہے　　امن و عزت اس میں ہے ہر خواب حیا اس میں ہے

اس میں وہ سنگار کس ہے اس میں ہے زر اک قبا　　طرہ و کلغی ہے اس میں ہے عبا مقنع ردا

اس میں ہیں سونے کی کڑیاں موتیوں کی ہے لڑی　　نورتن ہے پچلڑی ہیکل ہے ہے چمپا کلی

آنکھ کا سرمہ ہے انجن ہے مسی منجن بھی ہے　　غازہ و گلگونہ شانہ آرسی درپن بھی ہے

اس میں ہے ہر ... رنگ و روغن اس میں ہے　　روپ ہے چھب ہے ادا ہے خوب جوبن اس میں ہے

قہقہہ ہے ہنسی تبسم ہے اسی میں تو ہنسی　　ہے ہر اک شادی چہل ہے ہر اک اس میں خوشی

ہے ہر اک تخم تمنا ہے نہال آرزو　　ہے بہار تازہ اس میں اس میں ہے پھولوں کی بو

ناؤ نکلے گی بھنور سے کس طرح کچھ تو کہو　　کیا سہارا چاہتے ہو بولو بولو عاجلا

چاہتے ہی ہو سہارا تو ادھر دیکھو ابھی　　ناؤ کے نزدیک تر کشتی ہے کوئی آگئی

بس یہی ہے خدمت ملکی ہے مشہور جہاں　　ساتھ میں ہر ناخدا ہے ہاتھ میں اک بادباں

نام ہوا اس کا نیشن ایک ہے حب وطن　　شے نہ ہو یا دیکھنا تو کانگریس کا توش و تن

چھوڑنا اس کو نہ ہرگز یہ سہارا ہے بڑا　　اس سے ممکن ہے کہ ہو وہ ہی موافق سی ہوا

له تیر کر آنے کی بجائے فصحا ترکر بھی باندھتے ہیں ۔

پھر وہی طور و روش ہو ہو بہو اک ہی چلن — وہی انداز بیاں ہو وہی ہر طرزِ سخن
وہی جلوت وہی صوت وہی سارا بانکپن — وہی نک سک وہی سج دھج ہو وہی ہر اک پھبن
وہی عالم وہی چرچا وہی نقشِ مدعا — حوصلہ شیوہ وہی وہی طبائعِ پُر وفا
وہی لہجہ ڈھنگ ہو وہی وہی پوری امنگ — وہی وعدہ وہی نقشہ ہو وہی کیا کیا ترنگ
وہی دلچسپی وہی صحبت ہو دلسوزی وہی — ہو تگ و دو پھر وہی ہر شان سرگرمی وہی
وہی تحصیلِ علوم و فن وہی فکرِ معاش — راستے وہی وہی ہر جستجو ہر اک تلاش
غلغلہ وہی وہی آواز ہو وہی صدا — طنطنہ وہی وہی ہر ایک باگِ بیریا
وہی شادابی وہی سیرابی و نزہت وہی — تازگی وہی وہی ہر فصاحت و نکہت وہی
ہو غرض ہر قصہ وہی پھر وہی ہر اک بھلن — پھر وہی طاعت گذاری پھر وہی ہر مرد و زن
پھر وہی ہو ایک ہو ہر تن پہ گہری سی نظر — پھر وہی محتاج و بیکس کے گذارے کی خبر
پھر وہی سب کی بھلائی کی تمنا رات دن — پھر وہی ہر اک نکوکاری کا دعویٰ رات دن

پھر وہی دنیا میں وقعت پھر وہی اونچی نظر
پھر وہی شاداں دل اپنا پھر وہی اپنا جگر

حکیم رگھبیر سہائے

بدر کی نصیحت راجہ دھرت راشٹر سے

اے راجہ کیرت یعنی نیکنامی کو تم دنیا میں مت مٹاؤ۔ کیونکہ کیرت ہی آدمی کی زندگی کا جوہر ہے۔ جب تک آدمی کی کیرت بنی رہتی ہے تب تک وہ زندہ رہتا ہے۔ اگرچہ وہ مر بھی گیا ہو۔ اور جنہوں نے اپنی کیرت کو ضائع کر دیا ہے وہ جیتے ہوئے ہی مردوں کے مانند ہیں۔ اس لئے اے راجہ جیسا تمہارے خاندان کے لئے زیبا ہے ویسا ہی کام تم کو کرنا چاہئے ٭

دیوانہ باش

از میرزا سلطان احمد، اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند
آنرا کہ عقل بیش غم روزگار بیش

بعض وقت تاویل فقرات یا الفاظ میں اس قسم کی پیچیدگیاں اور الجھنیں پڑ جاتی ہیں۔ کہ بادی النظر میں ایسے فقرات یا ایسے الفاظ نہ تو سننے میں اچھے لگتے ہیں۔ اور نہ ان کا مفہوم اطمینان بخش ہوتا ہے۔ ایسے فقرات اور ایسے الفاظ کسی خاص زبان کا ہی حصہ نہیں ہوتے۔ ہر زبان اور ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ جب تک ایسے فقرات یا ایسے الفاظ کے اصلی مفہوم کی تفسیر نہ کی جائے۔ تب تک اعتراض رفع نہیں ہوتا۔

مندرجہ عنوان فقرہ بھی منجملہ ایسے ہی فقروں کے ہے۔ بعض وقت اس کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ یہ ایک مہمل فقرہ ہے۔ اور بعض وقت یہ کہ اس کا مفہوم ترقی اعتراض کیلئے سخت فانی ہے۔ اس سے بجائے چستی اور محنت کے کاہلی اور سستی کا سبق ملتا ہے۔ اور انسانی جماعتوں میں ایک دلی یا بے دلی پھیلتی ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ ایک شاعرانہ ترانہ ہے۔ اس پر عمل کرنا لازمی نہیں۔ کیونکہ یہ مشن زندگی کے سراسر خلاف ہے۔ بعض لوگوں نے یوں بھی کہا ہے۔ کہ

جیسے سنتوں اور صوفیائے کرام علیہ الرحمتہ کے شطیحات ہوتے ہیں ایسے ہی اس قسم کے فقرات بھی حکیموں اور فلاسفروں کے شطیحات میں سے ہیں

ان پر بحث کرنا عبث اور فضول ہے۔ اور ان کے مفہوم کی تشخیص ایک حرکت لغو +

اس قسم کی سب توجہیں اسی وقت تک درست یا راست اور مخالف تمدن و تہذیب معلوم ہوتی ہیں۔ جب تک گہری نگاہوں سے ایسے الفاظ یا ایسے فقرات کا مطالعہ نہ کیا جائے۔ ایسے فقرات نہ تو لغو ہیں اور نہ بے معنے و بے نتیجہ اگر اُن کی مسلسل تاریخ تدوین معلوم ہوتی۔ تو آسانی سے یہ بحث کر سکتے تھے۔ کہ اُن کے لکھنے والے کون کون سے مشاہیر زمانہ تھے +

باوجود اس کے بھی ہم یہ کہنے کے مجاز ہیں۔ کہ اُن کے مدون ان اشخاص اور اُن مشاہیر زمانہ میں سے تھے۔ کہ جن پر زندہ اور مردہ نسلیں یکساں فخر کر سکتی ہیں۔ اُن لوگوں نے یہ کلمات اور یہ فقرات

اُن بے بہا۔ بے انداز لاتحفے تجربوں اور دماغ سوزیوں کے بعد تدوین کئے ہیں۔ کہ جو بجائے خود اُن کی ایک تاریخ ہیں۔ یہ اُن پاکیزہ خوش آیند تجربوں اور مشاہدات کا نچوڑ یا نتیجہ ہیں۔ کہ جن کی تفسیر کے لئے ہزاروں ورق اور دفتر بھی کافی نہیں ہو سکتے۔ طبیب عصارۂ اثمار بناتے ہیں۔ اور قوم کے حکیم یا فلاسفر عصارۂ تجارب یا مشاہدات کی معجون مرکب سے دماغ کی ذہنی حالتوں کی اصلاح کرتے اور اُنہیں اعتدال پر لاتے ہیں۔ ہمارے تمدنی ڈھانچ کی بنیاد بھی ایسے کلمات اور ایسے فقرات ہیں۔ اگر تمدنی بحثوں میں وسعت سے کسی مسئلہ کا ذکر ہے۔ تو وہ اُنہی موجزات کی تفسیر یا اُسی متن کے حواشی ہیں اگر وسعت نظر سے اُن کا مطالعہ کیا جاوے گا۔ تو ضمیر اُس منزل پہ لے جائے گا۔ جہاں سے اُن کی حقیقت اور اصلیت کا نظارہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ ــــ۵

گفتگو معرفت حق میں ہے یا رو ناحق

حق جو کہنے کا تھا سب کہہ گئے کہنے والے

یہ جداگانہ اخلاقی منزلیں ہیں۔ ان میں جلد بازی ہمیشہ ٹھوکر کا باعث ہوتی ہے۔ تامل۔ تحمل۔ عمیق النظری۔ نطابق مشاہدات ندبر سے رفتہ رفتہ روشنی پڑتی جاتی ہے۔ اور ضمن مفہوم چلمن الفاظ سے جلوہ فرما ہونے لگتا ہے۔ ؎

میری چشم حیراں میں دیکھ اپنا جلوہ
تیرے پاس کیا کام ہے آرسی کا

اِس شعر کا رکن اعلے دیوانہ باش ہے۔ اس پر دونوں مصرعوں کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اور وہ بنیاد اسی کی تفسیر اور الفاظ کی حامل ہے۔ شاعر یا فنا اسفر کہتا ہے۔ دیوانہ باش +

اس کے متعلق سوال یہ ہوگا +

دیوانہ سے کیا مراد ہے؟

دیوانہ کون ہوتا ہے؟

دیوانہ کے معنے یہاں مخبوط الحواس اور سڑی سودائی کے نہیں ہیں۔ اگر یہ معنے ہوتے۔ تو باش سے اُس کی تفسیر یا اعلان نہ کیا جاتا۔ بلکہ اس کے یہ معانی ہیں۔ کہ بعض صفات یا اُن صفات کا جو ایک دیوانگی کا نتیجہ واقعہ ہوتی ہیں۔ کاروباری یا ہر حالت میں اشد لازمی ہے۔ وہ کیسے صفات ہیں تحمل۔ بردباری۔ درگذر۔ استقلال۔ ذہن کی پختگی۔ لاپرواہی۔ راستی۔ اصلیت۔ حقیقت الامر اگر بامکان نظر کسی دیوانہ کا مشاہدہ کیا جائے۔ تو عموماً وہ صفات، اور انہیں خصائل سے متصف ہوتا ہے۔ سڑی پن چھوڑ کر اُن صفات کے اعتبار سے دیوانہ اور اُس کی دیوانگی قابل تعریف ہے۔ دیوانہ جو کچھ کرتا ہے۔ صحیح اور واقعی سمجھ کر کرتا ہے۔ اُسے یہ ہرگز خیال نہیں ہوتا۔ کہ کون اُس کے فعل سے

راضی اور خوش ہوتا ہے۔ اور کون ناخوش کون اچھا کہتا ہے۔ اور کون بُرا۔ کون اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور کون نقصان۔ اگر ایک حرکت یا ایک فعل سے لوگ ناخوش ہیں۔ تو اُسے کچھ پرواہ نہیں۔ ایک استقلال سے کئے ہی جاتا ہے۔ اور اگر کسی فعل سے کوئی خوش ہے۔ تو اُس کی خوشی سے بھی کوئی سروکار نہیں +

اگر کسی فعل کی کوئی تعریف کرتا ہے۔ اور ایک فعل کی مذمت کی جاتی ہے تو کوئی پرواہ نہیں ہوتی پورے استقلال سے۔ گویا ایک دیوانہ اپنے افعال اور اپنے حرکات کا جائزہ لیتا ہے۔ اگر ساری دنیا ایک طرف ہو۔ تو وہ ایک طرف ہوجاتا ہے +

خواہ صحیح الحواس لوگ اُس کے افعال اور حرکات کی کوئی ہی تاویل کریں، وہ ہمیشہ اپنے خیال میں اپنے ضمیر کی پیروی کرتا ہے۔ لوگوں کے خیال میں اُس کا ضمیر غلیظ اور غلط کار رہتا ہے۔ لیکن وہ اپنے ذہن میں اُس خیال کی پیروی یا اقتدار بہرحال واجب سمجھتا ہے +

ایک حکیم دیوانوں کی قوت ارادہ اور ضمیر کی ان الفاظ میں تاویل کرتا ہے +

دیوانہ کا ضمیر اپنی پوری قوت میں کام کرتا ہے۔ یہ جدا بات ہے۔ کہ اُس کی تمیزی حالت میں نقص ہو۔ لیکن باوجود اس کے بھی آزادی اس کی اپنا حصہ ہوتی ہے۔ ؎

کتنی ہے گرم دخترِ رز کی ادا تو دیکھ
واعظ ذرا سی پی کے تو اُس کا مزا تو دیکھ

عام الفاظ میں دیوانہ وہ ہے۔ جو اپنی دُھن کا پکا اور ضمیر کا آزاد ہو۔ اور کسی لاگ لپیٹ کی پرواہ نہ کرے۔ شاعر کا مطلب اب یہ نکلا۔ کہ

کاروبار دنیا یا کاروبار دین میں جس طرح ایک دیوانہ آزاد ضمیر آزاد دھن کا پکا ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہر انسان کو ہونا چاہئے۔ جب تک یہ مشرب نہ ہو تب تک انسان زندگی کے کاروبار میں کبھی پورا نہیں اُتر سکتا۔ اگر انسان یہ خیال کرے۔ اور ان روکوں میں رہے۔ کہ

اس پر دوسرے نکتہ چینیاں نہ کریں +

اس پر کوئی گرفت نہ ہو +

اس کے تمام افعال اور تمام اعتبارات پر لوگ رضامند ہوں +

ان تمام کی تعریف کی جاوے +

وہ تمام قبول کئے جائیں +

وہ ہمیشہ اپنی چند روزہ زندگی ایک تھنکا اور تذبذب میں ڈالتا ہے۔ اور وہ آزادی سے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس میں ضمیر کی آزادی اور استقلال کمزور ہوکر مردہ ہو جاتا ہے۔ اور اُس میں سے ارادہ کی طاقت رفتہ رفتہ نکلتی جاتی ہے +

اگر انسان یہ کہے یا یہ آرزو رکھے۔ کہ

مخلوق اُس کی رایوں یا خیالات اعمال اور افعال کی نسبت کوئی نکتہ چینی نہ کرے۔ اور اُن پر کوئی سچی جھوٹی گرفت نہ ہو۔ تو وہ زندگی معرض وبال میں ڈالتا ہے۔ کیا کوئی انسان کبھی ایسی کامیابی حاصل کر سکتا یا کوئی اس میں بازی لیجا سکتا ہے۔ انہیں مشکلات عایدہ کی وجہ سے شاعر نے توجہ دلائی ہے۔ کہ اُن خواہشوں کی تکمیل مشکل ہے۔ جس طرح ایک دیوانہ دل بے پرواہ نہ کرکے کاروبار کی گاڑی چلائے جاتا ہے۔ اور ضمیر کی اَن تھک قوت سے کام لیتا ہے۔ اِسی طرح ہر انسان لے سکتا ہے +

جب تک دیوانگی کی دھن پیدا نہ ہو جائے۔ تب تک یہ منزل نہیں نصیب ہوتی۔ جو لوگ ایسے دل دماغ رکھتے ہیں۔ انہیں لوگ ہمیشہ یہ کہا کرتے ہیں لوگ اپنی دھن میں مگن رہتے ہیں۔ انہیں کسی کی تو تو میں میں سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ اپنی لے میں رواں دواں چلے جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ تو دین و دنیا کے کاموں میں گوئے سبقت لے جاتے ہیں ٭

انہی کیفیتوں اور انہی باتوں کو مدنظر رکھ کر شاعر کہتا ہے ٭

دیوانہ باش

کیوں دیوانہ باش ؟

تا غم تو دیگراں خورند ٭

جس طرح ایک سڑی سودائی کی تیمارداری اور خبرگیری عموماً حاشیہ نشین یا اور لوگ کرتے ہیں۔ اسی طرح ایسے ایسے کاروباری لوگوں کی بابت اور لوگ حواشی لگاتے رہتے ہیں۔ یا نکتہ چینیوں اور تعریف میں حصہ لیتے ہیں۔ گویا وہ بھی ایک قسم کی غمخواری ہی کرتے ہیں۔ وہ لوگ اپنی اپنی جگہ مصروف ہوتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ یا حاشیہ نشین اُن کی نسبت ہمیشہ بحث و مباحثہ اور قطع برید میں لگے رہتے ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے۔ اور کوئی کچھ۔ کسی کی کوئی رائے ہوتی ہے کسی کی کوئی ٭

جس طرح ایک سودائی ایسی باتوں اور ایسے حواشی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اِسی طرح ایسے لوگ بھی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ مگر یہ حالت اُس وقت استحکام پذیر ہوتی ہے۔ جب اُس میں راستی۔ راست بازی۔ استقلال کا زور ہو۔ جسے ہم راست سمجھ کر کہہ سکتے ہیں۔ وہی راستی اور راست بازی ہے۔ جو ضمیر میں آتا ہے۔ جب اس کا ہو بہو اظہار کیا جاتا ہے۔ تو وہی ایک صداقت

ہوتی ہے۔ یہ جدا بات ہے۔ کہ زمانہ اُس کے مخالف ہے یا موافق۔ اور فی الحقیقت بھی راستی ہے یا نہیں +

ممکن ہے۔ کہ بعض اسباب خارجیہ یا عائدہ کی وجہ سے وہ راستی نہ ہو یا راستی سے کسی قدر دور مگر جب ضمیر اپنے اجتہاد کے مطابق اُسے یہ پیرایہ راستی پیش کرتا ہے۔ تو وہ بھی اُس ضمیر کے لئے ایک راستی ہے۔ گو اُس کا اوروں پر تسلیم کرنا واجب نہ ہو۔ دیوانہ جو بات کہتا ہے۔ اُس کا ضمیر اُس پر صفائی سے شاہد ہوتا ہے۔ اگرچہ لوگوں کی رایوں میں درحقیقت وہ صداقت نہیں ہوتی۔ مگر دیوانہ کی ضمیر کی راست بیانی میں تو کوئی شبہ نہیں رہتا۔ راستی اور راست بیانی میں فرق ہے +

راستی تو اُس کیفیت کا نام ہے۔ جس کے خلاف کچھ اور ہو نہیں سکتا۔ اور راست بیانی اُس طرز عمل کا نام ہے۔ جو صرف اظہار معتقد سے متعلق ہے۔ واقعہ میں میرا ضمیر ایک امر کی مجھے ہدایت کرتا ہے۔ اور اُس میں اسے دھوکہ لگ چکا ہے۔ اور وہ راستی نفس الامر میں نہیں ہے۔ لیکن اُس کا اپنے علم اور اپنی تحقیقات کے مطابق اپنے مسلمہ کا اظہار کر دینا بجائے خود ایک راست بیانی ہے +

جب میں ایک امر پر بعض اسباب کی وجہ سے یقین رکھتا ہوں۔ اور مجھے اب تک اُن اسباب مشیرہ کی سبیل نہیں ملی۔ اور میں اُن کا نتیجہ صحیح سمجھتا ہوں۔ تو اگر میں باوجود اس کیفیت کے بھی دل میں یہ مدعا رکھ کر کسی اور کی خاطر اپنے ضمیر کی شہادت کا اخفا کروں تو میں درحقیقت درست بیانی سے گریز کرتا ہوں۔ کیونکہ میرے واسطے واقعہ قابل اظہار ہے۔ جو میرے ذہن نشین ہے۔ عام اس سے کہ بذاتہ وہ واقعہ کوئی بھی حیثیت رکھتا ہو

شاعر مصرعہ ثانی میں

استدلال کرتا ہے +

یعنی

آنرا کہ کار بیش غم روزگار بیش

جس قدر کاروبار کی وسعت ہوگی۔ اُسی قدر تعلقات بھی وسیع ہونگے

جس قدر کاروبار کی وقعت ہوگی۔ اُسی قدر اُس کے نتائج بھی وسیع ثابت ہوں گے +

شاعر اس میں تنبیہہ کرتا ہے۔ کہ وسعت کاروبار میں افکار اور علایق کی وسعت ہوتی ہے۔ اور یہ علایق اُسی حالت میں بہ خوش اسلوبی سُلجھ سکتے ہیں۔ کہ

دیوانہ ہو کر ہم کام کئے جائیں +

یہ نہیں کہ اندھا دھند بلکہ ایک استقلال و ہمت سے جو دل میں راستی سے آئے۔ اور قوت ضمیری اُس کی مزاحم نہ ہو۔ وہ کریں اور جہاں ضمیر مزاحمت کرے۔ اُس میں متامل ہوں۔ نہ کسی کے کہنے اور کسی کی نکتہ چینی سے کم ہمت ہوں۔ اور کسی کی تعریف سے خواہ نخواہ بے سود ہاتھ پیر ماریں۔ بلکہ نفس الامور پر غور کر کے ایک سیدھی راہ اختیار کریں۔ ع

نقش پا ایکے بڑھے جاؤ کبھی تو منزل آئیگی

کٹھن ہے راہ گو کہ یہ مگر ہے انتہا رکھتی

جب لوگوں کی عام نکتہ چینی پر اختیار کامل یا انحصار ہو۔ تو پھر کامیابی میں گونہ شک ہے۔ کیونکہ عیب جوئی اور نکتہ چینی کا انسداد ناممکن ہے۔ اور اُسکا نہ ہونا ایک معیار صداقت قرار دینا بجائے خود ایک فریب دہ خیال

ہے +

ایک دنیادار فلاسفر کا قول ہے +

Let the People say what they like
and let us do what we like

لوگ نکتہ چینی یا اظہار رائے کرتے ہیں +

وہ کیا کچھ کہتے ہیں +

جو کچھ وہ کہتے ہیں اُنہیں کہنے دو +

یعنی لوگ ہمیشہ دوسروں کے اعمال - افعال - اور خیالات پر نکتہ چینی لگایا ہی کرتے ہیں - بے شک یہ لازمی ہے - کہ یہ معلوم کیا جائے - کہ وہ کیا کچھ کہتے ہیں - لیکن اُن کے منہ بند کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا اخلاقی جرأت اور ہمت کے خلاف ہے - اور نہ اُس سے اپنے ارادہ اور عزم میں کوئی فرق لانا چاہیئے - کیونکہ لوگوں کی نکتہ چینیوں اور اعتراضات کا سلسلہ کبھی بند نہیں ہو سکتا +

اور نہ اس کے بند کرنے کی ضرورت ہے - کیونکہ بعض وقت ایسی نکتہ چینیوں سے ہی تنقید ہو کر معاملات کی اصلیت کُھل جاتی ہے +

جب ایک شخص کی نسبت یہ کہا جاتا ہے - کہ

اُس کا یہ فعل درست نہیں +

اُس کی یہ رائے غلط ہے +

اُس کا یہ عمل غیر واجب ہے +

تو فاعل ان حواشی کے سننے سے اپنے خیالات یا افعال کی نظر ثانی ضرور کرتا ہے +

یہی نظر ثانی اور غور و فکر بعض اوقات ہماری تمام کامیابیوں کی جڑ ہوتی

ہے۔ جو شخص دنیا کی رفتار سے نہ تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا۔ اور نہ کبھی اپنا جائزہ لیتا ہے۔ وہ گویا اندھا دھند چل رہا ہے ۔

کام کرتے ہوئے دیوانہ وار چلو۔ اور دیوانہ رہو۔ لیکن جس طرح ایک شرابی [illegible] نشہ کی چیز کا احساس کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی احساس کر کے اس پر غور [illegible] کرو۔

دیوانگی تو ایک قسم کی دھن ہے۔ اور بقول ایک فلاسفر کے دنیا کے کاموں میں جو لوگ اپنی دھن کے پکے نہیں ہوتے۔ وہ کامیاب ہی نہیں ہوتے۔

نہیں آنے کے جھکوں میں ترے ہم ناصح ہرگز
شرابی ہیں اور سودائی ولیکن دھن کے پکے ہیں

سلطان احمد

رسالہ نہ پہنچنے کی شکایات کا سلسلہ دن بدن زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔ محکمہ ڈاک باوجود فریاد کے پوری توجہ نہیں دیتا۔ چھوٹے ڈاکخانوں میں تو اندھیر مچا ہے۔ مگر ناظرین خود خیال فرما سکتے ہیں۔ کہ ہم اس میں کہاں تک قصوروار ہیں۔ آزاد کی شہرت جوں جوں بڑھتی ہے۔ چوری میں بھی ترقی ہوتی جا رہی ہے۔ ہم حکام بالا تک بھی فریاد لے گئے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں۔ کہ جلد کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوگا۔ اس عرصہ میں ہم سوائے اس کے کیا کر سکتے ہیں۔ کہ رسالہ نہ پہنچنے پر خود نقصان اٹھائیں۔ اور رسالہ دوبارہ بھیج دیں ۔

کانگریس کا مستقبل

از منشی گنگا پرشاد ورما ایڈیٹر ایڈوکیٹ ہندوستانی

آزاد کے نامور محسن منشی گنگا پرشاد ورما ممالک متحدہ کے مسلمہ لیڈر اور بانیان کانگریس کے ممتاز ممبر ہیں۔ کانگریس کی موجودہ نازک حالت کے وقت آپ کی رائے مسیحائی کا حکم رکھنے والی ہے۔ آپ کی زندگی اولوالعزمی اور استقلال کا سبق ہے۔ اگرچہ سب کے سب گنگا پرشاد نہیں بن سکتے۔ مگر ان کے نقش قدم پر ضرور چل سکتے ہیں۔ تمام عمر ملکی خدمت کرتے رہے ہیں۔ اور اب بھی وہی دم خم ہے۔ لکھنؤ کا مشہور انگریزی اخبار ایڈوکیٹ اور اردو میں ہندوستانی ہمارے قول کی تائید کو موجود ہیں۔ اخبار کا نکالنا کوئی آسان کام نہیں اور پھر ایک چھوڑ دو دو۔ اس مصروفیت میں بھی آزاد کے لئے کس شوق سے ات کوشش کے مضمون لکھا ہے اس کے شکریہ کے لئے کافی الفاظ نہیں ملتے۔ آزاد اس کے لئے کس قدر ممنون احسان ہے۔ ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ایشور سچدانند ہمارے محسن کی عمر دراز کرے اور ملکی خدمات کی ہمت اور برکت دے۔ منشی صاحب کے احسانات کی آزاد کے لئے یہ پہلی قسط ہے۔ ایڈیٹر

اُس رنج اور افسوس میں جو چھبیسویں جلسہ انڈین نیشنل کانگریس کی بے لطفی کے ساتھ انجام ہونے پر تمام تعلیم یافتہ ہندیوں کو ہر حصہ ہند میں ہوا ہے۔ اگر کوئی امر اطمینان بخش ہے تو یہ کہ ایک اجلاس کانگریس کی قوت کی کمی یا شکست ہونے پر کوئی حصہ اینگلو انڈین مخالفین کا اظہار خوشی اور مسرت نہیں کرتا جو برس ہوئے مخالفین نیشنل کانگریس میں اینگلو انڈین اخبارات سب زیادہ اس امر

کے لئے سرگرم نظر آتے تھے۔ کہ کانگرس کی کارروائیوں پر مضحکہ اڑاتیں۔ ولایت میں کنسرویٹو اخبارات اپنے مضامین کے گولوں سے قلعہ کانگرس کی دیواروں کو گرانا چاہتے تھے۔ آج وہی اینگلو انڈین اخبارات اور اُن کے ہمخیال کنسرویٹو اخبارات ولایت افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ کہ کانگرس میں بدمزگی پیدا ہوئی اور اس امر کا خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں اس ضابطہ اور قوانین کی پابند تحریک کو گزند نہ پہنچے۔ اخبار اسٹیٹسمین لکھتا ہے کہ گو ہم یہ نہیں لکھتے کہ گورنمنٹ ہند ظالم ہے مگر وہ ظالم بھی اگر ہوتی۔ تو ہرگز اس کی اجازت نہ دیتی کہ کانگرس کو گزند پہنچے کیونکہ اس کی موجودگی سے جذبات اور خیالات ملک سے ایک غیر ملکی گورنمنٹ کو واقفیت حاصل ہوتی ہے ؛

یہ تبادلِ خیالات میں کیونکر پیدا ہوا اس وجہ سے نہیں کہ مخالفین قومی تحریک کے دلوں میں تعلیم یافتہ ہندیوں سے جو کانگرس کی سرگرمیوں میں مشغول ہیں محبت عود کر آئی ہے۔ بلکہ گذشتہ دو تین سال کے تجربہ نے یہ بتلا دیا ہے۔ کہ ہندوستان کی سرزمین سے بھی جہاں ملکی معاملات ہنوز عوام میں جوش پیدا نہیں کرتے ممکن ہے کہ ایسا گروہ پیدا ہو جاوے جو غیر ملکی حکومت قوانین وضوابط کی پابندی ضروری نہ سمجھ کر آمادہ ہو۔ کہ جائز اور ناجائز ہر ایک طریقہ سے گورنمنٹ کے کاروبار میں دشواری پیدا کرے۔ اور افسران گورنمنٹ کی پریشانیوں ہی سے ہندوستان کی آئندہ بہبودی سمجھے ۔ اکسٹریمسٹ گروہ کی موجودگی اُس کی بڑھتی ہوئی برقی قوت ملک کی بیزاری سے اینگلو انڈین اخبارات کو ماڈریٹ گروہ کی قدر معلوم ہوئی۔ اب یہ دیکھنا ہے ۔ کہ گورنمنٹ پچھلے ماہ کے واقعات سے کتنا فائدہ اُٹھاتی ہے ۔ اور کیا سبق

سیکھتی ہے +

تئیسویں انڈین نیشنل کانگرس کا ناکامیابی کے ساتھ انجام بھی ملک کیلئے باعث برکت ثابت ہو۔ اگر افسران اعلےٰ گورنمنٹ خود اپنے گذشتہ طرز عمل پر نظر ڈال کر دیکھیں۔ کہ وہ کہاں تک انتہا پسند پارٹی کے وجود کے خود ذمہ دار ہیں۔ انتہائی پسند پارٹی تقسیم بنگالہ کے بعد وجود میں آئی۔ بنارس کی کانگرس میں اس کی تعداد درجن دو درجن تک صوبہ بنگال میں محدود تھی۔ بنگال جو انتہائی پسند گروہ کا مرکز سمجھا جاتا ہے کلکتہ کے جلسہ میں سو دو سو سے زیادہ اکسٹریمسٹ نہ بھیج سکا حالانکہ سورت کی کانگرس میں اکسٹریمسٹ کی ایسی جمعیت تھی کہ جس نے کانگرس کے ایک جلسہ کو غارت کرنے میں کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور تین سو کی جماعت نے بارہ سو کی جماعت کو مجبور کیا کہ وہ اپنی مرضی کے موافق کاروبار جلسہ کا انجام نہ پہنچا سکے۔ اگر تین برس کے اندر چند درجنوں کی جماعت سیکڑوں تک پہنچ گئی تو کیا عجب ہے کہ آیندہ یہ جماعت اور بھی ترقی کرے +

گورنمنٹ ہند جائز شکایات کی طرف سے خود ہی غافل رہی۔ رعایا کی فریاد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تعلیم یافتہ جماعت سے مخاصمت کا برتاؤ کیا اور ایسے احکام صادر کئے جو قومی تنفر بڑھانیوالے تھے۔ ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح دی اور یہی باعث اکسٹریمسٹ جماعت کی تقویت کا ہوا +

رایٹ آنریبل جان مارلے صاحب نے اپنی اسپیچ بمقام اربورتھ Arbroath میں ماڈریٹ گروہ سے چاہا تھا کہ وہ گورنمنٹ کی امداد کریں۔ مگر مسٹر مارلے صاحب کو گذشتہ ہفتہ کے واقعات سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ماڈریٹ اور انتہا پسند میں کوئی دیوار حائل نہیں ہے۔ آج جو ماڈریٹ

ہیں۔ کل اکسٹریمسٹ بن سکتے ہیں۔ سب دارومدار گورنمنٹ کے طرزعمل اور برتاؤ پر ہے۔ اگر گورنمنٹ نے اب تک اعتدال پسند گروہ کی معروضات کا خیال کیا ہوتا تو اکسٹریمسٹ گروہ ہرگز نہ پیدا ہوتا۔ اکسٹریمسٹ گروہ کی آج قوت جاتی رہے۔ اور لوگوں کو اُس کی طرف مخاطب ہونے کی ضرورت ہی نہ پڑے بشرطیکہ گورنمنٹ اپنی جانب سے اُن شکایات کے دفعیہ کا انتظام کرے کہ جن کی نسبت تمام ملک متفق الآواز ہو کر عرصہ سے عرض و معروض کر رہا ہے۔ لندن ٹائمس نے صورت کی کانگرس کے واقعات پر نکتہ چینی کرتے وقت لکھا ہے کہ کانگرس کا فرض ہے کہ وہ اپنے تئیں انتہائی پسند خیالات کے لوگوں سے علاحدہ کرے مگر یہ علیحدگی کیونکر ممکن ہے کسی شخص کے چہرہ پر یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ وہ اکسٹریمسٹ ہے، کہ وہ جلد کانگرس سے خارج کر دیا جاوے۔ اکسٹریمسٹ گروہ کے اثر میں کمی اُس وقت ہو سکتی ہے جب گورنمنٹ خود اس کا موقع نہ دے کہ انتہائی پسند گروہ گورنمنٹ کے ارادوں کی نسبت غلط فہمی پھیلا سکے۔ لندن کے مشہور لبرل آرگن ڈیلی نیوز نے خوب لکھا ہے کہ سورت میں بدمزگی کی ذمہ داری بہت کچھ برٹش پالیسی پر ہے۔ اصلاح انتظام ہند میں اصلاحات بہت سستی اور نارضامندی کے ساتھ منظور کی جاتی ہیں۔ بلاشک ہر ایک پابند ضابطہ اور قانونی شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے تئیں ایسے گروہ سے علیحدہ رکھے۔ جو اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ہندوستان کی ترقی کے لئے انگلستان کے ساتھ تعلق لازمی ہے اور اُس کو جب تک کہ ہندوستانی خود اپنے اوپر حکومت کرنا نہ سیکھ جاویں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان کے سایۂ عاطفت میں اُس کی ہستی قایم رہے مگر یہ علیحدگی اُسی وقت عمل میں آسکتی ہے۔ جب واقعی یہ خیال گورنمنٹ کے ذہن نشین

ہو جاتی ہے۔ کہ بہترین دانشمندی یہی ہے کہ رعایا کی خواہشات اُن کی آرزو کے مطابق پوری کی جاویں +

اس جگہ یہ لکھنے کا موقع نہیں ہے کہ سورت میں بدمزگی ہر دو فریقوں کے درمیان کیونکر پیدا ہوئی۔ انتہا پسند اور اعتدال پسند گروہ ہم خیال نہیں ہیں۔ اُن کے طرز عمل میں فرق ہے۔ وہ بالکل ایک دوسرے سے اپنے اغراض میں جدا ہیں۔ لہذا بجائے اس کے کہ اس علیحدگی پر افسوس ظاہر کیا جاوے اور بیکار غل مچایا جاوے۔ کہ کانگرس میں دو فریق پیدا ہو گئے ہیں۔ اور اتحاد مٹ گیا ہے یہ اختلاف بہ اعلان عام قبول کیا جانا چاہیئے۔ ہر دو فریق اپنے اپنے طور پر خدمت ملکی انجام دیں۔ اگر اکسٹریمسٹ واقعی خیراندیش ملک ہیں۔ تو اُن کا کام ہے کہ وہ اپنے طرز عمل سے ملکی خدمت کریں۔ اور اُن لوگوں سے بالکل علیحدہ ہو جاویں جن کی نسبت خیال ہے۔ کہ وہ اگر افسران گورنمنٹ سے در پردہ ملے ہوئے نہیں ہیں تو ایسی پالیسی پر چل رہے ہیں جو اُن کو غیر ملکی سلطنت کا ہمیشہ غلام بنائے رہیگی۔ اختلاف قایم رکھ کر بھی ہر دو فریق ملکی کام کر سکتے ہیں۔ ولایت میں مختلف پارٹیاں ملکی کام کرنیوالوں کی موجود ہیں۔ بجائے اس کے کہ یہ آپس میں سر پھٹول کریں۔ اپنے اپنے طور پر کام کرتی ہیں۔ باوجودیکہ کنسرویٹیو اور لبرل فریق میں مسائل کے متعلق اندرونی معاملات ملک پر سخت اختلاف ہے مگر ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ فشوڈہ کے معاملہ پر کیونکر دونوں فریقوں نے متفق ہو کر فرانس کو دبالیا۔ بکیونکر کنسرویٹیو اور لبرل پارٹیاں جنگ ٹرنسوال کے موقع پر متفق ہو گئیں۔ سال گذشتہ جب کہ محض چند افترا ع پردازوں کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو خطرہ ہے۔ تو تمام کنسرویٹیو اور لبرل تعلیم یافتہ اہل ہند کے خلاف متحد ہو گئے۔

اور کچھ عرصہ تک ہمارے دوستوں کی آواز سنائی تک نہیں دیتی تھی - غرض یہ ہے کہ اگر ہندوستان کی پولیٹیکل پارٹی اتحاد کے ساتھ کام کر سکتی تھی .. جیسا کہ ۲۰ سال سے کام ہوتا رہا تو بہتر تھا۔ مگر جب اختلاف پیدا ہو گیا تو مناسب یہی ہے کہ ہر فریق اس امر کو مدنظر رکھ کر کہ ملکی فوائد کو گزند نہ پہنچے اپنے اپنے طریقے سے ملکی خدمات انجام دے +

ایک زمانہ ہندوستان میں وہ تھا۔ جب پبلک معاملات میں دلچسپی لینے والو کی تقسیم خوشامدیوں اور آزاد گروہ کے نام سے منسوب ہوتی تھی - اب بیس سال کی پولیٹیکل جدوجہد کا یہ خاطر خواہ نتیجہ ہوا ہے کہ اگر قومی اور ملکی فوائد کو نقصان پہنچا کر ذاتی مفاد کے حاصل کرنے والوں کی تعداد بالکل مٹ نہیں گئی ہے - تاہم اس قدر تو ضرور ہوا ہے۔ کہ یہ حضرات لیڈری کا دعوےٰ نہیں کرتے ہیں آزاد گروہ میں البتہ دو پارٹیاں پیدا ہو گئی ہیں - ایک اعتدال پسند اور ایک انتہا پسند - باوجودیکہ انتہا پسند پارٹی کے اصولوں سے ہم کو اختلاف ہے۔ مگر اس پارٹی میں بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں جن کا ہماری نگاہوں میں اعزاز ہے اور جن سے اگر بائیکاٹ کے مسئلہ پر ہم کو اختلاف ہے تو ساتھ ہی اس امر پر اتفاق ہے کہ فلاح ملک کا دارومدار بہت کچھ اپنی کوششوں پر منحصر ہے - اور اس سے ہم کو کسی حالت میں دریغ نہ کرنا چاہئیے +

نیشنل کانگرس شکست نہیں ہوئی بلکہ اُس کی بنیاد اب اس قدر زمین میں گہری جم گئی ہے کہ کوئی قوت اُس کو اُکھاڑ کر نہیں پھینک سکتی - ۲۲ برس تک اینگلو انڈین جماعت اور اُس کے اخبارات نے نیشنل کانگرس کو نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جب کانگرس اِن چوٹوں کو برداشت کر کے زندہ رہ سکی تو کیا وہ شکوہ اختلاف کی ایک ذرا سی چوٹ برداشت نہ کر سکے گی - اُس عالمگیر

افسوس ہی ہے کہ جو پچھلے ہفتہ کے واقعات پر ملک میں ظاہر کیا گیا ہے پتہ چلتا ہے کہ نیشنل کانگرس نے ہندوستانیوں کے دلوں کو مسخر کر لیا ہے۔ ہم اُن لوگوں میں نہیں ہیں کہ جو ان خفیف دشواریوں سے دلبرداشتہ ہو جاویں ہمارا اپنا تو یہ خیال ہے کہ ایسٹر کی تعطیل میں جب سب کمیٹی مقرر کردہ نیشنل تینوں شہروں میں سے ایک شہر کی دعوت قبول کرے گی اور قرار دے گی کہ مدراس (یا) سورت یا کراچی میں چوبیسواں جلسہ نیشنل کانگرس کا منعقد ہو اُس وقت ملک اُسی خوشی سے جوق جوق ڈیلیگیٹ اس جلسہ میں شرکت کو بھیجے گا جس طرح سے اسے سورت کے جلسہ میں بھیجے تھے۔ اور نیا دور نیشنل کانگرس کے پرانے دور سے بدرجہا زبردست ثابت ہوگا۔ ۱۸۸۵ء میں کانگرس کی بنیاد ۷۲ ڈیلی گیٹوں کی شرکت سے ڈالی گئی تھی۔ کہاں ۷۲ کی تعداد کہاں دس ہزار کی جمعیت۔ آج جدید سلسلہ کانگرس کی بنیاد آٹھ نو سو ڈیلیگیٹوں نے متفق ہو کر ڈالی ہے۔ ہمیں پورا بھروسہ ہے کہ دس سال کے عرصہ میں یہ آٹھ سو حضرات اپنے گرد لاکھ دو لاکھ کی جماعت قائم کریں گے۔ چونکہ یہ خیال مضبوطی سے ہر شخص کے دل میں جم گیا ہے کہ کانگرس کا یہ کام نہیں ہے کہ سال بھر میں تین دن تک کام کرے۔ چونکہ خاص خاص صوبوں کی کانفرنس ہونے لگی ہیں۔ اور ڈسٹرکٹ کانفرنس کے انعقاد کی نوبت آ پہنچی ہے لہذا ہم اُمید کرتے ہیں کہ اگر پورے انتظام سے کام ہوا تو آئندہ دس سال کے اندر ایک بھی تحصیل یا پرگنہ تمام ملک میں نہ بچیگا جس میں ایک آدھ ممبر کانگرس کا موجود نہ ہو جو اپنی نظیر سے اپنے پڑوسیوں کو یہ نہ سکھلائے۔ کہ بہترین ریاضت اس وقت ہندوستان کے ہر باشندہ کے لئے یہ ہے کہ ملک سے محبت کرے باشندگان ملک میں تعلیم پھیلا دے۔ اور ایک دوسرے میں احساس قومیت

پیدا کرے۔ کانگرس کی تحریک نے ہندوستان میں جان ڈال دی ہے۔ ہندوستان میں وہ بیداری پیدا ہو گئی ہے کہ جن آثار بیداری کو دیکھ کر اغیار اور دوست سب ہی حیرت کرتے ہیں بائیس سال کی کوششوں نے جو خیال ملک میں پیدا کر دیا ہے کوئی طاقت اس خیال کو مٹا نہیں سکتی۔ ممکن ہے کہ بیرونی مخالف یا اس کے دوست ہی اپنی نافہمی سے کچھ رکاوٹ پیدا کریں۔ مگر یہ بنیاد اب کمزور ہونے والی نہیں اگر تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی کوشش یہی ہے کہ ملک میں قومیّت کا خیال پیدا ہوا اور ہم سمجھتے ہیں کہ ماڈریٹ اور ایکسٹریمسٹ دونوں پارٹیوں میں ایسے لوگ ہیں جنکی اس ملکی حب الوطنی پر شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا تو یہ لازمی ہے۔ کہ کانگرس کی قوت ملک کے لئے باعث ثروت اور انگریزی قوم کے لئے باعث تقویت ثابت ہو گی۔ کیونکہ وہ اپنا فرض پورا کرینگے یعنی جہالت اور ذلت میں گری ہوئی قوم کو اپنے اوپر حکومت کرنی سکھا دینگے یا وہ مسرت حاصل کرینگے۔ جو ہر بندۂ خدا کی آرزو رہی ہے ٭

گنگا پرشاد ورما

مشرقِ گورکھپور — بعض ناتجربہ کار جب اخبار نویسی کی سی اہم ذمہ داری کو اپنے سر لیتے ہیں اور جنھیں ہم یہ کہنے کیلئے مجبور ہیں کہ کمسنی بر ملا اثر پیدا کرتے ہیں تو یہ معزز پیشہ اور اہم کام بدنام ہوتا جاتا ہے ایسے اخبار نویسوں کے میدان میں آنیکی ضرورت ہے جو ملک کو دل و دماغ سے سچائی کی پیروی کریں اور ایک تعلیمی قلم سے ایسا نکلے جو حاصل شدہ معراج سے گرا نہ ہو [illegible] میں مشرق کی اشاعت سے بڑی خوشی ہوئی ہے کیونکہ حکیم برہم ایسے تجربہ کار اور زمانہ کی نیرنگی دیکھے ہوئے شخص ہیں۔ آپ حکیم برہم ان ہی [illegible] ہیں جنکو پہلے ہیں [illegible] میں ملک بہت [illegible] حکیم برہم [illegible] مضامین [illegible] آزاد [illegible] ہیں ہم اپنے دوست کی [illegible] [illegible] اخبارات کی [illegible] اشاعت [illegible]

کانگرس میں فرقہ بندی

از منشی رامدیال ودیارتھی مختار عدالت و سابق ایڈیٹر رسالہ ویش اپکاری

جنوری گذشتہ میں جب کلکتہ کانگرس کے موقعہ پر کانگرس میں فرقہ بندی نمایاں ہوئی تھی تو ہم نے اس اختلاف رائے کو غنیمت ہی سمجھا تھا اور ہمارا خیال تھا کہ بیدار مغز لیڈران قوم اس اختلاف کی روشنی میں نیکی بدی کو پہچان لینگے اور ان کا یہ اختلاف نفاق کی صورت اختیار نہ کریگا۔ کاش ہمارے لیڈر زمانہ کیساتھ چلنے کی کوشش کرتے اور اپنی اپنی کمزوریوں کو کانگرس کے سالانہ میں دخل نہ دیکر اس عظیم الشان انجمن کو نقصان نہ پہنچاتے جسکے زوال کیساتھ تمام ہندوستان کی آرزوؤں کا خون ہو جانا ضروری ہے اب پیشتر کی نسبت بہت زیادہ نازک ہے اور اب ہندوستانی منزل ترقی کی ابتدائی منزلوں سے آگے بڑھ چکا ہے جہاں بہت سی کوششیں منزل مقصود کی بلندی تک پہنچا سکتی ہیں اور ذرا سی بھی اس بلندی سے نیچے گرا کر کچل ڈالنے والی ہے اب وقت ہے کہ تم بھی خود ان عمدہ اصلاحات کو ثابت کر کے ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے بلندی کی طرف جانیکی کوشش کریں ہمارے دوست منشی رامدیال نے اپنے مضمون میں کانگرس کے دونوں فریق پر روشنی ڈالی ہے ہمیں انتہا پسندوں کی حکام کو تنگ کرنے والی پالیسی سے اتفاق نہیں اور اس کے متعلق ہم نے اپنے خیالات کسی دوسری جگہ ظاہر کئے ہیں۔ (ایڈیٹر)

کھینچ اس کو نہ لایا جذبۂ دل، تیر شہید ناسمجھے نے کی
میں دونوں کا شاکی ہی سایہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

جن دنوں لارڈ کرزن کی خودنما اور ضدی طبیعت ہندوستان کی آیندہ نسلوں کے دماغوں پر یونیورسٹی ایکٹ کے ذریعہ سے قابو پانے کی کوششوں میں سرگرم تھی انھیں دنوں ہندوستان کی پالیٹکس کی سلگتی ہوئی دھیمی چنگاری تیز ہوتی جا رہی تھی۔ صوبہ بنگال نے اپنی اعلیٰ دماغی سے لارڈ کرزن کی خطرناک پالیسی کو روشنی میں لا کر لارڈ ممدوح کو جھنجھلا دیا۔ آخر لارڈ موصوف کلکتہ یونیورسٹی

کے سالانہ جلسہ پر غصہ ضبط نہ کر سکے اور بہت کچھ اُلٹی سیدھی کہہ سنائیں۔ اس واقع نے تمام ملک میں ایک نیا جوش پیدا کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ تمام ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک وائسرائے کے اس قول پر اظہار ناپسندیدگی اور ناراضگی کیا گیا۔ اس طوفان میں بنگالیوں نے بھی لارڈ کرزن کے کانوں پر بھی بیٹھ کر وہ واویلا مچایا کہ لارڈ موصوف کا دماغ بھی بھنّا گیا جس سے اس خیال کے پیدا ہونے کا موقع ہوا کہ بنگالی قوم گورنمنٹ کے کان پھوڑے ڈالتی ہے۔ اس لئے تجویز کی گئی کہ اُن کو منتشر کر دینا چاہئے۔ اور تقسیم بنگال کا شوشہ شروع کیا گیا لیکن اس تجویز سے بجائے اس کے کہ بنگالیوں کی زبان بند ہوتی اور تیز ہو گئی اور اس مرتبہ اُنھوں نے پہلے سے بھی زیادہ گلا پھاڑ کر وہ چیخ پکار مچائی شروع کی کہ الامان! پارلیمنٹ تک جا کر سنائی دی۔ بیچارے براڈرک صاحب نے وزارت میں اپنے تھوڑے سے دن ایک کان گونگا ایک بہرا کر کے کاٹے۔ لیکن راج ہٹ مشہور ہے۔ تجویز نہ ٹلنی تھی نہ ٹلی اور تقسیم بنگال کے گل میں آنے کا اعلان ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ع

ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہم کو

سیکریٹ بل اور یونیورسٹی ایکٹ کے دھچکے پہلے سہہ ہی چکے تھے — گالیاں بھی برداشت کر چکے تھے۔ آخر ضبط کی بھی انتہا ہے۔ بنگالیوں نے بھی بگڑ کر اپنے دماغی جوہر دکھلانے شروع کئے۔ ایک قانونی نکتہ ہی نکال مارا کہ "وائسرائے کو صوبہ کی تقسیم کا اختیار ہی نہیں ہے"۔ لیکن لارڈ کرزن بھی کچھ ایسے ویسے نہیں تھے اور پھر قانون تو اُن کی جدی میراث ٹھیری۔ اس میں کسی کا اجارہ ہی کیا تھا خیر یہ بات تو یوں ہی آئی گئی ہو گئی کہ اُدھر سودیشی کی تحریک شروع کر دی گئی۔ جو گو ہندوستان میں نئی نہیں تھی لیکن پولٹیکل دنیا میں بالکل نئی تھی۔ اِدھر

بنگالیوں کے جوش کا پارہ چڑھتا رہا اور اُدھر ساتھ ساتھ سودیشی کا پودا نشو و نما پاتا رہا لیکن کچھ ہی دن میں وہ سودیشی جس کی بنا محبت ملکی پر تھی خالی سودیشی نہ رہی بلکہ بائیکاٹ کی شکل میں بدل گئی۔ آخر گورنمنٹ کی گذشتہ پالسی سے متاثر ہو کر کہ "گورنمنٹ ہماری بات سُنتی ہی نہیں۔ ہماری خواہشات اور ضروریات کا ذرا لحاظ نہیں کرتی۔ ۲۰ برس سے بکتے بکتے اپنا گلا خشک کر لیا"۔ گورنمنٹ کے کان تو معلوم نہیں کہ بہرے ہوئے یا نہیں لیکن کانگرس کے مطالبہ پورے ہونے کا دن نہ آیا۔ ایک گروہ جدید خیال لیکر پالیٹکس کے میدان میں آیا اور یہ کہنے لگا کہ

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تک
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا

دلیری سے اپنا نیا راستہ نکال کر آگے بڑھا۔ مثل ہے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اُس نے زور سے اعلان کیا کہ

"اب گورنمنٹ کو اپنی خواہشات بتلانا اور اُس سے کچھ مانگنا فضول ہے۔ مانگنے سے آج تک دنیا میں کہیں کچھ نہیں ملا ؏

بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک

اب خاموش ہو جاؤ۔ اور اپنے میں طاقت پیدا کرو تا کہ گورنمنٹ بنفسہٖ خود دے۔ اس اعلان نے ہندوستانی پالیٹکس میں ایک نیا دور پیدا کر دیا۔ پہلے پہلے بنگالی ہی اس گروہ میں تھے لیکن گورنمنٹ کے پہلے چکنے چپڑے وعدے جو ہندوستانیوں کے دل کو بہلا چکے تھے وہ طفل تسلی سے زیادہ ثابت نہ ہوئے تھے۔ پچھلے طرز عمل کی سرد مہریوں نے تمام ملک کا دل سخت مایوسی سے بھر دیا تھا۔ اس لئے ملک کے دیگر صوبوں پر بھی اس جدید خیال نے اپنا قبضہ

آسانی سے پالیا۔ اور پھر اس خیال کے حامیوں کی اچھی خاصی ایک پارٹی ہوگئی۔
جس نے پولٹیکل کام کا طرز ہی بدل دیا۔ پانچ چھ مہینے میں بنارس کانگریس کے
موقع تک گویہ پارٹی بطور ایک علحدہ گروہ کے موسوم نہیں ہوئی تھی لیکن
اس خیال کے حامیوں کی تعداد محدود کے دائرے سے آگے نکل چکی تھی۔ اس سے
اگلے ایک برس کے اور عرصہ میں اس گروہ نے ملک میں خوب ہلچل مچائی اور
ملکی خدمت میں ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے میں اپنی ایثار نفسی کی مثالیں قائم
کیں۔ صوبہ بنگالہ جہاں پہلے ہی سے ایسے مادہ کے جذب کرنے کا سامان تھا۔
اس گروہ کا خوب پشت پناہ ثابت ہوا۔ ان دونوں صوبوں میں متعدد
نوجوان ایڈیٹران و طالب علمان نے خود کو اپنے خیالات کی حمایت میں جیلخانہ کی
تکالیف کے لئے پیش کیا۔ اس عرصہ میں کلکتہ کانگرس کا موقع آگیا اور پہلی ہی
مرتبہ اس گروہ نے مسٹر تلک کو جو گو اس وقت اس گروہ کے لیڈر تھے۔ لیکن
ملکی خدمت اور علمی قابلیت میں دوسرے گروہ میں بھی کسی اور لیڈر سے کم ممتاز
نہیں تھے۔ اور جن کے مقابلہ میں بلحاظ ایثار نفسی کوئی مثال ملک میں سامنے
نہیں آسکتی ہے کانگرس کی پریسیڈنٹی کے لئے صریح طور پر پیش کیا۔ کیونکہ
بنارس کانگرس میں بھی ان کی پریسیڈنٹی کا سوال تھا لیکن وہاں صریح طور پر
پیش نہیں ہوا تھا۔ لیکن خلاف امید اس سوال پر جدید گروہ سے سخت اختلاف
اس گروہ کا ہوگیا جو نئے خیالات سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ اور گورنمنٹ کی
اس قدر سرد مہری پر بھی اُس کی سخاوت سے مایوس نہ تھا۔ لیکن آخر میں پُرانے
گروہ کی جیت رہی اور نئے جس طرح بنارس میں چپ ہو گئے تھے۔ یہاں بھی صریح
طور پر دب گئے۔ بزرگ اعظم دادابھائی پریسیڈنٹ بنا دیئے گئے۔ جنہوں نے
جدید گروہ کی خواہشات کا لحاظ رکھ کر سیلف گورنمنٹ یعنی سوراج کا اعلان بطور

مقصد پولیٹیکل ایجیٹیشن کے سنا دیا۔ کلکتہ کانگرس کی اس ہل چل میں نئے گروہ۔ ملک سے اپنا نام بھی پالیا۔ اور وہ بطور ایک علیحدہ پارٹی کے ایکسٹریمسٹ یا گر کے نام سے پکارے جانے لگے۔ لیکن اب چند ماہ سے اس گروہ نے اپنا نا ایکسٹریمسٹ اپنی حالت کے ناموزوں قرار دیکر اپنی پارٹی کا نام نیشنلسٹ (قوم ک بہبودی چاہنے والی پارٹی) قایم کیا ہے۔ پرانے گروہ کا نام اُس وقت سے ماڈریٹ یا معتدل مزاج مشہور ہوا۔ اور اُس وقت سے صریح طور پر دنیا نے دیکھا کہ کانگرس میں دو مختلف اصولوں پر کام کرنے لگیں ؀

• سنہ ۱۹۰۶ء چارج دیکر روانہ ہوئے۔ اور ان کے بھائی سنہ ۱۹۰۶ء سے کے رقیب آ دھمکے۔ ڈیڑھ برس کے بعد اس سال ایکسٹریمسٹ نے اپنے اصول کی خوب سرگرمی دکھائی۔ گورنمنٹ کے کان پہلے ہی سے کھڑے ہونے شروع ہورہے تھے۔ اس لئے سختی شروع ہوئی۔ چونکہ جوش پہلے ہی سے ترقی پر تھا اس طرز نے سخت ایجیٹیشن پیدا کر دیا۔ ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک بوڑھے اور نوجوان ایکسٹریمسٹ نے ملک کے لئے ایثار نفسی کی مثالیں پیش کرنی شروع کیں۔ بمبئی میں مسٹر تلک۔ کال اور بھالا کے ایڈیٹر ا سارٹیفکٹ یافتہ تھے ہی۔ بنگال میں بپن چندر پال۔ یوگانتر۔ سندھیا بندے ماترم کے ایڈیٹران و پر و پرائیٹران و دیگر متعدد نوجوانان نے اپنے کانشنس اور اصول کی پیروی میں ملک کے لئے بجائے دنیوی جاہ و حشمت آرام کے جیلخانہ کی مصیبتوں کو بہتر قرار دیا۔ قانون نو آبادی۔ قانون آبپاشی اضافہ مالیہ بندوبست راولپنڈی۔ پنجابی کا مقدمہ جیسے واقعات نے پنجاب کا پولیٹیکل مطلع غبار آلود کر ہی رکھا تھا۔ لالہ لاجپت رائے اور سردار اجیت کی جلاوطنی اور راولپنڈی کے مقدمہ نے اور ہی رنگت پیدا کر دی۔ ایک

نے اس سال جس نسبت سے ترقی کی اُسی نسبت سے اُن کا اختلاف ماڈر
سے بڑھتا گیا ۔ ناگپور میں اس اختلاف نے بڑی صورت اختیار کر لی ۔ ۱۳
سال کے چند واقعات سے غلط فہمی میں پڑ کر ملک میں بعض بدظنیاں ایکیشن
سے منسوب کی گئیں ۔ تواریخ کو اگر غلط ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے تو کہا جا سکتا
ہے ۔ کہ پچھلے ایک ہزار برس کے ایشیائی طرز حکومت و فلسفہ سیاست میں
اختیار داخل نہ تھا کہ بادشاہ اور اُس کے ارکان کے افعال پر رعایا میں سے
کسی شخص کو کوئی اعتراض کرنے کا حق حاصل ہو ۔ پہلی تہذیب سیاست کے
اداب ایران کے ایک خوش بیان شاعر نے ذیل کے شعر میں خوب ادا
کیے ہیں ۔ ؎

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین

ہندوؤں کی بہت پہلی مکمل صحیح تواریخ نہیں ملتی لیکن جس قدر ملتی
ہے اُس میں بھی کوئی مثال اس قسم کی نہیں پائی جاتی جو یہ بتلاتی ہو کہ
راجا اور اس کے ارکان کے افعال پر رعایا کو رائے زنی کا آزادانہ حق رہا ۔
گو ہندوؤں کی پولیٹیکل اکانومی (راج نیتی) میں راجا اور اُس کی کونسل کے
متعلق فرائض بیان کیے ہیں ۔ مشہور نیتی ستو ممرتی میں بھی اس بارے میں فر
ہے ۔ جس میں آج کل کی سی جمہوری حکومت کا نقشہ کھینچا ہے ۔ لیکن ایشیا
طرز سیاست کی تواریخ میں نہ تو ہندوؤں اور نہ مسلمانوں اور نہ دیگر اقو
کے زمانہ میں کوئی ایسی نظیر کسی ملک میں نہیں ملتی کہ کبھی جمہوری طرز پر چلا
رہی ہو ۔ جن لوگوں کے دماغ پر اس قسم کے اداب سیاست مسلط تھے او
تو اکثر پست ہی کیا ۔ اگر ماڈریٹ بھی طرفہ معجون معلوم ہوں تو تعجب ہی

ہے۔ اور اگر روح کی مذہبی فلاسفی صحیح ہے۔ اور اُس کے بموجب کہیں حضرت سعدی یا پہلے سلاطین میں سے کسی کی روح دائم البقا میں رہکر آسمان پر ہندوستان کی موجودہ حالت کی سیر کر رہی ہو تو بے شک ان کو اس زمانہ کے بادشاہ اور رعایا عجیب معلوم ہوتے ہونگے۔ جن کا خیال تھا۔ ؎

خلاف رائے سلطاں رائے جُستن

بخونِ خویش باید دست شُستن

لیکن اس روشنی اور آزادی کے زمانہ میں بھی ایک گروہ ملک میں ایسا ہے جو پالٹیکس کو کفر سمجھتا ہے۔ گو آخروہ لوگ بھی جو "رموز مملکتِ خویش خسرواں دانند" کے مسئلہ کے قایل تھے اور جو کانگرس کو کوسنا ہی اپنا فرض سمجھتے تھے اس سال کے زبردست اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور اپنے حجروں سے نکلکر گورنمنٹ ہاؤس شملہ پر جا کھڑے ہوئے لیکن اگر ان کو ایکسٹریمسٹ گردن زدنی نظر آتے ہوں تو ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ سیلڈرشپ کی آرزو رکھتے ہوئے گورنمنٹ کی ذرا بدلی ہوئی نظروں سے گھبرا جانے والوں کے لئے تو ماڈریٹ اور ایکسٹریمسٹ دونوں پہلے ہی ہوا تھے۔ سواری کے بعض نئے گھوڑے کی طرح بھڑکنے والے حکام تو ایکسٹریمسٹ کو برٹش کی جڑ کھودنے والا سمجھتے ہی تھے۔ اگر اچھے خاصے لیڈر مسٹر عبدالقادر کو سرزمین آزادی (یورپ) کی ہوا کھا چکنے اور پہلے آزادانہ خیالات ظاہر کرنے کے بعد اس ملک کی ہوا لگ جائے اور وہ مسٹر کیر ہارڈی کے سامنے ایکسٹریمسٹ کو برٹش سلطنت کا انڈیا سے نکالنے والا کہدیں تو کچھ زیادہ ناامیدی سوائے اسکے نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ اپنے پہلے آزاد خیالات پر قایم رہکر وطن میں اپنے بھائیوں کو اپنے خیالات پر لانے۔ لیکن نئی پولٹیکل اکانومی کے تعلیم یافتہ اعدا آزادی کی ہوا

کے جھونکوں کا مزا لیتے ہوئے پولیٹکل اصلاح کا گروہ بھی اگر ایکسٹریسٹ کے ساتھ اختلاف خیال سے آگے اس حد تک بڑھ جائے کہ اس کی نگاہوں میں ایکسٹریسٹ کھٹکنے لگیں تو بے شک زیادہ تعجب تھا +

نہ تو ایکسٹریسٹ کو اور نہ کسی اور شخص کو اس بات کے ماننے میں ذرا بھی تامل ہو سکتا ہے کہ حکومت برطانیہ سے ہندوستان کو بے شمار فواید پہنچے ہیں۔ موجودہ پالیٹکس کی آزادانہ روش انگریزی پالیٹکس کا سبق ہے۔ ہمارا مقصد سیلف گورنمنٹ انگریزی پالیٹکس کا معراج ہے۔ ایسی حالت میں حکومت برطانیہ کی بہت سی نعمتوں کا اعتراف نہ کرنا سخت ناشکری ہوگی۔ یہ مسلمہ ہے کہ گورنمنٹ کے طرز عمل پر نکتہ چینی کا سبق حکومت برطانیہ کے پہلے بعض وسیع خیال حکام کا پڑھایا ہوا ہے۔ ۱۸۳۵ء میں سر چارلس مٹکاف صاحب گورنر جنرل نے اخبارات کو آزادی عطا کرتے وقت فرمایا تھا +

> اس سے ظاہر ہوگا کہ گورنمنٹ اپنی رعایا سے کوئی بات پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتی۔ اور وہ خوشی سے گوارا کرتی ہے۔ کہ اس کی رعایا اس کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرے۔ تاکہ گورنمنٹ کو رعایا کی خواہشات معلوم ہوتی رہیں +

اس کے بعد ۱۸۸۰ء میں لارڈ رپن کی آزاد خیالی سے کانگرس کی بنا پڑی اور ملکہ معظمہ کا اعلان میگنا چارٹا ہندوستان میں پولیٹکل ایجیٹیشن کی بنیاد ہوگیا ایکسٹریمسٹ کہتے ہیں :۔

> جو وعدے سلطنت برطانیہ کے مدبران نے رعایا سے کئے ہیں۔ ان کے پورا کرنے کے لئے ہماری جدوجہد ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ حکام یا تو اُن کو پورا کر کے وسیع خیال ثابت کریں یا صاف کہدیں کہ یہ

وعدے پورے نہ کئے جائیں گے اور صریح طور پر انگلینڈ کے فواید کے
لئے پہلی حکومتوں کے طرز پر حکومت کریں۔ زبان سے کچھ اور عمل کچھ کرکے
مفت میں اپنے انصاف اور وسیع خیال ہونے کی شہرت نہ حاصل کریں +

اور غالباً ایکسٹریمسٹ کے اس قول سے تو ماڈریٹ کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا اور نہ سیلف گورنمنٹ کی آرزو سے جو کہ ہندوستان کی پولٹیکل جدوجہد کا معراج ہے +

سیلف گورنمنٹ یا سوا راج کا مطلب ہے۔ اپنی گورنمنٹ یا اپنا راج۔ بعض اصحاب ناواقفیت یا کسی اور غلط فہمی کی وجہ سے ایکسٹریمسٹ پر الزام رکھتے ہیں۔ کہ اُس سے صریح طور پر برٹش کو انڈیا سے باہر نکال کر اپنا راج قایم کرنے کا مقصد ہے۔ لیکن ایسا خیال کرنا سخت غلط فہمی ہے۔ اس لئے کہ سیلف گورنمنٹ کی موجودہ خواہش میں گویا ملک کا ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کی گورنمنٹ یا اُس کا راج ہو۔ لیکن معترض کے خیال کے بموجب صرف ایک ہی شخص کا راج ہوسکتا ہے۔ ایسی حالت میں ہر ایک شخص کی خواہش پوری ہونے کے قابل نہیں ہے۔ اس واسطے ان معنوں سے ملک میں ہر ایک شخص کو سیلف گورنمنٹ کی خواہش کرنا غلط اور فضول ہی نہیں۔ بلکہ ایک بڑے تنازعہ کا موجب بھی ہے۔ اس لئے ہرگز یہ مطلب سیلف گورنمنٹ کا نہیں ہے۔ جو کہ شخصی طرز حکومت کا فلسفہ جاننے والی بعض طبیعتوں میں ہے۔ بلکہ یہ کہ "ہوم رول" طریقہ پر پارلیمنٹ ہو۔ جس میں تمام ملک کے ممبران ہر حصہ ملک سے بذریعہ انتخاب کے لئے جاویں۔ جن کی رائے سے ملک میں قوانین بنائے جاویں۔ ٹیکس لگائے جاویں۔ اور حکومت کی جاوے۔ تاکہ ہر ایک شخص کی جائز خواہشات اور آزادی کا لحاظ حکومت میں ہوتا رہے۔ اور یہی طریقہ ہے کہ جس سے ہر شخص کا راج قایم ہوسکتا ہے۔ کہ ہر ایک شخص کو

ممبران پارلیمنٹ منتخب کرنے کا حق ہو۔ تاکہ ہر ایک فرد رعایا کی معقول خواہشات کا لحاظ رکھ کر قوانین جاری ہوں اور ہر ایک شخص کو یہ موقع ہو کہ لیاقت ہونے پر بلالحاظ قومیت یا رنگ حکومت ملک میں حصہ لے سکے۔ اس کے متعلق ایکسٹریمسٹ کے مسلمہ لیڈر مسٹر تلک کی اُس گفتگو سے جو پچھلے دنوں مسٹر نیوونسن (جو کہ انگلینڈ کے تین نامی اخبارات کی جانب سے ہندوستان کے صحیح حالات معلوم کرنے آئے ہیں) سے ہوئی تھی۔ فقرات ذیل زیادہ روشنی ڈالنے کا موجب ہوں گے ✦

> ہمارا منشا نہیں ہے۔ کہ حکومت برطانیہ کا تختہ پلٹ دیں۔ بلکہ ہمارا منشا یہ ہے۔ کہ آخر کار ہم کو اپنے ملک کے نظم و نسق میں حصہ کثیر ملے۔ ہمارا انتہائی مقصد یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں نوآبادیوں کی سی حکومت خود اختیاری زیر سایہ سلطنت برطانیہ قایم ہو۔ اور انگلستان میں سنٹرل گورنمنٹ تمام امپیریل مسایل کو طے کیا کرے۔ ہمارا ہوم رول اس قسم کا ہوگا کہ ہر ایک صوبہ کی کونسلوں میں پچاس یا ساٹھ ممبر ایسے ہوں جو اولاً نامزد کئے جائیں یا منتخب شدہ ہوں۔ اور بعد ازاں جوں جوں تعلیم کی ترقی ہوتی رہے ان ممبروں کو رعایا منتخب کرے ✦

اخبار کیسری میں مسٹر تلک نے ایک مرتبہ لکھا تھا۔ کہ "اگر مرہٹہ حکومت بھی اس قسم کی ہوتی جس طرز پر کہ اس وقت گورنمنٹ برطانیہ ہے۔ تو بھی ہم یہی جد و جہد کرتے۔ کہ سیلف گورنمنٹ طریقہ پر حکومت ہو تاکہ ہر ایک شخص کو انتظام ملک میں حق حاصل ہو۔" سیلف گورنمنٹ کے یہ معنے نکالنا کہ انگریزوں کا کوئی اختیار حکومت ملک میں نہ ہو۔ انگریزی پولیٹیکل اکانومی سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس طریقہ میں ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی۔ پارسی۔ انگریز۔ فرانچ۔ جو بھی

باشندہ ملک ہے۔ اس کو انتظام ملک میں رائے زنی کرنیکا حق ہوگا +

لیکن بہت بڑا اعتراض اکثر ایکسٹریمسٹ کے اصول حصول مقصد میں کیاجاتا ہے۔ ماڈریٹ کا اصول ہے +

(۱)۔ رزولیوشن پاس کرکے +

(الف)۔ رعایا کی ضروریات اور آرزوئیں گورنمنٹ پر ظاہر کرنا +

(ب)۔ گورنمنٹ سے اپنے حقوق حسب وعدہ گورنمنٹ طلب کرنا +

ماڈریٹ گورنمنٹ کی فیاضی سے گذشتہ سردمہریوں کے باوجود یہ اُمید رکھتے ہیں کہ اُن کو کامیابی ہوگی۔ ایکسٹریمسٹ کہتے ہیں یہ غلط ہے ۔ ان کے اصول ہیں کہ

(۱)۔ حکومت برطانیہ سے ہمارا تعلق صرف اس قدر رہو کہ ہم ان کے قوانین کے تابع رہیں +

(۲)۔ قومی تعلیم کا انتظام ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے +

(۳)۔ انگریزی عدالتوں اور ان کی ملازمتوں سے ہم کو رفتہ رفتہ اپنا تعلق قطع کرلینا چاہیئے +

(۴)۔ اپنے ملک کے سوا دوسرے ملک کی اشیا قطعی استعمال نہ کرنا چاہیئے +

اگر ابھی اپنے ملک میں اشیاء ضروری کم ہیں تو کچھ دن ملک کیلئے تکلیف برداشت کرنا چاہیئے۔ لیکن غیر ملکی اشیا کسی حالت میں استعمال نہ کرنا چاہیئے +

(۵)۔ بائیکاٹ (اصول نمبر۴) پر پورے طور پر عمل کرکے ہم کو ملک میں بیکار لوگوں اور خصوصاً اُن لوگوں کے لئے جو اصول نمبر۳ پر عمل کرنے کی

وجہ سے بیکار رہوں معاش کے ذرائع نکالنے چاہئیں اور اسی سے تجارت کو ترقی ہوگی +

(۶) ۔ ہم کو اپنے اصول کی پیروی میں کسی تکلیف کی مطلق پرواہ نہ کرنی چاہیئے +

ان اصولوں سے یہ مطلب ہے کہ ملک اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھے اور باوجود نہ ملنے کے اپیل گداگری طرح سے گداگری کے بلبوتے پر نہ رہے اس سے یہ ہوگا کہ ہم میں طاقت پیدا ہوگی اور گورنمنٹ کو انتظام ملک میں مدد دینے کا تعلق قطع کر لینے سے حکام پریشانی میں پڑینگے ۔ جس سے وہ لازمی طور پر ہمارے حقوق ہم کو دیں گے ۔ کیونکہ جب کوئی شے زبردست ہاتھوں میں ہے تو اصولاً صرف تین ہی طریقہ اس کے حاصل کرنیکے ہوسکتے ہیں +

(۱) ۔ عاجزی کیساتھ مانگنا +

(۲) ۔ ایسی صورتیں پیدا کرنا کہ وہ خود دینے پر مجبور ہو +

(۳) ۔ خون ریزی کر کے زبردستی چھین لینا +

پہلا طریقہ ۲۰ برس تک آزمالیا ہے اور اس میں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ یہ معلوم ہوگیا ہے کہ حسب تقاضا فطرت انسانی یہ مشکل ہے کہ ایک حاصل شدہ مفید شے دوسرے شخص کو صرف مانگنے پر حوالہ کردی جائے ۔ خصوصاً حکومت جیسی شے ۔ طریقہ سوم کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہماری حالت کے موزوں ہے کہ ہم اس کے امتحان میں پڑیں ۔ اس لئے صرف دوسرا طریقہ ہی ہر طرح سے مناسب ہے ۔ اس دوسرے طریقہ میں گورنمنٹ اور ملک دونوں کا فائدہ ہے کیونکہ جوشیلی طبیعتیں جو بعض حالتوں میں آمادہ جنگ ہوجاتیں اُن کا جوش اس طرف منتقل ہو کر ملک اور گورنمنٹ کو بدامنیوں اور کشت و خون کی

خطرناک مصیبتوں سے بچائیگا۔ اس قسم کے اصولوں میں یہ کہنا کہ ایکسٹریمسٹ چاہتے ہیں کہ برٹش گورنمنٹ کو انڈیا سے نکال دیں سخت غلط فہمی اورغلطی ہے۔ مسٹر تلک کی زبان سے سنئے جو کہ مسٹر نیونسن سے گفتگو میں ایک جگہ پر کہا ہے +

ہمارا مقصد یہ ہے کہ اپنی ذات پر بھروسہ کرو نہ کہ گدائی کرو۔ علاوہ معمولی تحریک سودیشی کے ہم بائیکاٹ اور جدوجہد سے کام لیتے ہیں .... اور ہمارا جدوجہد اس قسم کا ہے کہ ہم سیڈیشن بل ایسے قوانین کی پرواہ نہ کریں گے۔ ہم کو اس کی فکر نہیں ہے۔ کہ ہم پر کیسی گذرے گی۔ اگر ہم تین یا چار ہزار اشخاص ایک ساتھ قید کرلئے جائیں تو حکامی گروہ بھی ذہن میں پڑے گا۔ ہمارا مقصد یہ ہے۔ کہ حکامی گروہ کو پریشانی میں مبتلا کریں اور گورنمنٹ کی کارروائیوں میں مخل ہوکر اور تجارت میں نقص پیدا کرکے انگلستان کی توجہ اپنی شکایات کی جانب رجوع کریں +

اُس گورنمنٹ کے وعدوں پر جس کی پالیسی ابتدا سے حکومت میں یہ تھی کہ

انڈیا میں جو آزادی اور بلند خیالی بڑے آدمیوں میں موجود ہے۔ یہ دبانی چاہئے۔ کیونکہ براہ راست ہماری طاقت اور اغراض کے خلاف ہے۔ قدرتی فطرت اور تمام گذشتہ سلطنتوں کے تجربہ سے یہ امر غیرضروری ہے کہ کوئی مزید خیال اس بارے میں ظاہر کیا جائے۔ ہم ہندوستان میں جنرل یا مدبر یا قانون دان نہیں چاہتے۔ ہم انڈیا میں مزدوری پیشہ لوگ چاہتے ہیں۔ جو آسانی سے خلاف گورنمنٹ کچھ

نہیں کر سکتے .... یہ نہایت مناسب ہے۔ کہ انگلینڈ کے
خاندانوں کی پرورش کے لئے ایک بڑا حصہ اس ملک کی پیداوار کا مخصوص
کر دیا جاوے۔ جس سے مدبر عقلمند۔ بہادر ملک کی خدمت اور حفاظت
کے واسطے پیدا ہوں .... اس طرح سے جو
آزادی اور وقت ان کو ملیگا وہ بلند خیال بنائیگا ....

یہ خیالات مسٹر تھیکر ممبر بورڈ آف ریونیو مدراس نے بزمانہ لارڈ ولیم بینٹنگ صاحب جو کہ ۱۸۲۸ء سے ۱۸۳۵ء تک گورنر جنرل رہے ہیں ظاہر فرمائے تھے۔ اس پالیسی کو دیکھتے ہوئے اور بیس برس تک عاجزانہ درخواست کرتے ہوئے اس کی طرف توجہ نہ ہونے سے ایکسٹریمسٹ کو یہ توقع نہیں ہے کہ آیندہ صرف مانگنے سے گورنمنٹ ہماری تمام خواہشات پوری کر دے گی۔ اور جیساکہ اب تک ہو رہا ہے۔ اگر باوجود مانگتے رہنے کے گورنمنٹ حقوق نہ دوے تو صرف مانگنے والے اصول کے حامی بجز مایوسی کے کیا کر سکتے ہیں۔ اس لئے ایکسٹریمسٹ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے اصول اس قسم کے ہیں کہ کبھی مایوسی کا نام ہی نہیں ہے۔ اختلاف رائے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔ اگر ماڈریٹ توقع رکھتے ہیں کہ گورنمنٹ ان کو مانگنے سے دے دیگی۔ تو وہ شوق سے مانگیں ۔ع

چشم ما روشن دلِ ما شاد

لیکن ایکسٹریمسٹ کو ہاتھ پھیلانا منظور نہیں ہے۔ اس پر نہ تو ماڈریٹ کو اور نہ کسی اور شخص کو یہ حق ہے۔ کہ ایکسٹریمسٹ کے معقول اور امن عام قایم رکھنے والے اصول ہوتے ہوئے ان کو مطعون کرے۔

یہ الزام ایکسٹریمسٹ پر لگانا کہ وہ چاہتے ہیں کہ "گورنمنٹ برطانیہ کو اپنا بوریا بندھنا باندھ کر انڈیا سے چلدینا چاہیئے" سخت غلط فہمی پیدا کرنا ہے

اگرچہ چند جوشیلے نوجوان ایڈیٹران یا دو تین اصحاب نے کبھی جوش میں ایسی رائے ظاہر کی ہو تو تمام ایکسٹریمسٹ پارٹی پر یہ الزام لگانا ایک سخت غلطی ہے۔ کیونکہ مسلمہ لیڈران ایکسٹریمسٹ پارٹی مسٹر تلک۔ مسٹر [illegible] دت۔ لالہ لاجپت رائے۔ اروند گھوش۔ بپن چندر پال جیسے ممبران کے یہ خیالات ہرگز نہیں ہیں۔ مسٹر تلک ایکسٹریمسٹ کے سب سے نامور اور بڑے لیڈر ہیں۔ وہ مسئلہ [illegible] سے کہتے ہیں:—

> اگر ایک جماعت ایسی ہے۔ جو حکومت برطانیہ کو فوراً تمام و کمال موقوف کر دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ تو اُس سے ہم کو کوئی تعلق نہیں ہے ......
> سردست ہمارا مقصد یہ ہے کہ حکام پر دباؤ ڈالیں اور اُن کے ذہن نشین کر دیں کہ یہ تمام کارروائیاں اچھی نہیں ہیں۔ کیونکہ تھوڑے عرصہ میں حکام برطانیہ کے خیالات میں خواب تغیر ہو گیا ہے ....
> ہمارا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ حکومت برطانیہ کا تختہ پلٹ دیں +

یہ ممکن ہے۔ کہ بعض حصص ملک میں بعض کمزور اور حکام سے دنیوی حشمت کی امیدوار طبیعتیں ایکسٹریمسٹ کے اصول کو پسند نہ کریں۔ لیکن ملکی خدمت کی بحث میں اُن کا جوش اور ایثار نفسی اس قابل نہیں ہے۔ کہ جس پر بلا تامل آفرین نہ کہنا پڑے جب سے ایکسٹریمسٹ نے اپنے خیالات اور اصول کو ظاہر کیا ہے۔ ایسی مثالیں دکھلا کر قومیت پیدا کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اور ثابت کیا ہے کہ ملکی خدمت میں ان کو دنیاوی نقصان کی پروا نہیں ہے۔ اور واقعی وہ ہی شخص سب سے زیادہ قابل تعظیم اور سچے محب ملک کہلانے کے مستحق ہیں جو بلا کسی غرض کے خدمت ملک کرتے ہیں۔ اور نہ معاوضہ خواہ وہ روپیہ کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں۔ یوں تو ہر ایک شخص ملک کے لئے کچھ نہ کچھ کام کرتا ہی رہتا ہے۔ گو ایسے لوگ بھی ضرور

قابل تعریف ہیں۔ لیکن نہ کہ مثانی القوم بزرگان کے درجہ پر +

اس میں بھی شک نہیں ہے۔ کہ بعض طالب علم یا کم علم نوجوان گالی گلوچ اور بیہودگی بعض مواقع پر استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اس لئے تمام ایکسٹریمسٹ کو بدتہذیب کہنا وسیع خیالی سے بہت دور ہے۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ ایکسٹریمسٹوں کے بدنام کرنے کے لئے یہ طریقہ بُرا نہیں خیال کیا جاتا ہے کہ ناواقفوں کو غلطی میں ڈال کر یہ بتلایا جائے۔ کہ جو شخص بدتہذیبی کرے وہ ایکسٹریمسٹ جو تلک کا حامی ہو وہ ایکسٹریمسٹ ہو جو کسی ماڈریٹ سے کسی امر میں (گو وہ پولیٹکل نہ ہو) اختلاف رکھے وہ ایکسٹریمسٹ اور جو صاف اور سچی بات منہ پر کہنے میں تامل نہ کرے وہ ایکسٹریمسٹ اور جو بائیکاٹ کا حامی ہو وہ تو ایکسٹریمسٹ ہے ہی +

آرمی نیوز کے ترقی ایڈیٹر نے لکھدیا "کہ ایکسٹریمسٹوں میں تہذیب تو نام کو نہیں ہے" بہت اچھا صاحب +

اس بنا پر کہ بعض نے بمقتضائے اپنی کانشنس کے لالہ لاجپت رائے کو پریزیڈنٹی کا مستحق بتلایا۔ پرکاش کے دھارمک اور گریجویٹ ایڈیٹر نے مشترک کے حامیوں کو کمینہ لکھنے میں تامل نہ کیا +

خیر اگر اپنا خیال ظاہر کرنا جو کہ آپ سے متفق نہ ہو کمینگی ہے تو آپ ہماری زبان کاٹ ڈالئے لیکن ہمارے لئے یہ کمینگی مبارک ہے۔ کس کس کو کہیں روزمرہ اخبارات میں ایسی ہی نادر باتیں معزز اخبار نویسوں اور تہذیب کے دعویداروں سے سنکر افسوس ہوتا ہے۔ ایکسٹریمسٹوں میں یہ برائی ضرور ہے کہ وہ انگریزی پالیسی (جس کو اردو میں اچھے لفظوں میں مصلحت یا سخت لفظوں میں مکاری کہنا چاہئے) سے کام نہیں لیتے۔ اُن کا دل اور دماغ ایک تاگے میں بندھے ہوئے ہیں۔ وہ بھی بات کہتے ہوئے اور دوسرے کی صحیح برائی دکھلاتے ہوئے کبھی تھم

کی پرواہ نہیں کرتے۔ دنیا میں سچ کہنا آدھی لڑائی ہمیشہ رہی ہے۔ لیکن اس زمانہ میں پوری لڑائی ہے کیونکہ ہر جگہ اور ہر سوسائٹی میں کم و بیش نمایش اور نمود پسند کی جاتی ہے +

سچ اور صاف کہنے والے شخص بے وقوف خیال کئے جاتے ہیں ـــ بے غرضانہ اور صاف دلی سے کام کرنے والے آج دنیا میں بے وقعت ہوتے ہیں۔ اور وقعت صرف پالیسی بازوں اور نمایش پسندوں کی عموماً ہوتی ہے۔ ایکسٹریمسٹ ایسے لوگوں کی صاف صاف قلعی منہ پر کھلے طور سے ظاہر کر دیتے ہیں۔ ورنہ نہ تو ایکسٹریمسٹ گورنمنٹ کے باغی ہیں اور نہ بیہودہ اور بے عقل ہیں اور نہ ملک کے دشمن ہیں۔ سہ

برنگِ آئینہ ہیں محبت صاف سے لیکن
بُرائی منہ پہ کہدیتے ہیں اتنا عیب رکھتے ہیں

اس قدر لکھ چکنے کے بعد ارادہ تھا۔ کہ ایکسٹریمسٹ کے خاص افعال پر بھی کچھ لکھا جاوے۔ کہ کانگرس کی تار خبروں نے سخت پریشان کر کے طبیعت کو اُلجھن میں ڈال دیا۔ جب تک یہ مضمون ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچیگا کانگرس کے مفصل حالات ان تک پہنچ لینگے۔ ممکن ہے ان کو پڑھ کر ناظرین آپ کے خیالات متزلزل ہوں اور آپ کوئی رائے قایم کریں۔ لیکن بہت ہی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ بڑا نازک اور اہم مسئلہ ہے۔ ہمارے خیال میں ہر ایک شخص کو جس کے دل میں ذرا بھی محبت ملک ہے انصاف پسند ہونا چاہئے نہ کہ ماڈریٹ یا ایکسٹریمسٹ۔ اس لئے ناظرین ہم کو اور آپ کو طرفین کے صحیح صحیح اور واقعی مکمل حالات معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ صرف پارٹی فیلنگ کے اخبارات سے رائے قایم کر کے خطرناک ہی نہیں بلکہ گناہ کا راستہ اختیار نہ

کریں مبادا کہ ہم خادمان ملک کی نسبت غلط رائے قایم کرکے اپنے دلوں کو ناپاک کریں کیونکہ میرا خیال ہے کہ گو اس وقت زمانہ نے قلم کے شگاف کی طرح سے ملکی کام کرنے والوں کے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں لیکن آخر میں قلم کی زبان کے دو پہلوؤں کی طرح سے ایک ہی نتیجہ پیدا کریں گے +

اس عرصہ میں دوسرے نمبر میں ماڈریٹ اور ایکسٹریمسٹ کے خاص افعال پر بحث کرکے اپنے خیالات کو آپ کے روبرو پیش کروں گا +

رام دیال

سال نو

از مسٹر محمد ظریف شاد پٹیالہ

پھر آیا سال نو ساقی یہی آتا ہے اب من میں ۔ گریباں پھاڑ کر چل بیٹھئے صحرا کے دامن میں

نہ اب وہ سے غرض ہم کو نہ کچھ پروا ہمیں غم کی ۔ کہ اجرا ایکٹوں سے آپ خم آیا ہے گردن میں

شتابی ہے جو ہم کو بھوک قسمیں کھا کے جیتے ہیں ۔ پڑے روتے ہیں گندم کیلئے سرخی کے باسن میں

ہوس شاہوں کی بڑھ جانے سے دنیا گھٹ چلی آخر ۔ یہی بہتر ہے ہندی چل بسیں پہلے سے مدفن میں

ذرا غم کھا نیوالو اہل بنگالہ سے پوچھو تم ۔ کہ ٹوٹا پڑ گیا ہے ان کے بھلی بھات بھوجن میں

نہ کچھ ہم شاد ہیں نا شاد ہیں کنکر ہیں پتھر ہیں ۔ نہیں معلوم ہم رہتے ہیں کس کس کے کندن میں

بتوں کے گھورنے جانے کی فرصت سے نہیں ہم ۔ پھنسے ہیں جب سے ہم آئے آو جی جور کا گلشن میں

سفرنامہ کشمیر کشمیری میگزین لاہور کے ایڈیٹر منشی محمد دین فوق نے اپنے سفر کشمیر کے حالات کو دلچسپ پیرایہ میں قلمبند کیا ہے۔ منشی صاحب اہل کشمیر میں اولوالعزم اور فنافی القوم نوجوان ہیں۔ ہم خوش ہیں کہ ان کی قوم ان کی خدمات کی قدر کرتی ہے۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۱ر

کانگرس کی سرگذشت

خاص ہمارے نامہ نگار کا بیان

اس شرمناک ہنگامہ کے متعلق جو اسبال صورت کانگرس میں بعض کوتاہ اندیش اور نافہم لوگوں کی کم عقلی اور نافہمی اور ناعاقبت اندیشی سے ظہور میں آیا۔ طرح طرح کی خبریں مشہور ہو رہی ہیں۔ ہمارے خاص نامہ نگار کا بیان جس نے چشم دید واقعات قلم بند کئے ہیں۔ اس موقعہ پر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ایڈیٹر

کانگرس ہونے سے پہلے ہی یعنی ۲۵ تاریخ کو جب کہ ڈیلیگیٹ کانگرس کیمپ میں جمع ہوئے۔ تب ہی یہ خبر گرم تھی کہ اس مرتبہ ایسے قاعدہ بنائے جائیں گے جس کی وجہ سے کوئی نیشنیلسٹ (اکسٹریمسٹ) کانگرس میں داخل نہ ہو سکے اور یہ آزادانہ طور پر موڈریٹ (فریق معتدل) کے معزز اور لیڈر لوگ کہتے ہوئے پائے گئے۔ کہ اب موڈریٹ (فریق معتدل) نیشنیلسٹ (انتہائی جماعت) کا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے نیشنیلسٹ (فریق گرم) والوں کو جس طرح ممکن ہو جلد الگ کرنا چاہئے۔ چنانچہ اُسی تاریخ کو مسٹر تلک نے مدراس کیمپ (خیمہ) میں ایک لکچر دیا جس میں اُنھوں نے یہ کہا نیشنیلسٹ (فریق گرم) کوئی نئی بات اس سال کرنا نہیں چاہتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اُن کے فریق میں اس قدر تعداد لوگوں کی نہیں ہے۔ جتنی کہ تعداد موڈریٹ (اعتدال پسند) والوں کی ہے لہذا اُن کی خواہش یہ ہے کہ اگر اس سال کانگرس کوئی ترقی نہ کرے تو تنزلی بھی نہ کرے اور اس لئے اُن کی خواہش ہے کہ کانگرس جو کچھ اب تک کر چکی ہے اُس پر

قایم ہے اور اُس سے نیچی نہ جائے - تلک نے یہ بھی کہا کہ اُن کو معلوم ہوا ہے - کہ صورت کے کارکنوں نے وہ خاص باتیں کانگرس کی تجاویز سے نکال ڈالی ہیں - جو بڑی مشکل سے کلکتہ میں طے پائی تھیں - مثلاً یہ کہ پار سال یہ تجویز ہوا تھا کہ ملک میں ایسے اسکول اور کالج بنانے کی ضرورت ہے جو اپنی قوم کے رسم ورواج کے مطابق ہوں اور اپنے ہی ملک اور قوم والوں کے زیر اہتمام ہوں - لیکن اس سال یہ تجویز ہوا ہے کہ قومی اسکولوں کے بنانے کی ضرورت ہے - مگر باقی کا حصہ اُڑا دیا گیا ہے - دوسری بات یہ کہ پار سال یہ تجویز ہوا تھا کہ بنگالہ میں چونکہ لوگوں کی مرضی کے خلاف تقسیم بنگال کی گئی ہے بیشک اُنہیں اپنی ناراضی ظاہر کرنے کے لئے انگریزی مال بائیکاٹ کرنا جائز ہے - لیکن یہ تجویز اس سال اُٹھا دی گئی ہے - جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اب بنگال میں انگریزی مال کا بائیکاٹ ہو تو وہ ناجائز ہوگا ◆

اُنھوں نے اپنے لکچر میں یہ بھی کہا کہ اگر لالہ لاجپت رائے پریسیڈنٹ کانگرس بنائے جاتے تو اچھا ہوتا اور لالہ لاجپت رائے ضرور اُس کو منظور کرتے اگر اُن پر موڈیریٹ (فریق نرم) والوں کے لیڈروں نے دباؤ نہ ڈالا ہوتا - اس جلسہ میں بھی ایک صاحب جن کا نام بارسٹر گیڈکل تھا اُنھوں نے بہت شور مچایا اور بہت کچھ فضول بکا لیکن چونکہ مسٹر تلک نے اُن کو بولنے سے روکا نہیں اس لئے کچھ گڑبڑ نہیں ہوئی بلکہ اُن کو مسٹر کھپرڈے ہنگارنے ایسا معقول جواب دیا کہ بیچارے چپ ہو رہے - اُسی شام کو مسٹر گوکھلے نے کانگرس کے پنڈال میں لکچر دیا جس میں کہ اُنھوں نے یہ بیان کیا کہ جو صاحب یہ کہتے ہیں کہ مسٹر گوکھلے نے لالہ لاجپت رائے پر دباؤ ڈالا ہے اور اُن کو پریسیڈنٹ نہیں ہونے دیا ہے اُنکا خیال غلط ہے ◆

اُسی دن ایک میٹنگ Meeting گرم فریق کی تلک کے کیمپ
میں ہوئی جس میں یہ قرار پایا کہ نیشنلسٹ (فریق گرم) کو کسی قسم کا بغض اور
کینہ نہیں ہے اور نہ وہ کانگرس کو غارت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ
کانگرس اگر آگے نہ بڑھے تو پیچھے بھی نہ ہٹے اور یہ بھی قرار پایا کہ اگر مسٹر گوکھلے اور
سریندرو ناتھ بینرجی اس بات کا اطمینان دلائیں کہ گذشتہ کانگرس کی تجاویز
بدلی نہ جائیں گی۔ تو نیشنلسٹ (فریق گرم) راش بہاری گھوش کے پریسیڈنٹ
ہونے پر عذر نہ کریں گے۔ اُس جلسہ میں مسٹر تلک نے یہ بھی کہا۔ کہ اب تک ہر
کانگرس میں پریسیڈنٹ متفقہ رائے سے کرسی نشین ہوا۔ اور اِس سال بھی
ایسا ہی ہونا چاہئے اور اُس کا طریقہ یہی ہے کہ نیشنلسٹ (فریق گرم)
لوگ پریسیڈنٹ کے خلاف نہ ہوں۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ اُن کو ذاتی کسی
طرح ڈاکٹر گھوش سے مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ صرف وہ یہ چاہتے ہیں کہ کلکتہ
کانگرس کی تجاویز بدلی نہ جائیں۔ اور اُن کو اگر اس کا یقین دلا دیا جائے۔ تو ہرگز
مخالفت نہ ہوگی۔ لیکن اگر یہ یقین نہ دلایا جائیگا۔ تو Constitutionally دستوری
جو کچھ ہو سکیگا مخالفت کی جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گو ڈاکٹر گھوش صدر نشین
بن جائیں گے لیکن وہ کل ڈیلیگیٹ کے متفقہ رائے سے نہ ہوگا۔ اور یہ امر
کانگرس کی تواریخ میں لکھا جائیگا۔ لہذا اگر موڈریٹ (فریق نرم) لوگوں کو
اتفاق قایم رکھنا ہے تو وہ نیشنلسٹ (فریق گرم) پارٹی کو یہ یقین
دلا دیں۔ کہ تجاویز میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ جلسہ میں تلک نے یہ بھی کہا۔ کہ
تھوڑی دیر ہوئی کہ موڈریٹ (فریق نرم) پارٹی کا ایک بڑا کارکن یہ
خبر لیکر آیا تھا کہ ممکن ہے کہ موڈریٹ (فریق نرم) لوگ مان جائیں اور کوئی
بڑی بھاری تبدیلی تجاویز گذشتہ میں نہ کریں بلکہ محض چند غیر ضروری الفاظ

بدل جائیں۔ چنانچہ اس وجہ سے فوراً ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں کہ ہر صوبہ سے ایک نیشنلسٹ (انتہائی پسند) اور ایک موڈریٹ ڈیلیگیٹ انتخاب کیا گیا۔ اور اُس کمیٹی کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر یہ بات صحیح ہے کہ موڈریٹ (فریق نرم) لوگ صلح کرنے پر طیار ہیں اور دراصل کوئی بڑی تبدیلی گذشتہ تجاویز پر کانگرس میں کرنا نہیں چاہتے تو یہ کمیٹی اُن سے مل کر اُن الفاظ کو طے کرے اور بعد کو ہر ایک نیشنلسٹ (انتہائی پسند) اُس پر پابند ہوگا۔ لیکن اگر موڈریٹ (فریق نرم) لوگوں نے یہ بات نہ کی اور صلح نہ کی تو نیشنلسٹ (فریق گرم) لوگ پریسیڈنٹ گھوش کے انتخاب کے خلاف ہونگے اور قاعدہ کے مطابق یہ چاہینگے کہ لوگوں سے رائے لی جائے اور جس کی طرف کثرت رائے ہو وہ جیت جائے اگر اس طرح پر ڈاکٹر گھوش صدر نشین منتخب ہو جائیں تو کسی نیشنلسٹ (انتہائی پسند) کو پھر انکار نہ ہوگا اور وہ لوگ کوشش کریں گے کہ دوسرے سال اُن کی رائے کے ڈیلیگیٹ بہت زیادہ ہو جائیں اتنی بات ہو کر جلسہ برخاست ہوا تھا۔ اور رات بھر یہ کوشش ہوتی رہی کہ موڈریٹ (فریق نرم) پارٹی سے یہ کل بات کہی جائے۔ لیکن لالہ لاجپت رائے اور بابو سریندر ناتھ نے باوجود بہت کچھ کوشش کی کہ مسٹر مہتا اور مسٹر گوکھلے کو سمجھائیں لیکن اُن کی نہ سنی گئی اور آخر میں مسٹر تلک نے کانگرس ہونے کے آدھ گھنٹہ پہلے مسٹر مالوی Malvi سے بات کرنا پھر چاہا لیکن انھوں نے کچھ جواب نہ دیا مجبوراً انھوں نے نیشنلسٹ (فریق گرم) سے کہلا دیا کہ اُن کی کمیٹی سے کوئی بات نہیں کرتا اور موڈریٹ (فریق نرم) لوگ صلح کرنے پر راضی نہیں۔ پس ہر نیشنلسٹ (انتہائی پسند) کو طیار رہنا چاہیے کہ جب رائے دینے کا وقت آئے تو خلاف رائے دینے کو طیار ہو جائے۔ یہ ہرگز نہیں کہا گیا تھا کہ کوئی شخص لڑائی دنگا کرے ؛

آدھ گھنٹہ بعد مسٹر گوش اور گوکھلے وغیرہ آئے تھے اور مسٹر مالوی نے رپورٹ پڑھی اور تجویز کیا کہ مسٹر گھوش صدر نشین ہوں بعد کو مسٹر سریندر ناتھ بنرجی نے انتخاب کی تجاویز کرنا چاہی جس پر نہیں نہیں کی آواز آئی۔ مسٹر سریندر ناتھ نے کئی دفعہ بولنے کی کوشش کی لیکن فضول ہوا۔ کیونکہ اول تو نیشنلسٹ (انتہائی پسند) لوگ ان کو سننا نہیں چاہتے تھے اور بہت سے بنگالی خود اُن کے خلاف تھے۔ کیونکہ اُنھوں نے مدنا پور میں پولیس کو بلا کر اپنے پاس بٹھا یا تھا۔ اُس کے علاوہ بہت سے تماشائی شور مچانے لگے۔ لوگوں نے صلاح کی کہ اگر تلک یا لالہ اجیت رائے بولیں تو شور فوراً بند ہو جائے۔ لیکن مت پارٹی والوں نے ان دونوں صاحب کو بولنے کی اجازت دینا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ امر کہاں تک صحیح ہے ٹھیک معلوم نہیں ہوا لیکن خبر یہ ضرور تھی کہ اگر اُن میں سے کوئی بولتا تو شور ضرور بند ہو جاتا۔ اول غلطی تو یہ ہوئی۔ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ مت پارٹی نے گھبرا کر جلسہ بند کر دیا ورنہ اگر کچھ دیر تک ٹھیرتے اور آپس میں صلاح کر کے مسٹر تلک سے بولنے کو کہتے تو کہیں کچھ جھگڑا نہ ہوتا۔ لیکن تلک کے نام سے مت پارٹی کو نفرت تھی جس کی وجہ سے وہ کانگرس کو توڑنا پسند کرتے تھے۔ لیکن مسٹر تلک کی صلاح ماننا کفر سمجھتے تھے۔ ان تمام باتوں سے ظاہر تھا۔ کہ پہلے دن اگرچہ شور و غل نیشنلسٹ (فریق گرم) نے مچایا۔ لیکن ضد۔ جبر۔ اور نا اتفاقی موڈریٹ (فریق نرم) کی طرف سے ظہور پذیر ہوئی۔

جب کانگرس برخاست ہوئی تو شام کو دونوں فریق نے الگ الگ جلسہ کیا۔ مسٹر تلک کے خیمہ میں یہ تصفیہ ہوا کہ کل کوئی نیشنلسٹ (انتہائی پسند) زبان سے آواز نہ نکالے اور مسٹر سریندر ناتھ بنرجی کو خاموشی سے سُنا جائے۔ دوسری طرف مسٹر مت کے بنگلہ پر موڈریٹ (فریق نرم) کی میٹنگ

ہوئی جس میں یہ تصفیہ ہوا کہ جس طرح ممکن ہو اکسٹریمسٹ (انتہا پسندوں) کو کانگرس سے نکال دینا چاہئے لیکن کسی طرح سے عام طور پر یہ خبر مشہور کر دی گئی کہ آپس میں صلاح کر لی گئی ہے ایک طرف بابو سریندر رناتھ بینرجی بولیں گے دوسری طرف تلک بولینگے بعد کو کانگرس بدستور ہوگی۔ چنانچہ صبح جب دوسرے دن کانگرس ہوئی تب اکسٹریمسٹ (انتہا پسند) نے موافق اپنے وعدہ کے بابو سریندر رناتھ کو چپ چاپ سن لیا لیکن جب تلک پلیٹ فارم پر بولنے کے لئے گئے تو ان کو والنٹیرنے روکا یہ بھی بات قابل ذکر کرنے کے ہے کہ دوسرے روز تمام اکسٹریمسٹ (انتہا پسند) والنٹیر کانگرس سے برخاست کئے گئے اور ان کی جگہ پر بہت سے نئے آدمی جن کی صورت مثل گنواروں کے تھی اور جن میں سے چند لکڑی لئے ہوئے تھے ہر چہار طرف دیکھے گئے (اب یہ بات ٹھیک طور سے نہیں کہی جا سکتی کہ ان لکڑی والوں کو یہاں کس نے کھڑا کیا تھا۔ اگر کہا جائے کہ یہ لوگ تلک کی پارٹی کے تھے تو غلط ہوگا۔ کیونکہ تلک سے اور انتظامیہ کمیٹی سے کچھ مطلب نہ تھا۔ بہر حال جب مسٹر تلک کو ایک والنٹیر نے روکا تب وہ کسی نہ کسی طرح اس کو ہٹا کر پلیٹ فارم پر چڑھ گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے بولنا چاہا۔ لیکن موڈریٹ (اعتدال پسند) لوگوں نے ان کو بولنے نہ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ یہ شور مچانے لگے کہ تلک کو بولنے دو اور کچھ لوگ یہ شور مچانے لگے کہ تلک کو نہ بولنے دو۔ جب شور زیادہ ہوا تب موڈریٹ (اعتدال پسند) لوگ گھبرائے اور چند آدمیوں نے تلک کو مارنا چاہا۔ اور اگر لالہ لاجپت رائے اور لالہ بھگت رام نہ بچاتے تو تلک کو موڈریٹ (اعتدال پسند) لوگوں نے ضرور مارا ہوتا۔ اس پر بھی قناعت نہ کر کے کسی موڈریٹ (انتہا پسند) نے پہلے مسٹر تلک پر ایک کرسی کھینچ ماری یہ دیکھ کر نیشنلسٹ (انتہا پسند) لوگ بھی پلیٹ فارم کے اوپر جھپٹے اور مسٹر تلک کو باہر نکال لے گئے۔ جوتے کا قصہ دور سے بیٹھے ہوئے ڈیلیگیٹ کو نظر نہیں آتا تھا اور

نہ دوسرے یعنی جو پلیٹ فارم کے نیچے لوگ بیٹھے تھے۔ اُن کو یہ نظر آیا کہ مسٹر گھوش کو پریسیڈنٹ کس نے تجویز کیا اور وہ کس کی رائے سے بیٹھ گئے۔ نہیں اور ہاں کا اس قدر شور تھا کہ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں یہ ضرور دیکھنے میں آیا۔ کہ مسٹر گھوش اپنی اسپیچ written میز پر کھڑے ہو کر پڑھنے لگے اور وہ کچھ سمجھ میں نہ آئی ۔

مسٹر تلک کے باہر جانے کے بعد بڑے بڑے آدمی باہر چلے گئے اور باقی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ کہ اتنے میں پولیس گھس آئی اور لگا ڈنڈا چلنے یہاں تک کہ پولیس کے ڈنڈے موڈریٹ (اعتدال پسند) اور نیشنلسٹ (انتہا پسند) دونوں پر یکساں چلے۔ بہ چشم دید واقع ہے کہ مسٹر مہتہ اور ایک دوسرا پارسی چھوٹا لڑکا جو اُن کے ساتھ تھا پولیس اور چند لکڑی بند جوانوں کو حکم دیتے تھے کہ پنڈال خالی کر دو اور لوگوں کو مار کر نکال دو ۔

پنڈال میں لکڑی ضرور چلی لیکن چوٹ لوگوں کو پولیس کے ڈنڈے سے آئی تھی نہ کہ کسی ڈیلیگیٹ کے لکڑی سے۔ اس تھکہ فضیحتی کے جوابدہ مسٹر مہتہ ہیں نہ کہ تلک جن کو عام طور سے قصوروار کہا جاتا ہے۔ وہ تو باہر کے آدمی تھے۔ اگر موڈریٹ (اعتدال پسند) کانگرس کو چلانا چاہتے تو انتظام کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ ذرا صبر اور استقلال کی ضرورت تھی۔ اگر کل موڈریٹ (اعتدال پسند) خاموش ہو جاتے تو آپ ہی معلوم ہو جاتا کہ کون سے لوگ غل مچاتے ہیں اور اُن کو باہر نکال دیا جاتا ۔

حق گو

نشہ کا رقیب

حال جب اس نے سنا پھوٹ کی بیماری کا
پھر آ گیا آ کے میرے نشے سے مسیحا اُلٹا

وقت نازک ہے اور وقت کے ساتھ چلنا اس سے بھی زیادہ نازک۔ وقت آتا ہے اور نکل جاتا ہے اور اپنے ایسے نشانات چھوڑ جاتا ہے کہ انہیں زمین و آسمان کی چکی نہیں پیس سکتی۔ یہ نشانات اس زمانہ کو حیات جاودانی بخشتے ہیں اور ان پر زمانہ کا انقلاب کوئی اثر نہیں ڈالتا فیصلے ہوں یا برے۔ رنج دہ ہوں یا دل خوش کن مگر جب کبھی ان کا خیال آتا ہے اس زمانہ کی یاد ضرور تازہ ہو جاتی ہے۔ خواہ ان واقعات کا خیال کرنیوالے شاہد نہ ہوں مگر دل کے آئینہ پر خیالات کے ٹیلر کا پیدا کیا ہوا عکس وہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ وہ اس پر آنکھوں دیکھی بات کی طرح غور کرتے ہیں۔ مثل مشہور ہے "وقت نکل گیا۔ بات رہ گئی"۔ کاش ہندوستانیوں کی ایشیائی نزاکت کی شیدائی طبیعتیں انقلاب وقت کی نزاکت کو اپنے موافق سکتیں! مگر نہیں۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو ہندوستان کے سٹیج پر جو ٹریجیڈی کی جانی قرار پائی تھی اس کے لئے اس سٹیج کے منتظم انقلاب کو اور ایکٹروں کی تلاش ہوتی نہیں تو دنیا کا کھیل بگڑ جاتا۔ مختصر یہ کہ ہم پیدائشی غرض سے کئے گئے تھے کہ مصائب اُٹھائیں رنج سہیں۔ درد سے بیقرار ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپیں اور ہمارے تڑپنے کا تماشا دنیا کے تماشائی دیکھیں اور ہماری تکلیف کو ہمارے پارٹ کی خوبی سمجھ کر خوش ہوں۔

ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک سینکڑوں سال آئے اور چلے گئے۔ نئے سال کی خوشیاں منائی جاتی رہیں۔ نئے سال کے ساتھ نئی امیدوں کا پیدا ہو جانا بھی لازمی ہے۔ ہمارا مرحوم تماشائی سنہ ۱۹ء جس کا نام لیتے ہوئے دل تھراتا ہے زمین کانپتی

اور آسمان چکر میں آتا ہے آیا اور مقررہ وقت تک قیام کرنیکے بعد چلا گیا۔ نیا مہمان آیا اور اپنے ساتھ
نئی اُمیدیں لایا گر دیکھنا کہیں آنیوالے کی خوشی میں جانے والے کے غم کو نہ بھول جانا کیوں ؟
کس لئے ؟ کیا اسلئے کہ اسکے واقعات کی یاد دل کے زخموں کیلئے نمک پاشی کا کام دے ؟ ؎

تیرے تیر نیمکش کو کوئی میرے دل سے پوچھے
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

ہاں درد اور میٹھا میٹھا درد لطف انگیز ہے اس کی برداشت شان عاشقی ہے۔ اے درد
اُٹھ بیقرار کر اور ہمیں دیوانہ بنا دے۔ ؎

دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند
آنرا کہ عقل بیش غمِ روزگار بیش

ملکی خیر خواہی کا دم بھرنا اور مصائب سے ڈرنا عشق اور نزاکت ضرورت اور حکم ! آہ آخر کامیابی
ہوتی تو کیونکر ؟ ہماری آرزوئیں بر آئیں تو کس حیلہ سے ؟ اے ملک کی بہتری چاہنے والو۔ اے ملت پر
مرنے والو۔ اے ملک کیلئے زمین و آسمان کے قلابے ملانیوالو پہلے اپنے پہلو میں ایک درد بھرا دل پیدا
کرلو اور پھر ملکی خدمت کا نام لینا۔ ع

بے رنج گنج میسر نمے شود

جب تک تکلیفیں برداشت نہ کرو تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تمہاری تکلیفیں تمہاری کامیابی
کا ذریعہ ہیں اسلئے ان سے بزدل نہ ہونا چاہئے۔ رام رام نہ ہوتے اگر ان پر مصیبتیں نہ آتیں۔ بدھ بدھ
نہ ہوتا اگر آفتوں کا مقابلہ نہ کرتا۔ تکلیفیں اپنے ساتھ کبھی کبھی خاص برکتیں لاتی ہیں۔ سونا جبتک تپایا نہیں
جاتا کندن نہیں بنتا۔ دیکھنا یہ موقعہ ہاتھ سے نہ جائے ۔

جب گیدڑ کی موت آتی ۔ ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے جب کسی قوم کے برے دن آتے
ہیں تو اس میں جوش کے بدلے نفرت، ایثار نفسی کی بجائے خود پرستی اور جوش کی جگہ کاہلی لے لیتی ہے مگر
اسکے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی قوم کبھی مردہ نہیں ہوتی کیونکہ جبتک ایک فرد واحد بھی اس

قوم میں زندہ (زندہ دل) ہے تو کسی کو حق نہیں کہ اس قوم کو مردہ کہہ سکے ◆

سنہ ۱۹۰۸ء کے واقعات کو دہرانا اور ان تکالیف کا ذکر کرنا اگرچہ جیسا کہ ہم نے ابھی کہا لطف انگیز اور نتیجہ خیز ہے کیونکہ یہ واقعات دل میں درد پیدا کرنیوالے ہیں اور درد دل کی ہی ہمیں ضرورت ہے مگر ہم یہاں بیان نہیں کرتے کیونکہ تضیع اوقات ہوگی۔ آپ اپنے خیال کو دل کے داغوں کی سیر کرائیے اور اس خلش کا لطف اُٹھائیے ◆

مصیبت سے پناہ کی تلاش ہونا قانون قدرت ہے۔ ہندستانی سال بھر مصائب کا خاموشی سے مقابلہ کرتے ہوئے اس دن کو تک رہے تھے جسے بڑا دن کہتے ہیں۔ ان دنوں میں کیا بڑائی تھی جن پر ان کی آنکھیں لگی تھیں؟ یہ مسیح کی پیدائش کا دن تھا اور مسیح کو خدا نے یہ طاقت دی ہے کہ تمام دُکھ دور کر دے پس اہل ایمان ملک کیلئے سب سے زیادہ متبرک ہوا اور باوجود پیمان شکنی کے اس دن یہ امید کی جاتی ہے کہ التجا کا جواب انکار نہ ہوگا۔ اس خدائی کے علاوہ ایک اور بھی بڑائی تھی جس کی کشش زیادہ اثر رکھتی تھی اور ہندستانیوں کو حراساں ہونے دیتی تھی وہ کیا؟ نیشنل انڈین کانگرس جو سینکڑوں امیدوں کا مرکز، ہزاروں آرزوؤں کا منبع اور لاکھوں تمناؤں کا مرجع کہلاتی تھی۔ غریب کا بچہ جب گلی کے لڑکوں سے پٹ کر ماں کے پاس روتا ہوا آتا ہے اور وہ دلاسا دیکر اس کا ماجرا سنتی ہے اور کہتی ہے "میں قربان جاؤں میرے بچے رو نہیں" تو وہ تمام شکوے وہ تمام شکایتیں جو ہونٹ تک آئیں فوراً بھول جاتا ہے اور خوش ہو کر مسکرا کر کہتا ہے "اچھی ماں اب تو نہیں رونگا" سال بھر کی شکایتیں دل میں چھپی ہوئی اس دن کا انتظار کر رہی تھیں کہ اشارہ ہو اور برس پڑیں۔ آہ اس مایوسی کا جو کانگرس کے ایسے وقت میں نامراد ہونے سے ہوئی خیال کیجئے اور آپ کے دل پر صدمہ ہوگا۔ وہ امیدیں جو سال بھر رکھتی تھیں بے رحمی سے کچل ڈالی گئیں۔ ملکی لیڈرو اور ملک کے بنائے ہوئے رہنماؤ ایک منٹ کیلئے سوچو کہ وہ امانت جو ملک نے تمہارے سپرد کی تھی کس لاپرواہی سے پامال کی گئی ہے تم نے ملک کے اعتبار کو کیسی اچھی طرح بٹھایا ہے ٹھیک اس وقت جب تمہاری خدمت کی ضرورت تھی جو وقت کہ امتحان وفاداری کا تھا تم نے ذاتیات کو دخل دیا اور ضد میں آکر ناعاقبت اندیشی کی باعث میں ہٹ دھرمی کی دیاسلائی لگادی اور کانگرس کا عالیشان محل دیکھتے دیکھتے برباد

ہوگیا۔ ہم کسی فریق کی طرفدار نہیں۔ تو ہم اس بات کے قائل ہیں کہ سورت کانگرس کی شرمناک سرگذشت کے ذمہ دار صرف ماڈریٹ ہیں اور نہ ہم اس بات سے اتفاق ہے کہ اکسٹریمسٹ پہلے سے کانگرس کی بربادی کی تیاری کر کے آئے تھے ہمارے خیال میں دونوں برابر قصوروار ہیں اگر ایک قاتل ہے تو دوسرا خنجر اگر دنیا میں شرم کوئی چیز ہے اور اپنے فرائض کا دیانتداری سے انجام نہ دینا قابل شرم ہے تو ملکی لیڈروں کو اسلئے شرم آنی چاہئے کہ ملکی خدمت کی وہ دلچسپ حکائتیں جو ہم ان سے سنا کرتے تھے صرف مغالطہ ہی تھی اور وہ عمل کی ترازو میں پورے نہیں اترے اور اہل ملک کو معلوم ہوگیا کہ انہوں نے اپنے رہنما بنانے میں غلطی کی اور ایسے لوگوں کو منتخب کیا جو اس کے قابل ثابت نہیں ہوئے ان میں بھی وہی کمزوریاں موجود تھیں جس نے ہندوستان کو برباد کیا اور اس درجہ پستی پہنچایا۔ ہم سب اہل ملک اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ اگر وہ لوگ جنکے سپرد ہم نے ملکی بہبودی کی تھی اسکے قابل ثابت نہیں ہوئے یا آئندہ ثابت نہ ہوں تو انہیں علیحدہ ہو جانے پر مجبور کریں کیونکہ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ انکی کمزوریوں اور غلطیوں کا نقصان ملک اٹھائے مگر ایک اور موقعہ آزمائش دیا جانا ضروری ہے لیکن افسوسناک واقعات کو چھوڑ کر جنہوں نے سورت کانگرس کو ناکامیاب کیا کیونکہ موقعہ کے جوش نے بہت سی ایسی باتیں جو ہمارے رہنماؤں کی شان کے خلاف تھیں ایک دوسرے کو کہنے پر مجبور کیا ایک جملہ معترضہ چھوڑ کر کہتا ہے دیکھو ہم کانگرس کے مقاصد پر بحث کرینگے

کانگرس کے کارکنوں کو یہ بھول نہ جانا چاہئے کہ ملکہ معظمہ مرحومہ اور حضور ایڈورڈ ہفتم کا فرمان شاہی جھوٹے ہوگئے جو حکام جبر و تشدد کی پالیسی وار رکھتے ہیں جس سے یونہی رعیت جاتی اور محبت کا فور ہوتی جاتی ہے خواہ آپ کتنے ہی ماڈریٹ کیوں ہوں آپکی قومی بہتری کی کوششوں سے خوش نہیں ہوسکتے وہ آپکی کسی شکایت کو بھی جائز نہیں سمجھتے اگر ایسا ہوتا تو انہیں ان شکایات کو رفع کرنے میں کیا عذر ہوسکتا تھا اسکے یہ معنی تھے کہ آپکو کوئی شکایت ہوتی اگر کوئی شکایت ہوتی تو ایک بھی اکسٹریمسٹ ملک میں نظر نہ آتا۔ کانگرس کی بائیس سالہ روئداد ہمارے سامنے ہے جو ہمارے دعوے کی دلیل ہے آپ یہ کہینگے کہ ہماری کچھ شکایتوں پر توجہ دی گئی ہے مگر اسکے ساتھ یہ نہ بھول جانا چاہئے کہ جو شکائتیں سنی گئی ہیں ان سے نہ توجہ دی گئی ہوئی شکائتیں کی تعداد بہت زیادہ ہے اکسٹریمسٹ گروہ گورنمنٹ کا اپنا بنایا ہوا گروہ ہے اور اگر وہی پالیسی ہے جس کا

ہمیں سال گذشتہ میں تجربہ کرنا پڑا ہے تو یہ گروہ دن بدن بڑھتا جائیگا یہ کہنا کہ تم اکثریت سے علیحدہ ہو جاؤ اور تمہاری تمام شکائتیں سنی جائینگی یاد رکھو کہ ایک دانا دشمن کی چال ہے جو تم میں تفرقہ ڈالکر تم پر قابو پانا چاہتا ہے ایسے سوال کا جواب صرف ایک ہو سکتا ہے اور وہی دیا جانا چاہیئے تھا اور وہ یہ کہ تم اپنے طرز حکومت کو بدل لو اور ایسا سلوک کرو جو تمہارے شایاں ہو شکایات سنو ان پر غور کرو اور انکی تلافی کی تدبیر کرو اور وہ اکثریت فرقہ جس سے تم نفرت کرتے ہو اور ہمیں علیحدہ ہونیکی صلاح دیتے ہو خود بخود معدوم ہو جائیگا ورنہ وہ ناسور جو ناعاقبت اندیش حکام کے جبر و تشدد کے ذریعے مادہ سے بنا ہے دن بدن زیادہ مہلک ہوتا جائیگا اس ناسور کی بیخ کنی کیلئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ اس حصہ کو جسے خراب ہو جانا بیان کیا جاتا ہے کاٹ دیا جائے بلکہ اس کی شفا کیلئے ایک ایسا سہل نسخہ ہے جسے اگر آپ ذرا بھی توجہ اور کوشش سے کام میں لائیں تو اکسیر ثابت ہو سکتا ہے اور وہ نسخہ محبت اور جائز شکایات کی شنوائی ہے یہ کون نہیں جانتا کہ محبت محبت سے ہی پیدا ہوتی ہے جبر اور سختی کا برتاؤ کرنا اور محبت اور وفاداری کی امید رکھنا ایسا ہے کہ کوئی شخص کانٹے بوئے اور پھولوں کی امید رکھے +

ملک کے رہنماؤ تمہارا اہل ملک کے دلوں پر قبضہ ہے اور تمہاری راسی کمزوری ملک کیلئے بربادی لانیوالی ہے اب تم منزل ہستی کی ہفت خوان میں سے اس موڑ پر پہنچے ہو جہاں ایک طرف مہیب آوازیں ڈراتی ہیں اور دوسری طرف دل خوش کن نغمے اپنی طرف بلاتے ہیں یہاں تمہارے تجربہ اور عقل کا امتحان ہے تمام ملک کی نظریں تمہاری طرف ہیں دیکھ رہی ہیں کہ تم کونسا راستہ اختیار کرتے ہو۔ مہیب آوازوں سے ڈر جانا تمہاری شان سے بعید ہے اگر یہ منزل طے ہو گئی تو پھر چمن ہی چمن لگا ہے اگر دل خوش کن آوازوں پر مائل ہو گئے اور مہیب آوازوں اور آنیوالی تکلیفوں کا خیال کر کے اس راہ کامیابی کو چھوڑ دیا تو یاد رکھو کہ تمہارا ملک ہمیشہ کیلئے برباد ہو جائیگا دل خوش کن آوازیں کہتی ہیں کہ تم ان ساتھیوں کا جو تمہیں دوسرے راستہ پر جانیکا مشورہ دیتے ہیں ساتھ چھوڑ دو کیونکہ وہ بربادی کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں مگر ذرا سوچو کہ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ راستہ خطرناک اور برباد کن ہے تو کیا یہ شرط وفا ہے کہ تم خود تو اس راہ پر چلو جسے کامیابی کی منزل پر لے جانیوالا کہا جاتا ہے اور اپنے باقی ساتھیوں کو دشمن کے حوالے کر جاؤ تم کہو گے کہ ہمارا اور ان کا اختلاف ہے

ہے جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ مانتے نہیں پس اتنی سی خطا پر تم انکے دشمن بنتے اور انہیں دشمنوں کے حوالے کرتے ہو۔ تمہاری اس دلیل پر عقلمند ہنسینگے اور یقین نہ کرو۔ لوگ تمہیں علیحدہ ہوجانیکا مشورہ دیتے ہیں وہ بھی تمہاری اس تجویز کو دل سے پسند نہیں کرتے۔ محبت اور پیار سے بحث کرو اپنی اپنی دلایل پیش کرو اختلاف رائے گناہ نہیں اور جبتک تم آگے جانے کیلئے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے ہرگز مت ٹھہرو۔ فاش قدر کوشش کافی ہے کہ تم میں کوئی ایسی کمزوری پیدا ہونے پائے جو تمہیں نیچے لیجانیوالی ہو ۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کانگرس میں فی تقسیم ہوجانا ناکامیابی کا شگون ہے ہمیں ان سے اتفاق نہیں کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اپنے غرض کے بعض [illegible] کا نتیجہ ہے [illegible] کانگرس کی ناکامیابی کے ہم ایک [illegible] سال آئندہ [illegible] سال آئندہ بجائے کانگرس کے عظیم الشان جلسے کے چھوٹی چھوٹی مجلسیں بلحاظ تعداد زیادہ فریق ہوجائیں ہمیں شاندار جماعت کی عظمت کو تو ہم نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے کانگرس میں شامل ہونیوالوں کی تعداد وہ وجہ بہت گھٹ جائیگی۔ ایک تو اسلئے کہ گذشتہ صدمہ پہنچانیوالے واقعات کے صدمہ کھائے ہوئے دل ریزولیوشن پاس کرنیکے معتقد نہیں رہے اور ان کا اتفاق اس طریق سے اٹھ چلا ہے وہ اس بات کیلئے روپیہ خرچ کرنیکے لئے تیار نہیں کہ اس قدر دور دراز کا سفر کریں اور چند تقریریں جنہیں لفاظی کا اعلے نمونہ کہنا مبالغہ نہیں سنکر واپس چلے آئیں۔ حالت تو فریق نرم کی ہے رہا فریق گرم جو عمل کا دعویدار ہے اُس کی بھی سن لیجئے کہ اگر انکے سب مقاصد سے نہیں تو ان تین مقاصد سے تو ۹۰ فیصدی اہل ملک کو اتفاق ہے ۔

(۱) گورنمنٹ برطانیہ کی پابندی صرف قوانین کی پابندی تک محدود ہو ۔

(۲) قومی تعلیم کیلئے ہم گورنمنٹ کے دست نگر نہ بنے رہیں ۔

(۳) اپنے ملک کی صنعت کی مدد کریں اور تکلیف برداشت کرتے ہوئے بھی غیر ممالک کی اشیا استعمال نہ کریں ۔

مندرجہ بالا مقاصد میں کوئی بات ایسی معلوم نہیں ہوتی جسے گورنمنٹ کی بدخواہی کہا جاسکے ہماری بہبودی گورنمنٹ کی اپنی بہبودی ہے مگر مثل مشہور ہے کہ خوئے بد را بہانہ بسیار۔ اگر وہ حکام [illegible] کی

غلطیوں کی بدولت گورنمنٹ اور رعایا میں کشیدگیاں پیدا ہوئیں اور جنہوں نے جھوٹی اور بے بنیاد رپورٹوں پر ہماری دل آزاری روا رکھی ہماری ان نیک نیتی پر مبنی مقاصد کو بھی شک کی نظر سے دیکھیں تو گویہ ان کی سمجھ کا قصور ہے اور ہم اسکے ذمہ دار نہیں گردانے جاسکتے مگر چونکہ یہ مقاصد ایکسٹریمسٹ فریق سے منسوب کئے جاتے ہیں اور یہ فرقہ کوتاہ اندیش جوان طبیعتوں کی بیہودگیوں کی بدولت بدنام ہوچکا ہے اور وہ حکام اسے بدنام بھی کیا چاہتے ہیں اسلئے ان مقاصد سے ہمدردی رکھتے ہوئے بھی اتنی اخلاقی جرأت رکھنے والے بہت کم آدمی ملینگے جو باعلان عام یہ کہیں کہ ہمیں ان مقاصد سے اتفاق ہے اور نیشنلسٹ کانفرنس میں شریک ہوں کیونکہ وہ بیچارے ڈرتے ہیں کہ اگر انکے صوبے کے حکام کو یہ پتہ چلگیا کہ وہ نیشنلسٹ ہیں تو غیر ذمہ دار لوگوں کی بیہودگیوں کے بھی وہ ہی ذمہ وار گردانے جائینگے اور ذرا ذرا سی بات پر ان کی مزاج پرسی ہوگی۔ اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی کہ دونوں انجمنوں میں سے کسی کو بھی جہانتک اجلاس کا تعلق ہے کامیابی نہ ہوگی اور اس کا یہ لازمی اثر ہوگا کہ قومی بیداری جو ملک میں کانگرس کی بارہ سالہ کوشش سے پیدا ہوئی تھی رفتہ رفتہ بالکل مرجائے گی۔

فرقہ بندی کے حامی ولایت کی لبرل اور کنسرویٹو اور ٹوریز پارٹیوں کو بھی بطور تمثیل پیش کرتے ہیں اور ہمیں افسوس ہوتا ہے جب ہم بعض نامور رہنماؤں کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں۔ اول تو وہاں کے حالات اور یہاں کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور انکی تمثیل ہم پر کسی طرح صادق نہیں آسکتی وہ ایک فرمانروا قوم ہے اور انکا اختلاف ان کے کسی فرد کیلئے ذاتی تکلیف کا باعث نہیں ہوسکتا نہ ہی گورنمنٹ کے بدگمان ہوجانیکا اندیشہ ہے وہ انکا لیکن یہاں ایکسٹریمسٹ ہونا گویا باغی ہونا ایک معنی رکھتا ہے وہاں پبلک اوپینین Public Opinion ہر ایک متنازعہ امر کا فیصلہ کرنے کیلئے موجود ہے اور اس کا فیصلہ آخری تسلیم کیا جاتا ہے یہاں پبلک اور پیٹریٹ جو کچھ ہیں مٹھی بھر تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور ان میں بھی وہ لوگ جنہیں ملک کا لیڈر سمجھ لیا گیا ہے جو کچھ کریں فیصلہ شدہ امر ہے نہ کوئی ان کے منصوبوں کی نگہداشت کرنیکے قابل اور نہ کسی کی جرأت یہ پبلک اوپینین Public opinion کی ہی کمی ہے کہ آج ہم کانگرس کو برباد ہوتا دیکھ رہے ہیں

تماشا تک دیدم دم درکشیدم

کے مصداق بنتے جاتے ہیں یہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ لبرل اور ٹوریز کے اختلاف سے خدانخواستہ پارلیمنٹ ٹوٹ گئی۔ دوئم جو قوت پیرا کا باعث فخر لبرل اور ٹوریز کو حاصل ہے وہ انہیں مبارک خدا وہ دن نہ لائے جب ہم مغربی تہذیب کے اس درجہ معتقد ہوں ہم تو ہندوستان کیلئے وہ وقت انتہائی ذلت کا سمجھیں گے جب اس درجہ تک مغربی تہذیب ان پر قابض ہو جائیگی اور یہ غلامی سب سے بڑی غلامی ہو گی لالہ لاجپت رائے نے سودیشی کانفرنس میں اپنے پریسیڈنشل ایڈریس میں اسی کے متعلق کہا ہے :-

> ہندو مسلمانوں اور پارسیوں کیلئے وہ دن بہت ہی نامبارک ہوگا جب مغربی طریقے اور مغربی قاعدے ان پر بالکل غالب آ جائینگے ہم کو بھول نہیں جانا چاہئے کہ ہم ایک خود رو قوم نہیں جن کی کوئی تہذیب نہ ہو جس پر وہ فخر کر سکیں۔ عمر کے لئے عزت۔ تجربہ کیلئے لحاظ اور خون اور رشتہ داری کا خیال ہمیں وراثت میں ملے ہیں۔

کانگرس کے مقاصد کے متعلق جو اختلاف رائے ہے اگر اس پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا جائے تو وہ یقیناً ہمارے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ ہم نے کلکتہ کانگرس کے موقع پر جب کانگرس کی فرقہ بندی صاف طور سے ظہور میں آئی تھی آزاد کے پہلے نمبر میں کہا تھا :-

> ہر کوئی کام ایسا نہیں جس میں اختلاف رائے نہ ہو اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ جس کام یا جس تحریک میں اختلاف رائے نہیں وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اختلاف رائے ہی سے کسی مسئلہ کے نیک و بد پہلو پر روشنی پڑتی ہے جس کی تاہم ملکی کو چھنکر بھی پھینک دیتے .... وقت اور ضرورت کے مطابق کانگرس کو وہ طریق اختیار کرنا چاہئے۔ جس سے سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے اور یہ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ بعض باتوں کیلئے مجبور کیا جائے اور بعض کو انکے حکم پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو موجودہ اختلاف رائے سے خود پیدا ہو جائیگی۔

مقاصد کا اختلاف بحث مباحثہ سے دور ہو سکتا تھا نہ کہ جوت پیزار یا علیحدگی سے۔ ہم نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ ڈاکٹر رش بہاری گھوش نے ایجز کے نامہ نگار سے کہا کہ میں بہت خوش ہوں کہ دو فریق ہو گئے کیونکہ اب کانگرس اپنا کام کامیابی سے کر سکیگی۔ اگر کوئی معمولی قابلیت کا آدمی یا ناتجربہ کار

مدبر ایسے پوچ خیالات ظاہر کرتا تو چنداں افسوس نہ تھا مگر یہ غیر متوقع الفاظ ڈاکٹر گھوش آیسے معاملہ فہم تجربہ کار مدبر سے سنکر ہر ایک محب وطن کو افسوس ہوگا اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جب قومیں برباد ہونے لگتی ہیں تو قومی کام کرنے والوں کے دماغ میں ایسے ہی خیالات بھر جاتے ہیں پرماتما ہندوستان کی حالت پر رحم کریں!

اے علیحدہ ہوکر کامیابی سے کام کرنیکی امید میں مگن رہنے والو یہ سمجھ لو کہ تم بھولے ہوئے ہو۔ آخر کبتک علیحدہ ہوئے جاؤگے۔ اگر گورنمنٹ کا طرز حکومت سال گذشتہ کا سا رہا تو ملک میں ناراضگی بڑھتی جائیگی اور مصیبت کے ماروں کا چڑچڑا ہو جانا قانون قدرت ہے۔ تمہاری ذاتی شان و شوکت انہیں خوش کرنے کیلئے کافی نہیں۔ اے مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ دینے والو سوچو اور اپنے فرض کو سمجھو کہ اگر یہی گرم بازاری ہے تو تمہاری ہاں میں ہاں ملانے والے بہت تھوڑے رہجائینگے اور کچھ عرصہ کے بعد تم محسوس کروگے کہ جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں انہیں بھی چھوڑ دو کیونکہ اب انکے خیالات تم سے نہیں ملتے۔ اگر تمہیں اس طرح علیحدہ ہونا ہے تو بہتر ہوگا کہ ابھی اس دردسری سے سبکدوش ہو جاؤ تاکہ تمہاری کمزوریوں سے جو نقصان ملک کو پہنچنے کا اندیشہ ہے اس سے غریب ہندوستان بچ جائے۔

مقاصد کے اختلاف پر بحث کرنے کیلئے ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے اور اس پر ہم آئندہ نمبر میں بحث کرینگے یہاں مختصراً کے ساتھ اسقدر کہدینا کافی ہوگا کہ قومی تعلیم کا ہمارے ہاتھ میں ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اول تو گورنمنٹ سے امداد کی توقع نہیں اور اس وقت کا انتظار کرنا جب گورنمنٹ ہماری امداد کیلئے تیار ہو حماقت ہے۔ دوئم گورنمنٹ کے زیر فرمان رہکر جس تعلیم کی ملک کو ضرورت ہے ہم اپنے بچوں کو نہ دے سکینگے جیسا کہ اسقدر عرصہ کا تجربہ بتلا رہا ہے اس طریق میں گورنمنٹ کیلئے کوئی وجہ ناراضگی نہیں بلکہ ایک طرح سے اسکے فرائض میں امداد ہے کیونکہ اگر گورنمنٹ کا مقصد بھی ہندوستانیوں کو تعلیم دینا ہے اور ہمارا یہ بوجھ اپنے سر لینا گورنمنٹ کو ایک بڑے بار سے سبکدوش کرنا ہوگا دوم اپنی صنعت و حرفت کی قدر کرنا اور اپنے ملک کی تیار شدہ اشیاء استعمال کرنا گناہ نہیں اور اس میں کہیں غداری یا بغاوت کی بو نہیں آتی۔ اصل پوچھو تو یہ ہم نے انگریزوں کی

تقلید کی ہے یہ مقصد ایسا ہے جس سے کانگرس کے دونوں فریق کو اتفاق ہونا چاہئے ۔ یہ خیال کرنا کہ گورنمنٹ سودیشی کے حامیوں کو باغی خیال کرتی ہے غلطی ہے ہماری حکمران قوم تجارت پیشہ ہے اور اپنی تجارت کو نقصان پہنچنے کے خیال سے اگر کسی قدر ناراض ہو تو عجب نہیں مگر یہ ناراضگی بغاوت کی بدگمانی تک نہیں ہو سکتی یہ ایسی ناراضگی ہے جسکی ہمیں اپنی جان بچانے کیلئے پروا نہ کرنی چاہئے ۔ کون نہیں جانتا کہ سینکڑوں ہنرمند محض ناقدردانی کی بدولت فاقوں مرتے ہیں ۔ انگلستان کی بحیثیت مجموعی اپنی طرف توجہ منعطف کرنے کیلئے سب سے اچھا ہتھیار بائیکاٹ ہے (۳) گورنمنٹ کی پابندی صرف قوانین کی پابندی تک محدود ہو ۔ یہ اصول بجائے خود امر واقع ہے اور پابندی ہمارے لئے ہو ہی کیا سکتی ہے (۴) حکام گورنمنٹ کو پریشان کرنا سرکاری ملازمت کو چھوڑنے کی نیت سے چھوڑ دینا ناپسندیدہ طریق ہے ۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ قومی خدمت کو سرکاری ملازمت پر ترجیح نہ دو ۔ مگر ان لوگوں کا جو سرکاری ملازمت میں ہیں حکام کو پریشان کرنیکی غرض سے مستعفی ہو جانا تعلقات کو زیادہ پیچیدہ بنا دیگا ۔ ع

آنچہ بخود نپسندی بہ دیگراں مپسند

جب ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہم پر سختی سے حکومت کیجائے تو گورنمنٹ کو حقوق کے مطالبہ میں پریشان کرنا اور چڑانا کہانتک درست ہے اسکا جواب ہر ایک منصف مزاج نفی میں دیگا ۔ ایسا کرنا خود کو الجھن اور مشکلات میں ڈالنا ہوگا ۔ اور جان بوجھ کر مشکل میں پڑنا عقلمندی نہیں ۔ جو وقت ہم اس ناپسندیدہ طریق میں صرف کرینگے اسکا بہت بہتر استعمال کیا جا سکتا ہے ۔

سورت کانگرس کا حشر جس افسوسناک بلکہ شرمناک طریق پر ہوا اس میں کسی ایک فریق کو ملزم قرار دینا اور دوسرے کو بیگناہ بتلانا سخت بے انصافی ہوگی ۔ ہماری رائے میں دونوں باہم قصوروار ہیں ۔ اگر ایک فریق بھی تحمل اور وقت شناسی سے کام لیتا تو ہرگز یہ صورت پیدا نہ ہوتی اور بہت زیادہ امید ہے ہم [illegible] تک سے سکتے تھے ۔ جب دو فریق میں نزاع ہو اسکے رفع کرنیکا سہل طریقہ یہی ہوا کرتا ہے کہ موقع کی گرمی میں ایک فریق برداشت کرے اور مناسب وقت پر جب دوسرے کا

آزاد کے معاونین کو نئے سال کا نادر تحفہ

ذیل میں وہ فارم خریداری آزاد درج کئے جاتے ہیں جو صاحب انکے ذریعے سے پندرہ دن کے اندر آزاد کی خریداری شروع کرینگے اُنہیں آزاد کا کانگرس نمبر مفت نذر ہوگا ۔

درخواست خریداری آزاد

جناب منیجر صاحب آزاد

تسلیم ۔ میرا نام خریداران آزاد کاغذ قسم اول ۔ دوم ۔ سوم میں درج فرما کر قیمت بذریعہ منی آرڈر / وی پی وصول کر لیجئے ۔

دستخط

پتہ مفصل خوشخط

نوٹ: جس قسم کے کاغذ کا رسالہ مطلوب ہو اسکے سوا باقی سب الفاظ متعلقہ قسم کاغذ کاٹ دیجئے ۔